٥٢٧٥٧
٢٠٣٨٧
١

قبر امام ہشتم دین حضرت رضاؑ

از جاں ببوس و بر در ایں بارگاہ باش

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ

١٣٣٠ھ / ١٩١٢ء

جلد دوم

لمعۃ الضیا فی العمدۃ من اخبار الرضاؑ

مشتمل بر حالات تاریخی روضۂ مبارکۂ رضویہ و معجزات آں بقعۂ مطہرہ و ثواب زیارت و طریق زیارت وغیرہ

از تصانیف

مرجع انام مفیض الخیر الی الخاص والعام عمدۂ علماء عاملین مروّج اخبار دین مبین مصنّف سلسلۂ تاریخ ائمۂ معصومینؑ ذی الفضل البہی والفخر السنی مولانا السیّد مظہر حسن الموسوی ادام اللہ معالیہ و بورکت ایامہ ولیالیہ

برائے آگاہی

طالبان آثار ائمۂ ہدیٰ خصوصاً عاشقان عتبۂ عالیہ امام ہشتم غریب الغرباء حضرت علی بن موسی الرضا صلوات اللہ علیہ

بفرمایش

جناب مولوی شیخ غلام عباس منیجر امامیہ جنرل بک ایجنسی کوچہ نانک چھلہ لوہاری منڈی لاہور

مطبع دلیش سٹیم پریس لاہور میں باہتمام لالہ دینا ناتھ پرنٹر چھپی

مختصر فہرست کتب امامیہ جنرل بُک ایجنسی

لاہور۔ محلہ لوہاری منڈی۔ کُوچۂ نانک پھل

خرچہ ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار ہے

حمائل شریف مترجم۔ نہایت خوشخط و صحیح۔ تقطیع برابر کارڈ۔ مجلد عہ بلا جلد عہ +
حمائل شریف سنہری کاغذ مصری چھاپہ۔ مجلد بمبئی۔ عاً +

حیات دبیر رح۔ (۱) جس میں حضرت دبیر رح کے صحیح حالات ہیں۔ (۲) حضرت دبیر رح کے
معاصرین اہل علم و شعراء کے حالات۔ (۳) کلام دبیر رح کے مقابلہ میں کلام شعراء اردو۔
فارسی و عربی و طرز کلام بعض شعراء یورپ۔ (۴) صنائع و بدائع شاعری معلوم ہونے کی
ضرورت۔ (۵) ہر قسم کی سلیس و فصیح و دقیق و بلیغ و سہل ممتنع نظم۔ (۶) مولوی شبلی
صاحب کے اعتراضات مندرجہ موازنہ کی تردید۔ (۷) لکھنؤ کے شاہی زمانے کی
مجالس کی کیفیت کا نظارہ۔ (۸) ایشیائی شاعری کے ہر قسم کے نمونے۔ (۹) اردو
زبان سے واقفیت۔ غرض عجب دلچسپ کتاب ہے۔ قیمت ڈمی کاغذ
سیرامپوری عہ +

تبصرۃ الایمان } یعنی سوانح عمری جناب صاحب الامر علیہ السلام۔ اردو زبان میں
جو مشتمل ہے بیان وجود ذی جود جناب رسالتمآب صلے اللہ
علیہ و آلہ وسلم و ائمہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے۔ خصوصاً ظہور جناب صاحب الامر
بہت بسط کے ساتھ کتب تواریخ عیسائیہ و براہمہ و اسلامیہ سے ثابت کیا ہے
اور انجیل و توریت و زبور و وید میں سے تمام پیشنگوئیوں کی اصل عبارت بحوالہ صفحہ
خوب مفصل لکھی ہیں۔ اور تمام پیشنگوئیوں کے ترجمے بھی لکھ دئے ہیں۔ غرض یہ کتاب
جس کے نام نامی سے خوبی مضامین کا پتہ چلتا ہے۔ ایسی زبردست و پُرزور تصنیف

نوٹ:۔ باقی فہرست اخیر کے صفحہ ج و د پر دیکھو +

فہرست عنوانات کتاب مستطاب اللمعۃ العلیا فی العمدۃ من اخبار الرضا جلد دوم بقید تعداد صفحات

قبر امام ہشتم دین حضرت رضاؑ ✦ از جاں ببوس و بر در ایں بارگاہ باش

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْ عَنْہُ

٥٢٧٥،

جلدِ دُوُم

لُمْعَۃُ الضِّیَا فِی العُمْدَۃِ مِنْ اَخْبَارِ الرِّضَاؑ

مشتمل بر حالات تاریخی روضۂ مبارکۂ رضویّہ و معجزات آں بقعۂ مطہّرہ و ثواب زیارت و طریق زیارت وغیرہ

از تصانیف

مرجع انام مفیض الخیر الی الخاصّ و العام عمدۂ علماء عالمین مروّج اخبار دین مبین مصنّف سلسلہ تاریخ ائمۂ معصومینؑ ذی الفضل البہی و الفخر السّنی مولانا السیّد مظہر حسن الموسوی ادام اللہ معالیہ و بورکت ایامہ و لیالیہ

برائے آگاہی

طالبان آثار ائمۂ ہُدےٰ خصوصاً عاشقان عتبۂ عالیۂ امام دوسرا غریب الغرباٰ حضرت علی بن موسی الرّضا صلوٰاتُ اللہ علیہ

بفرمایش

جناب مولوی شیخ غلام عباس صاحب مینجر امامیہ جنرل بک ایجنسی لاہور

در مطبع دیش سٹیم پریس لاہور طبع شد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا وَّمُسَلِّمًا

علم تاریخ وسیر ہی وہ شریف علم ہے۔جس سے انبیاء مرسلین و اولیاء و اصفیاء خداد امراء کبار و سلاطین نامدار و دیگر مشاہیر عالم و کملاء بنی آدمؑ کا حال دریافت ہوتا ہے۔یہی علم گزشتہ تجربات کا آئینہ سامنے کر کے ہمیں آئندہ زندگی آرام و عزت سے بسر کرنے کا راستہ دکھاتا ہے۔علم تاریخ نہ ہوتا۔تو وقائع ماضیہ و سوانح ایام سابقہ تمام پردۂ خفا میں مستور رہتے۔اور انسان کو مدارج کمال طے کرنے کا راستہ ہاتھ نہ آتا*

ہندوستان میں جب سے اُردو زبان کو فروغ حاصل ہؤا۔اس وقت سے مختلف علوم و فنون کی کتابیں اس میں لکھی گئیں۔حتےٰ کہ بہت بڑا حصّہ دینی علوم کا بھی اس زبان میں ترجمہ ہو گیا۔تاریخی مذاق والوں نے اس فن میں بھی کتب و رسائل تالیف کئے۔چنانچہ بہت سے فرمانرواؤں اور دیگر مشہور اشخاص کی حتےٰ کہ بعض عورات تک کی سوانح عمریاں لکھی گئیں۔لیکن یہ دیکھ کر افسوس ہوتا تھا۔کہ جو حضرات باعث ایجاد عالم و فخر اولاد آدمؑ موجب قیام آسمان و زمین و برگزیدگان ربّ العالمین ہیں اعنی موالی اکرام و ائمۂ عظام سلام اللّٰہ علیہم اجمعین۔اور جن کی سیر حسنہ پڑھنے اور اُن میں غور کرنے اور اُن کے موافق عمل پیرا ہونے سے انسان انسان نہیں رہتا۔فرشتہ بن جاتا ہے۔اُن کے حالات تالیف و ترجمہ کرنے کا کسی کو خیال تک نہیں آتا۔بنا بریں پچیس تیس سال کا عرصہ گزرتا ہے۔کہ اس

افضل الخلائق نے اپنی توجہ کو اس طرف موڑا۔ اور کچھ مدت کی لگاتار محنت سے تین جلدیں کتاب مستطاب التہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنینؑ کی لکھیں۔ جو مطبع یوسفی دہلی میں طبع ہوکر مطبوع خلائق ہوئیں۔ بعد ازاں حالات ترجمان الحقائق کشاف الدقائق ابو عبد اللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس خاکسار نے لکھے اور چھپ کر شائع ہوئے۔ اس کے بعد جلد اول کتاب لمعۃ الضیا سیرت کہف الفقراء غریب الغربا حضرت علی بن موسی الرضا صلوات اللہ علیہما لکھی اور چھاپی گئی۔ اس وقت یہ دیکھ کر مسرور ہوں۔ کہ میری یہ ناچیز کوشش ضائع نہیں گئی۔ بارآور ہوئی۔ مسلمانوں کو فن تاریخ کے اس ضروری حصہ کے پڑھنے لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اور نہ تنہا ان کتب کو انہوں نے رغبت سے لیا اور پڑھا بلکہ چند جلدیں حلال مشکلات کشاف معضلات امام المشارق والمغارب ابو الائمہ مولانا امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے حالات میں عامہ مسلمین وموالیان ائمہ طاہرینؑ نے تہذیب المتین کے بعد لکھیں۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ اب پروردگار عالم سے دعا ہے۔ کہ وہ سبحانہ توفیق دے۔ کہ باقی حضرات کے واقعات اپنی اسی اردو زبان میں اپنے ملکی

---

[1] تین تو یہ جو کتابیں لکھیں نہیں ایک المرتضے مولفہ مولوی عبد الرحمن امرتسری۔ دوسری ارجح المطالب خواجہ عبید اللہ بسمل الفیضا ساکن امرتسر نے لکھی شیعوں میں سید اولاد حیدر بلگرامی نے سراج المومنین فی تاریخ امیر المومنین تحریر کی۔ دوسری الکرار سید ریاض علی بنارسی نے لکھی سید اولاد حیدر صاحب دیباچہ کتاب میں لکھتے ہیں کہ سوائے مختلف علوم وفنون کی کتابوں کے جو بوقت تالیف کتاب ہذا میرے پاس موجود تھیں کتب سیر سے رسالہ المعارف جس میں صرف حضرت رسول خداؐ کے حالات منکشف ہیں اور المرتضے کہ نہایت مختصر کتاب ہے۔ اور ارجح المطالب کہ نو سو صفحے سے زائد پر جامع ومانع کتاب ہے۔ اس کے مصنف نے نہایت جانفشانی سے لکھی مگر ازبسکہ متانی طرز کی لکیر پیٹی گئی ہے اور ترتیب مالتزام کے پورے انتظام نہ ہونے سے اس کتاب کا شمار سیرت کی کتابوں میں مشکل سے ہو سکتا ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ ان کتابوں کے سوا اور کوئی دوسری کتاب نظر سے نہیں گذری۔ انتہی معلوم نہیں کہ تہذیب المتین کا ذکر آپ اس مقام میں بھول گئے ہیں یا عمداً کسی مصلحت سے مناسب نہیں جانا کیونکہ آگے چل کر اسی کتاب میں بہت سے مقاموں میں اس کے حوالے دئے ہیں جیسا کہ صاحب مطبع نے اپنی طرف سے ایک برجستہ فٹ نوٹ لکھ کر اسی صفحہ میں جتا دیا ہے۔ چنانچہ مصنف کی عبارت "ان کتابوں کے سوا" کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ تہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنین ہر دو جلد مطبوعہ مطبع یوسفی دہلی مصنفہ عالی جناب مولنا سید مظہر حسن صاحب سب سے پہلی کتاب ہے۔ جو حالات امیر المومنینؑ میں لکھی گئی۔ اور جس کے حوالے جناب نے اپنی کتاب کے مختلف موقعوں پر دئے ہیں۔ انتہی ۱۲ عفی عنہ

بھائیوں کے آگے پیش کروں۔ فانہٗ علےٰ کل شئی قدیر +

پس واضح ہو۔ کہ اس کتاب میں تاریخی واقعات ومعجزات وغیرہ روضۂ مقدسہ امام الانس والجن حضرت علی بن موسی الرضا علیہ السلام کے فراہم کئے گئے ہیں۔ جب دیکھا جاتا تھا۔ کہ عربی فارسی مصنفوں سے کسی نے ان حالات کی جمع آوری کی طرف توجہ نہیں کی۔ اور آج تک کوئی مستقل تاریخ کسی زبان میں اس کی نہیں لکھی گئی۔ تو اس کا سرانجام دشوار معلوم ہوتا تھا۔ اور یہ احقر اس میں دخل دیتے ہچکچاتا تھا +

دیگر یہ خیال بھی دامنگیر تھا۔ کہ کسی شے کی حالت وہیئت دوسروں کو وہی شخص کما حقہ دکھا سکتا ہے۔ جو خود پہلے اس کا مشاہدہ کر چکا ہو۔ یہ نحیف باوجودیکہ سفر حج میں زیارت رسول اللہ وائمہ بقیع صلوات اللہ علیہم سے اور عراق کے سفر میں عتبات عالیات کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہے۔ یا بعبارت دیگر چاردہ[۱۴] معصوم سے تیرہ[۱۳] کی زیارت پر فائز ہوا۔ مگر حضرت امام رضاؑ کی زیارت باوجود شوق مفرط اب تک نصیب نہیں ہوئی۔ اللھم ارزقنا بکرمک یا کریم۔ اور گو متعدد کتابوں اور سفرناموں کے مہیا ہونے سے اس بقعۂ مبارکہ کے جزئی وکلی حالات سے آگاہی حاصل ہے۔ تاہم آنکھ سے دیکھنے والے اور کاغذ پر حال پڑھنے والے میں جو فرق ہے۔ اولو الابصار والبصائر پر پوشیدہ نہیں +

محقق ثانی شیخ علی بن عبد العالی الکرکی سا متبحر عالم جو طہماسپ اول شاہ ایران کے عہد میں ملک ایران میں مروج دین وایمان ہوا۔ اور جس کی فقہی اور اصول فقہی تصنیفات چار سے برس سے آج تک فیض رسان عالم ہیں۔ انہوں نے ایک دفعہ یہ کہا تھا۔ کہ میں نے فقہ کو اول سے آخر تک چند بار لکھا۔ مگر مباحث حج اور مباحث حیض کو اچھی طرح نہ سمجھا۔ مبحث حج تو حج کر کے سمجھ میں آ گئے۔ مگر حیض کے مسائل نہ حائض ہوا نہ سمجھ سکا۔ فی الحقیقۃ بغیر مشاہدہ کرنے یا اپنے اوپر وارد ہونے کے کسی شے کی ماہیت سے آگاہ ہونا دشوار کام ہے۔ یہ فقط معصوم مؤید من اللہ کا منصب ہے۔ کہ دیکھا نہ دیکھا ان کے نزدیک یکساں ہے۔ جیسا کہ منقول ہے۔ کہ کسی عورت نے مختلف مسائل حیض کے متعلق جناب

صادق آل محمد علیہ السلام سے دریافت کئے۔ اور جواب شافی پائے۔ تو باہر جاکر کہنے لگی۔ کہ حضرت جعفرؑ مسائل حیض کو اس توضیح سے بیان کرتے ہیں۔ کہ گمان ہوتا ہے۔ کہ ستر برس تک برابر حیض دیکھتے رہے ہیں۔ الحاصل اس نقصان سے بھی اپنے تئیں مرد اس میدان کا نہ جانتا تھا۔ مگر آخر کار توکل بخدا و تائید ارواح ائمۂ ہدیٰ صلوات اللہ علیہم کی توقع پر اس کو شروع کیا۔ اور جو کچھ ہو سکا۔ ہدیہ ناظرین ہے۔ امید کہ بچشم لطف و عطا و اغماض عن الخطا اس میں نظر کریں +

راقم مظہر حسن عفی عنہ

کتب و رسائل ماخذ رسالۂ ہٰذہ

یوں تو بوقت تالیف اس رسالے کے بہت سی کتابیں زیر نظر تھیں۔ اِلّا جن سے اس تالیف منیف میں معتد بہ امداد ملی حسب ذیل ہیں:۔

تحفۂ رضویہ

ایک تحفۂ رضویہ۔ ملّا نوروز علی بسطامی مجاور روضۂ اقدس کی تصنیف سے کہ مناقب و معجزات وغیرہ حالات امام رضا علیہ السلام کے بیان میں شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی عیون اخبار الرضاؑ کے بعد اور اس سے دوسرے درجہ پر بزبان فارسی لکھی گئی۔ اور طہران میں چھپی ہے۔ لمعۃ الضیاء کی دونوں جلدوں میں اس سے خاص مدد ملی +

مجالس المومنین

دیگر۔ شہید ثالث مدفون آگرہ ہندوستان جناب قاضی نور اللہ شستری نور اللہ مرقدہ کی مشہور و بینظیر کتاب مجالس المومنین وَصِفَتُهٗ مُسْتَغْنٍ عَنِ التَّوْضِیحِ وَالتَّبْیِینِ۔ اس سے موقعہ بموقعہ مواد کتاب میں اضافہ ہوا +

المعارف

دیگر۔ المعارف تصنیف نواب خاقان حسین خاں صاحب کہ ۱۹۰۹ء میں بمقام کانپور ۱۶۸ صفحہ کی ایک مختصر سی کتاب ہے۔ لائق مصنف نے شیعوں کی فتوحات ملکی دکھانے کو اس مذہب کے تمام فرمانرواؤں کا حال جنہوں نے عرب۔ ایران۔ ہندوستان۔ مصر میں حکمرانی کی مجمل طریق پر لکھا ہے۔ سب سے پہلے حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے حالات کوئی بہ صفحہ

برحسب حیثیت رسالہ کافی وضاحت سے تحریر کئے ہیں۔ اگر بلگرامی سید صاحب کے پاس بوقت تصنیف سراج المومنین یہی المعارف رسالہ تھا۔ تو آپ کا یہ فرمانا کہ "اس میں صرف حضرت رسالت پناہ کا حال ہے" عجیب افادات سے ہے۔ بالجملہ لمعۃ الضیا جلد دوم میں صفوی خاندان کے ذکر میں اس رسالے سے مدد لی گئی ہے*

کنز الانساب

دیگر۔ کنز الانساب معروف بہ بحر الانساب اولاد ائمہ طاہرین ع کے حال میں۔ جس کو میرزا محمد خاں صاحب ملک الکتاب بمبئی نے چھپوایا۔ اور جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ علیہ الرحمہ کی تصانیف سے بیان کی جاتی ہے۔ اصل کتاب کنز الانساب عربی چند اوراق کی منسوب بہ لوط بن ابی مخنف بن لوط بن یحییٰ الخزاعی تھی۔ جس نے اکثر واقعات خط مبارک حضرت صادق آل محمدؑ سے اور بعض حضرت امام حسن عسکریؑ کی تحریر سے نقل کئے تھے۔ اور جو حالات خود اس کو تتبع و تلاش سے حاصل ہوئے۔ وہ اس نسخہ میں اضافہ کئے۔ یہ اوراق عرصہ تک مسجد اقصےٰ کے کتب خانے میں پوشیدہ تھے۔ تا اینکہ ۳۵۳ ہجری میں جناب سید ابو طاہر بن جعفر بن عمران بن موسےٰ بن امام محمد تقی علیہ السلام کو خراسان میں لائے۔ اسی کا ترجمہ ۱۳۱۶ھ میں سید علی شیرازی نے فارسی میں کیا۔ اور اپنی طرف سے دیگر حالات کتب معتبرہ اس فن سے لیکر اور شامل کئے۔ اور نام اس کا بحر الانساب در تحقیق انساب آل ابوتراب رکھا*

تذکرۃ الائمہ

دیگر۔ تذکرۃ الائمہ فارسی زبان میں منسوب بہ آخوند ملا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ۔ اس میں حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وآلہ کی رسالت اور حضرات ائمہ معصومینؑ کی امامت کو یہود و نصاریٰ و مجوس و ہنود و دیگر مذاہب متفرقہ کی کتابوں سے ثابت کیا ہے۔ اور احوال خلفاء امویہ و عباسیہ کو اکثر سنیوں کی تاریخوں سے لیا ہے۔ ملا محمد حسین بن ملا صالح نواسۂ مجلسیؒ نے جو فہرست تصانیف اس مرحوم کی لکھی ہے۔ اس میں تذکرہ کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن ملا حیدر علی مجلسی کہ آخوند مجلسی کی دختری اولاد اور آپ سے چوتھی پشت میں ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ایک اجازے میں ان کی تصانیف سے اس کو شمار کیا ہے۔ حق یہ ہے۔ کہ مضامین رسالہ اور اس کا طرز کلام آخوند مجلسیؒ کے اسلوب سخن سے مشابہت نہیں رکھتا۔ جیسا کہ

صاحب تذکرۃ العلماء اور نقلاً عنہ مولوی مرزا محمد علی لکھنوی نے نجوم السماء میں اس کا ذکر کیا ہے +

روضۃ الصفا

دیگر ۔ روضۃ الصفاء ۔ تصنیف محمد بن خاوندشاہ بن محمود معروف بہ میرشاہ ہروی جس میں جملہ حکماء و انبیاء اور سلاطین و خلفاء کے حالات از ابتداء پیدائش حضرت آدم تا ۹۲۹ھ بعبارت لطیف فارسی میں لکھے گئے ۔ مشتمل اوپر مقدمہ و سات اقسام و خاتمہ کے ۔ کہ ہر ایک قسم اس سے ایک مجلد کبیر ہے ۔ یہ کتاب بموجب امر و اشارہ امیر نظام الدین علی شیر کے جو دار الخلافہ ہرات میں امیر تیمور گورگاں کی اولاد و احفاد کی طرف سے مختلف مناصب جلیل پر ممتاز رہا تحریر ہوئی ۔ امیر مذکور نے مصنف کے واسطے جملہ سامان ضروری مثل کتب تاریخ و سیر و مکان و آسائش وغیرہ سب مہیا کر دئے تھے ۔ تب کہیں جا کر سالہا سال کی محنت شاقہ میں یہ نادر کتاب تیار ہوئی ۔ اب ۱۲۱۹ھ ہجری میں مطبع منشی نولکشور لکھنؤ میں طبع ہوئی ۔ اور ۵۱۳۰ صفحہ کلاں پر اتمام کو پہنچی ۔ لمعۃ الضیاء جلد ثانی میں خاندان تیموریہ کے حالات کا بڑا حصہ اس کتاب سے ماخوذ ہے +

سفرنامہ شاہ ایران

دیگر سفرنامہ شاہ ایران بسمت خراسان ۔ مرتبہ حکیم الممالک مرزا علی نقی خاں موسوم بروزنامہ حکیم الممالک بزبان فارسی مطبوعہ طہران مطبع آغا سید محمد باقر طہرانی ۔ یہ سفر شاہ کیواں پائیگاہ مرحوم ناصر الدین قاچار انار اللہ مرقدہ نے خیمہ و خرگاہ و خدم و حشم کے ساتھ بقصد زیارت روضۂ منورہ امام رضا علیہ السلام اور اپنے ملک کی دیکھ بھال کے لئے کیا ۔ روز یکشنبہ ۱۵ ذی الحجہ ۱۲۸۴ھ ہجری کو دار الخلافہ طہران سے روانہ ہو کر سیر کناں و شکار افگناں براہ دامغاں ۔ سبزوار و نیشاپور ۴ صفر ۱۲۸۵ھ کو وارد مشہد مقدس ہوئے ۔ اور ایک مہینے چار روز زیارت بقعہ مبارکہ اور سیر و تفرح مضافات و ییلاقات میں مصروف رہ کر ۱۸ ربیع الاول سنہ مذکور وہاں سے روانہ ہوئے ۔ اور قوچان ۔ بجنورد علاقہ ہائے ایلخانی سرحدی کا دورہ کرتے ہوئے ۲۲ ربیع الثانی کو مراجعت فرمائے دار الخلافہ ہوئے ۔ یہ سفرنامہ ۴۸۶ صفحہ متوسط پر بعبارت فارسی مروجہ حال مرتب ہوا ہے ۔ تمام سفر و قیام کی کیفیت تاریخ وار لکھی ہے ۔ اور بعض مکانات و اشخاص کی عکسی تصویریں بھی

دی ہیں۔ اور صوبۂ خراسان کی تقسیم ملکی و جغرافیائی حالت دکھاتی ہے۔ بہت سے مقامات روزنامچہ شاہ شہید سے کہ منزل وار اپنے ہاتھ سے لکھتے گئے ہیں۔ اس میں نقل ہوئے ہیں۔ کتاب ہذا میں بھی چند مقامات پر اس کا اقتباس کیا گیا ہے +

حالات ایران جان ملکم

دیگر۔ **حالات ایران** مصنفہ سر جان ملکم صاحب سابق گورنر بمبئی مصنف فارسی تاریخ ایران موسوم بہ تاریخ ملکم۔ ملکم صاحب کئی بار انگلستان کے سفیر ہو کر دربار ایران میں بھیجے گئے۔ آخر سنہ ۱۸۱۰ء میں لارڈ منٹو گورنر جنرل ہندوستان نے ان کو سفیر کر کے بھیجا۔ اس مرتبہ وہ ساز و سامان کے ساتھ بہت تحفہ تحائف لے گئے تھے۔ ایران کے تخت سلطنت پر اس وقت فتح علی شاہ قاجار متمکن تھا۔ فرانس کے بادشاہ نپولین بوناپارٹ نے دربار ایران میں رسوخ حاصل کیا تھا۔ جان ملکم کی سفارت کا مدعا اس رسوخ کا درہم برہم کرنا تھا۔ اور خطاب سپہدار سلطنت اس پر مزید فرمایا۔ اس سفرنامے میں صاحب ممدوح نے اس آخری سفر کے حالات درج کئے ہیں۔ گو ضمناً پہلی سفارتوں کے بھی حوالے دیتے گئے ہیں۔ حالات سفر کے علاوہ ہر باب میں کچھ مناسب اور دلچسپ حکایات کہ اس ملک میں زبان زد خاص و عام پائیں درج کیں۔ اس سے کتاب کی قیمت اور بھی بڑھ گئی۔ یہ سفر بمبئی سے براہ خلیج فارس بوشہر تک دریائی اور وہاں سے شیراز و اصفہان کی راہ طہران تک خشکی کا تھا۔ ہر جگہ اپنے تئیں ایلچی لکھتے ہیں۔ اصل کتاب انگریزی میں ہے۔ اس کا ترجمہ سیّد امجد علی اشہری نے اردو میں کیا۔ اور مطبع پیسہ اخبار لاہور میں چھاپا گیا +

سفرنامہ ویمبری

دیگر۔ سفرنامہ پروفیسر آرمینس ویمبری۔ یہ شخص ہنگری علاقہ ملک آسٹریا کا رہنے والا فرنگستان کا مشہور سیّاح ہے۔ جو کئی یوروپی زبانوں پر حاوی ہونے کے باوجود ترکی فارسی بھی بخوبی بول سکتا تھا۔ وہ اوائل مئی سنہ ۱۸۶۲ء میں روم کے دار الخلافہ قسطنطنیہ سے شرقی ممالک کی سیر کو روانہ ہوا۔ اور بحیرہ اسود کو بندرگاہ طرابزون پر چھوڑ کر ارض روم و تبریز ہوتا ہوا طہران گیا۔ پھر وہاں سے چل کر کوہ البرز کی بلندیوں کو طے کر کے قصبہ فیروزکوہ سے گزر کر بحیرہ خضر کے ساحل پر پہنچا۔ اور تھوڑی سی بحری مسافت کشتی کے

ذریعہ سے طے کرکے ترکمانوں کے ملک میں داخل ہُوا۔ اور حاجیوں کے قافلے میں ملا جلا لٹیرے ترکمانوں کی دعوتیں کھاتا بیابانوں کی کڑی منزلیں کاٹ کر خیوا جا پہنچا۔ اور وہاں سے بخارا اور سمرقند تک گیا۔ اور اُدھر سے لوٹ کر ہرات ہوتا ہُوا مشہد مقدس آیا۔ بعد ازاں دارالخلافہ طہران میں واپس آیا۔ اور اسی طرح دو سال بعد اُسی مئی کے مہینے ۱۸۶۴ء میں اپنے وطن فرنگستان میں پہنچ گیا۔ یہ سفر بالکل ناداری و فلاکت کی حالت میں مسلمان فقیروں یا ترکی حاجیوں کے بھیس میں نہایت جانکاہ مشقتوں سے انجام دیا گیا۔ تاتاری علاقوں میں رشید آفندی یا حاجی رشید بنا ہُوا جھاڑ پھونک۔ تعویذ گنڈے کا کام کرتا اور حسب مناسب نذر بھینٹ پھٹکارتا تھا۔ بعض مقامات پر ایسے نازک موقعے بھی پیش آئے۔ جہاں پردہ فاش ہو کر جان جوکھوں میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو جاتا۔ مگر یہ عیّار بڑی دلیری سے زباندانی کی امداد سے اس سے صاف بچ نکلتا تھا۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ منشی محبوب عالم اڈیٹر پیسہ اخبار نے کیا۔ جس کا پہلا اڈیشن ہمارے سامنے موجود ہے ✣

سفرنامہ لارڈ کرزن بہادر

دیگر سفرنامہ لارڈ کرزن بہادر سابق وائسرائے و گورنر جنرل ہندوستان موسوم بہ پرشیا اینڈ پرشین کوئسچن (ایران اور ایران کا مسئلہ) مترجمہ منشی ظفر علی خاں بی۔ اے اس کا نام خیابان فارس ہے۔ یہ سفر اب سے اکیس [۲۱] سال پہلے ۱۸۹۱ء میں بحیرہ خضر جہاز میں اور روسی ترکمانی ریلوے کے ذریعہ سے خشکی میں عاشق آباد تک اور وہاں سے مشہد مقدس اور اُس سے طہران تک بسواری اسپ ڈاک یا گھوڑا گاڑی کیا گیا۔ صاحب موصوف اس وقت ممبر پارلیمنٹ تھے۔ اور اخبار ٹائمس لنڈن کے نامہ نگار ہو کر گئے تھے۔ لہٰذا آپ کا سفر درمیانی حالت میں تھا۔ نہ ملکم صاحب کے سے امیرانہ ٹھاٹھ تھے۔ نہ غریب مگر چالاک ویمبری کی مثل فقر و فاقہ گدائی کی حالت۔ یہ کتاب بڑی قابلیت سے لکھی گئی۔ اس کا موضوع ملکی و تجارتی تحقیقات اور پولیٹیکل دقائق کی گرہ کشائی ہے فاضل مصنف نے اپنا سفر ختم کرنے کے بعد لنڈن کی پبلک لائبریری (کتب خانہ عام) کی مدد سے اس کو لکھا۔ ان کے پاس اپنے نوٹوں کے سوا جو اثنائے سفر میں موقعہ بموقعہ لکھتے گئے اور علاوہ ان مفید معلومات کے جو دیگر اہل خبرت کے ساتھ خط و کتابت نے

سے حاصل ہوئیں۔ کوئی اڑھائی سے سفرنامے جو گزشتہ پانچ سو سال میں یورپی سیاحوں نے اس ملک کی سیاحت کر کے لکھے۔ سب ان کے سامنے ان کے مطالعہ میں تھے۔ آپ نے بہت سی باتیں اپنی قوم اور ملک اور تجارت کے فائدے کی دریافت کر کے درج کیں چنانچہ کہتے ہیں۔ کہ اسی کتاب کے صلے میں گورنر جنرل ہندوستان کا عہدہ عطا ہوا۔ راقم الحروف کو مشہد مقدس کے حالات میں اس کتاب سے قیمتی مدد ملی۔ ہر چند بعض مقامات میں بعض امور کے سمجھنے میں آپ سے غلطی ہوئی۔ یا سُنّی ملازموں نے حضور کو دھوکہ دیا۔ سو ایسے موقعوں کی توضیح اس رسالے میں کر دی گئی ہے +

سر جارج کرزن کوئی چھ سال کامل ہندوستان کے نائب السلطنت و گورنر جنرل رہے۔ اور اپنی میعاد حکومت پوری کر کے غالباً ۱۹۰۶ء میں انگلستان کو واپس ہوئے ہیں۔ گو ہندو بنگالیوں نے بعض انتظامی معاملات میں دخل در معقولات دیکر انکو مورد الزام کیا۔ مگر خاکسار کے نزدیک ان کا عہد حکومت ہندوستان کے حق میں بڑا انتہا وہ بعض رفاہ عام کے ایسے کام کر گئے۔ جن سے غربا آج تک فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مثلاً انکم ٹیکس (آمدنی پر محصول) کی کمی۔ کہ پہلے پانسے روپیہ تک لگایا جاتا تھا۔ آپ نے ہزار روپیہ سالانہ سے زائد پر مقرر کیا۔ اس تخفیف سے زیادہ ہندوستانی کم آمدنی والوں کو نفع پہنچا۔ دوسرے نمک کا سرکاری محصول اس قدر گھٹا دیا۔ کہ آگے سات آٹھ سیر فی روپیہ نمک ملتا تھا۔ اب بیس ۲۰ پچیس ۲۵ سیر کا بھاؤ رہنے لگا +

کرزن صاحب اس وقت تک بقید حیات ہیں۔ اور انگلستان میں سلطنت برطانیہ عظمیٰ کے جلیل القدر کاموں میں دخل تام رکھتے ہیں۔ ہماری دعا ہے۔ کہ وہ دیر تک زندہ رہیں +

زاد الزائرین

دیگر زاد الزائرین معروف بہ معین الزائرین۔ اس رسالے میں اخوند مرزا قاسم علی صاحب لکھنوی نے سفر عراق و ایران وغیرہ کے حالات اردو زبان میں واضح طور سے لکھے ہیں۔ یہ سفر مرزا صاحب نے ۱۳۰۸ھ میں کیا۔ صرف زیارت عتبات عالیات کا سفر اس سے پہلے بھی کر چکے ہیں۔ چنانچہ اس کے حالات میں بھی ایک رسالہ مسمی بہ مقاصد الزائرین

لکھا تھا۔ اب دوبارہ دورہ کی زیارتوں کے بعد مشہد مقدس کے دور دراز سفر کی توفیق پائی۔ اور
وہاں پہنچ کر کسب ثواب عظیم فرمایا۔ لہٰذا یہ دوسرا رسالہ موسوم بہ زاد الزائرین تمام سفر کے حالات میں
لکھا۔ پہلے باب میں سفر بحر و بر از لکھنؤ تا کاظمین و کربلائے معلیٰ و نجف و سامرہ کے۔ دوسرے
میں کاظمین سے لیکر براہ کرمان شاہ و قم و طہران تا مشہد مقدس اور مشہد سے براہ ہرات و قندھار
و بلوچستان تا لکھنؤ مراجعت فرمانے کی کیفیت قلم بند کی۔ اس میں ہر ایک منزل کا حال مع تفصیل
سواری و کرایہ و عادات و اطوار اہل عرب و عجم و افغانستان وغیرہ۔ ان ملکوں کے جہاں سے
زائر کو گزرنا ہے درج کئے۔ یہ رسالہ مختصر مگر مفید و مضبوط ہے۔ اب سے بارہ سال پیشتر
مطبع یوسفی دہلی میں طبع ہوا +

سفر نامہ مرزا ابراہیم بیگ

دیگر۔ سفر نامہ مرزا ابراہیم بیگ۔ مرزا کی اصل آذربائجان ملک ایران سے ہے۔ باپ
سوداگر بزرگ تھا۔ کوئی ساٹھ سال کا عرصہ گزرتا ہے۔ کہ تجارت کے سلسلے میں وطن سے مصر آیا۔
اور معاملات کی جھنجھٹ میں پھنس کر وہیں رہ گیا۔ ہر چند مصر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ مگر زاد بوم
کو نہ بھولا۔ زمین ایران سے محبت نہیں عشق رکھتا تھا۔ مرتے دم تک اس کی یاد میں محو رہا۔
اس کے ہر ایک کام میں وطن کی جھلک پائی جاتی تھی۔ خوراک پوشاک۔ مکان کی قطع و وضع
سب ایرانی طرز۔ بود و باش۔ فرش فروش۔ سامان آرائش و زیبائش تمام فارس کی طرح کا۔
مصاحب ہم نشین بھی اہل ایران مقیمان مصر سے انتخاب کئے تھے۔ شب و روز ان کے ساتھ
مجلس عیش گرم رکھتا اور بکمال فارغ البالی بسر کرتا تھا۔ اس پختہ کار فدائے وطن کی رحلت کا وقت
نزدیک آیا۔ تو اپنے اکلوتے بیٹے ابراہیم بیگ مذکور کو جہاں اور کار آمد و قیمتی نصیحتیں
کیں وہاں یہ بھی تاکید فرمائی۔ کہ زنہار اپنے ملک و ابنائے ملک سے غافل نہ ہونا۔ قدمے۔
قلمے۔ درمے جس طرح پر ہو سکے ان کی اعانت و حمایت کرتے رہنا۔ ابراہیم جیسا دیندار
پرہیزگار اہل علم و معرفت سے تھا۔ ویسا ہی علوم جدیدہ سے باخبر۔ انگریزی۔ فرانسیسی
وغیرہ زبانیں جانتا۔ تاریخ۔ جغرافیہ سے باخبر۔ ممالک یورپ کی مکرر سیر کر چکا تھا۔ وہ قومی
ہمدردی و حب الوطنی میں باپ سے بڑھ چڑھ کر نکلا۔ خاک ایران سے اس کی دلبستگی بڑھتے
بڑھتے دیوانگی و جنون کو پہنچ گئی تھی۔ اس کی ایک ایک بات پر تعصب کرتا۔ جو کوئی اس کے

سامنے ایران کی کسی نوع کی بُرائی کرتا۔ وہ بگڑ جاتا۔ لڑنے مرنے کو تیار ہوتا۔ حتیٰ کہ آخر
آخر میں لوگوں نے اس کی حالت معلوم کر کے یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔ کہ اس کے سامنے
اس ملک کی جا و بیجا مدح کر کے اس کے مال سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے تھے۔ اسی دُھن
میں اس نے قصد کیا۔ کہ جس طرح ہو۔ ایران کا سفر کرے۔ اور ملک کے ہر گوشہ میں پھر کر
اس کی کیفیت برائے العین مشاہدہ فرمائے۔ بنابریں یوسف نام ایرانی کو جسے عمّو یوسف
کہا کرتا۔ اور جو اس کے باپ کا پُرانا رفیق اور اس کے بچپنے کا معلّم بھی رہ چکا تھا ساتھ
لیکر گھر سے نکل کھڑا ہُوا۔ اور قسطنطنیہ پہنچکر وہاں سے براہ باطوم۔ باکو و عاشق آباد مشہد
مقدس پہنچا۔ ازبسکہ زیارت روضہ رضویّہ کو اپنا دین و ایمان جانتا تھا۔ اس سے مشرف
ہو کر مسرور ہُوا۔ پھر سبزوار۔ نیشاپور۔ قزوین۔ طران۔ اردبیل۔ تبریز وغیرہ شہروں کا چکّر
لگاتا وہاں کے حالات کو بامعان نظر دیکھتا ان کی تہذیب و شائستگی۔ علم و ہنر۔ زراعت
تجارت و طرز حکومت وغیرہ کو یورپ کے شہروں اور وہاں کی گورنمنٹوں کے ساتھ ایک
میزان میں تولتا۔ جب ایران کا پلّہ ہلکا نکلتا۔ تو کُڑھتا روتا پیٹتا اور سر دُھنتا تھا۔ اسی
جوش و خروش میں وہ کسی نہ کسی ذریعہ سے سلطنت کے وزیر خارجہ و وزیر داخلیہ و وزیر
جنگ تک پہنچا۔ اور ملک کی بدنظمی کی درد دلی سے بیباکانہ شکایتیں کیں۔ پہلے
دو وزیروں نے تو اُس کی کرخت تقریریں سُنیں۔ اور احمق بیوقوف کہکر نکلوا دیا۔ مگر
وزیر جنگ کے یہاں اس کی خاصی گُندکاری ہوگئی۔ یہی حالات سیاحت اس نے پاکیزہ
و شستہ فارسی میں قلم بند کئے ہیں۔ چونکہ حُبّ قومی و دردِ ہموطنی سے مملو ہے۔ ہر جگہ
اہل وطن کی غفلت حکام کے جور و ستم پر آٹھ آٹھ آنسو رویا ہے۔ یہ سفرنامہ جس کے
سرورق پر "سیاحت نامہ مرزا ابراہیم بیگ یا بلاءِ تعصب" لکھا ہے۔ اور جس میں تاریخ طبع
وغیرہ ندارد ہے بمبئی میں چھپا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ مکرر چھپا۔ اور ایران میں شائع
ہُوا ہے۔ اور دیگر مضامین و رسائل اس قسم کے وہاں بکثرت لکھے گئے ہیں۔ تب تو شخصی
حکومت ٹوٹ کر جمہوریت کی بنا پڑی۔ یہ سفرنامہ اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ اور
شاہ غفران پناہ عباس اعظم کے حالات بہت کچھ اس سے لئے ہیں +

یہ ہیں وہ کتب و رسائل جو تالیف کتاب ہذا میں زیادہ تر ہمارے کام آئے۔ ان کے سوا بعض اخبارات سے بھی اس میں مدد لی گئی۔ خصوصًا اخبار اثنا عشری مؤرخہ یکم مئی ۱۹۱۱ء جس میں جناب محمد اسحاق الحسینی پاردی کی چٹھی متضمن حالات سفر مشہد مقدس چھپی۔ اور ضمیمہ کتاب یعنی ظالمان روس کی ظلم و تعدی کی داستان۔ جو سال گزشتہ انہوں نے مشہد میں کی۔ اس کی کیفیت کا بہت بڑا حصّہ اخبارات سے چُنا گیا۔ کیونکہ یہی بڑا ذریعہ دریافت حالات کا تھا۔ پس اس روح فرسا واقعہ کی جزئیات حبل المتین فارسی کلکتہ و رسالہ شیعہ کھجوہ ضلع سارن سے اور اخبار اثنا عشری دہلی و اخبار امامیہ لکھنؤ و زمیندار و پیسہ اخبار لاہور وغیرہ سے انتخاب و استنباط کئے گئے۔ جنہوں نے اس واقعہ ہائلہ کا ذکر کیا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد والہ الطیبین الطاہرین ۝ اما بعد

یہ کتاب **لمعۃ الضیا فی العمدۃ من اخبار الرضا** کی دوسری جلد ہے مشتمل برحالات ومعجزات روضہ مقدسہ آنحضرتؑ وثواب وکیفیت زیارت اس بقعہ مبارکہ کے۔ اور منقسم ہے اوپر ایک مقدمہ اور تین باب اور ایک ضمیمہ کے۔ مقدمہ بیان میں اس امر کے کہ اجساد طاہرہ انبیاء واوصیاء علیہم السلام اپنی مقابر مطہرہ میں موجود رہتے ہیں۔ باب اوّل بیان میں حالات روضہ مقدسہ رضویہ علے صاحبہا الاف التسلیم والتحیۃ ومایتعلق بہا کے۔ باب دوم۔ پارہ از آثار خیروبرکت وخرق عادت کہ قبر مطہر وروضۂ منور آنحضرتؑ سے ظاہر ہوئے۔ صلوات اللہ علیہ۔ باب سوم۔ بیان فضیلت زیارت آنحضرتؑ وکیفیت زیارت میں۔ ضمیمہ اس میں اس ظلم وتعدی وقتل وغارت کا بیان ہے۔ جو افواج ستم امواج روسیہ نے ۱۳۲۹ ہجری میں تبریز ومشہد مقدس میں کئے۔

مُقدّمہ

اس امر کے بیان میں کہ اجساد طاہرہ انبیاء و اوصیاء علیہم السّلام اپنے اپنے مقابر مطہرہ میں موجود رہتے ہیں۔ واضح رہے۔ کہ احادیث بیشمار بطرق ائمۂ اطہار اِس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ مگر یہاں اندکے از بسیار مذکور ہوتی ہیں۔ از انجملہ بحدّ استفاضہ و اشتہار پہنچا۔ بلکہ متواترات سے کہنا روا ہے۔ کہ کشتی نوح علےٰ نبینا و علیہ السّلام کی مکّہ معظمہ میں پہنچی۔ تو حق تعالےٰ نے وحی کی ان حضرات کو۔ کہ سات بار گرد کعبہ کے طواف کریں۔ پس جناب نوحؑ نے مع کشتی سات شوط طواف کعبہ کیا۔ بعد ازاں کشتی سے اُترے۔ اور کوہ ابو قبیس پر جس جگہ کہ قبر آدمؑ تھی۔ آئے۔ اور جسم شریف جناب آدمؑ کو وہاں سے نکال کر کشتی میں رکھا۔ طوفان برطرف ہُوا۔ تو کوفہ آکر اس جسم مطہر کو مقام نجف میں دفن کیا۔ اور ایک قبر پیش روئے آدمؑ اپنے لئے بنائی۔ اور تیسری قبر اسی جگہ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السّلام کے لئے درست کی۔ چنانچہ جناب امیرؑ اسی قبر بنا کردۂ نوحؑ میں پہلوئے دو جدّ بزرگوار آدم و نوح علیہما السّلام میں دفن ہیں۔ پس جو شخص کہ زیارت آنحضرتؐ سے مشرف ہوتا ہے۔ شرف زیارت جناب آدمؑ و نوحؑ کا بھی ادراک کرتا ہے۔ اور شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے امام رضا علیہ السّلام سے نقل کیا ہے۔ کہ وحی کی خدائی بزرگ و برتر نے طرف موسےٰ بن عمران کے کہ استخوان یوسفؑ کو مصر سے اپنے ساتھ لے جائے۔ حضرت موسےٰؑ کو معلوم نہ تھا۔ کہ یوسفؑ کس جگہ دفن ہیں۔ ایک پیرہ زن کا نشان دیا گیا۔ کہ وہ اس مقام سے واقف ہے۔ آپ نے اُسے بُلوایا۔ بہت بوڑھی عورت دونوں آنکھوں سے اندھی اور زمین گیر تھی۔ جناب کلیمؑ نے پوچھا۔ یوسفؑ کہاں دفن ہیں۔ کہا۔ میں نہ بتاؤنگی۔ جبتک چار خصلتیں مجھ کو نہ عطا ہوں۔ ایک یہ کہ پاؤں میں طاقت رفتار آجائے۔ دُوسرے دونوں آنکھیں روشن ہوں۔ تیسرے پھر سے جوان ہوجاؤں۔ چوتھے بہشت میں تمہارے ساتھ ہُوں۔ حضرت موسےٰؑ متردد تھے۔ آپ کو

وحی ہوئی۔ کہ ہم نے چاروں سوال اس کے پورے کئے۔ دُعا کرو۔ موسےؑ نے دُعا کی۔ سب باتیں اُسے عطا ہو گئیں۔ پس نشان قبر یوسف بتلایا۔ حضرت موسےؑ نے تابوت یوسفؑ کہ سنگ مرمر کا تھا دریائے نیل سے نکلوایا۔ اور اپنے ساتھ شام کو لیگئے۔ اسی وقت سے اہل کتاب میں دستور ہے۔ کہ اپنے اموات کو شام میں لیجاتے ہیں +

اور قطب راوندیؒ نے خرائج میں حضرت صادقؑ سے روایت کی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ امیر المومنینؑ جنگ صفین کو جارہے تھے۔ تو اثناء راہ میں ایک پہاڑ کے نیچے سے آپکا گذر ہوا۔ اس وقت وہ پہاڑ یکایک شق ہوا۔ اور ایک سر موئے سفید کا اُس سے نکلا۔ اور سلام کیا۔ آنحضرتؑ پر اصحاب نے عرض کی۔ یا امیر المومنینؑ یہ سر کس کا ہے۔ فرمایا۔ یہ یوشعؑ بن نون نبی ہیں۔ اس پہاڑ میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ یہیں رہ گئے +

نیز صاحب خرائج نے نقل کیا ہے۔ کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا۔ کہ خالد بن سنان ایک نبی تھے۔ انہوں نے اپنی قوم کو دعوت کی۔ انہوں نے قبول دعوت نہ کیا۔ تو خالد نے ان سے کہا۔ مَیں فلاں روز مرونگا۔ جب مجھکو دفن کرو۔ اور تین روز اس پر گذر جائیں۔ تو میری قبر کو نبش کرنا۔ مَیں وہاں ہونگا۔ پس سوال کرو اُس وقت مجھ سے جو کچھ چاہو۔ بتحقیق کہ امور گذشتہ و آئندہ سے خبر دونگا تا بروز قیامت +

نیز خرائج میں ہے۔ کہ امام حسن عسکریؑ کے زمانے میں شہر سامرہ میں ایک بار قحط عظیم پڑا۔ خلیفہ وقت یعنی متوکل ملعون نے حکم دیا۔ کہ نماز استسقا کیلئے باہر جائیں۔ بنابریں تین روز پے در پے لوگوں نے صحرا میں جاکر نماز پڑھی اور دُعائیں مانگیں۔ مگر کسی کی دُعا قبول نہ ہوئی۔ چوتھے دن عیسائی دُعا مانگنے کو نکلے۔ ان میں ایک راہب تھا۔ جس وقت لوگ دعا کرنے لگے۔ تو اس راہب نے اپنے ہاتھ طرف آسمان بلند کر کے دُعا کی۔ بمجرد اس کے بارش باراں شروع ہو گئی۔ مسلمانوں کو حیرت تھی۔ کہ ہم لگاتار تین روز دُعائیں مانگتے رہے۔ ذرا اثر اجابت ظاہر نہ ہوا۔ ایک عیسائی کی دُعا پر بارش ہونے لگی۔ یہ کیا ماجرا ہے۔ یہ خبر متوکل کو پہنچی۔ تو اس نے امام عالی مقام کو قید سے نکلوا کر کہا۔ کہ اُمت آپکے جد کی تباہ ہونے کو ہے۔ ان کی دستگیری کیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اس شبہ کو آپکے اُسی مقام پر دُور کر دونگا

انشاءاللہ تعالٰے۔ پانچویں روز پھر نصارٰے راہب کو لیکر باہر نکلے۔ حضرت امام حسن عسکری ع
بھی اپنے چند اصحاب کے ساتھ وہاں تشریف لیگئے۔ جب نصارٰے دُعا میں مشغول ہوئے۔
اور راہب نے اپنا ہاتھ بلند کیا۔ تو حضرتؑ نے فرمایا۔ کہ اس کے ہاتھ کو تھام لیں۔ خود آگے بڑھ
کر دیکھا۔ تو ایک استخوان سیاہ اس کی دو انگشت شہادت اور درمیانی کے بیچ میں تھا۔
وہ لے لیا۔ اور فرمایا۔ کہ اب تو دُعا کر۔ راہب عاجز ہوگیا۔ اور فوراً ابر برطرف ہو کر سورج
نکل آیا۔ سب کو تعجّب ہوا۔ کہ یہ کیا بات ہے۔ یہ ہڈی کیسی ہے۔ آپنے فرمایا۔ کہ یہ استخواں
ایک پیغمبر کے جسم کا ہے۔ کسی قبرستان سے راہب کے ہاتھ آگیا۔ اس کے خواص سے ہے۔ کہ ہاتھ
میں لیکر دُعا کی جائے۔ تو وہ دُعا قبول ہو +

دیگر ابن بابویہ علیہ الرّحمہ نے سہل بن سعد سے روایت کی ہے۔ کہ اس نے کہا۔
ایک مرتبہ ہشام بن عبد الملک بن مروان نے امر کیا۔ کہ ایک کنوآں اس کے لئے کھودا جائے۔
اس مقام کو کھودا۔ تو سر ایک آدمی کا نمایاں ہوا۔ اس کے اردگرد کی مٹی ہٹائی۔ تو ثابت آدمی سفید
کپڑے پہنے پتھر پر کھڑا معلوم ہوا۔ ہاتھ سر پر رکھے تھا۔ جب ہاتھ کو اُٹھاتے تھے۔ تو خون تازہ
سر سے جوش مارتا تھا۔ وُہیں رکھ دیتے۔ تو خون بند ہو جاتا۔ اس کے لباس پر لکھا تھا۔ کہ مَیں ہوں
شعیبؑ بن صالح پیغمبر۔ جس قوم پر مبعوث ہوا تھا۔ اُنہوں نے مجھے زد و کوب کیا۔ اور اس کوئیں میں
ڈال دیا۔ ہم نے یہ عجیب سانحہ ہشام کو لکھا۔ وہاں سے جواب آیا۔ کہ اس پر بدستور مٹی ڈال کر بند
کردو۔ یہ تمام روایات وحکایات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ اجساد انبیاءؑ سابقین اپنے
اپنے مدفنوں میں باقی ہیں۔ علٰے ہذا جسم مُطہّر حضرت ختمی مآب بھی روضۂ مبارکہ میں ہے۔ اس
کے شواہد سے مشہور ہے۔ کہ بعد وفات آنحضرتؐ ابو بکر سے بیعت ہوئی۔ اور عمر خطاب نے
بتعدّی حضرت امیر المومنینؑ کو برائے بیعت مسجد میں بُلوایا۔ اور باعث ایذا و آزار آنحضرتؐ
ہُوا۔ تو آپ متوجہ روضۂ رسول اللہ صلعم ہوئے۔ اور اس طرف خطاب کیا۔ کہ یَا ابنَ اُمَّ اِنَّ القَوم
استَضعَفُونِی وَکَادُوا یَقتُلُونَنِی۔ اے برادر اے پسر مادر اِن لوگوں نے مجھے ضعیف کیا۔
اور قریب ہے کہ مجھے مار ڈالیں۔ اس وقت ایک ہاتھ قبر مبارک سے نکلا۔ جس کو سب نے
پہچانا۔ کہ دستِ مبارک رسول خداؐ ہے۔ اور ایک آواز آئی۔ جس کو تمام نے تصدیق کیا۔ کہ

صدائے مبارک رسول اللہ ہے۔ کہ یا ابا بکر اکفرت بالذی خلقک من تراب ثم من نطفۃ ثم سواک رجلا۔ اے ابوبکر تو پھر گیا اور کافر ہوگیا اس خدا سے۔ جس نے تجھ کو خاک اور قطرہ منی سے خلق کیا۔ حتے کہ درست آدمی کر دیا +

اور اصول کافی میں ہے۔ کہ ایک مرتبہ سقف روضۂ مبارک کی خراب ہوگئی تھی۔ سکی مرمت کرتے تھے۔ بنابریں راج مزدور اُوپر جاتے آتے تھے۔ اہل مدینہ سے بعض شخص نے حضرت صادق ع سے پوچھا۔ کہ جائز ہے۔ کہ ہم بھی اس وقت اُوپر چلے جائیں۔ اور ایسی جگہ کھڑے ہوکر جہاں سے قبر دکھائی دے زیارت کرلیں۔ آپ نے اجازت نہ دی۔ اور فرمایا۔ اندیشہ ہے۔ کہ ایسا شخص دونوں آنکھوں سے کور ہو جائے۔ ممکن ہے۔ کہ آنحضرت ص کو دیکھے۔ کہ بعض ازواج کے ساتھ بیٹھے ہیں + یہاں تک انبیاء علیہم السلام کا بیان تھا۔ لیکن حضرات ائمہ صلوات اللہ علیہم کا قبروں میں موجود ہونا۔ اس کے شواہد بھی تتبع کتب احادیث و اخبار میں بہت پائے جاتے ہیں۔ بلکہ عتبات عالیات میں ہمیشہ انواع و اقسام کے معجزات سے صادر ہوتے رہتے ہیں۔ جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔ مُرہ بن قیس دمشقی کا قصہ مشہور ہے۔ کہ اس مردود نے روضۂ مطہرہ امیر المومنین پر کچھ بے ادبی کرنا چاہا تھا۔ دست مبارک آنحضرت کا قبر سے نکلا اور اُس کو دفع کیا۔ شاعر کہتا ہے

آن شست امام کز دو انگشت
چوں مُرہ قیس کافرے کُشت

دیگر در باب تزویج فاطمہ زہرا بہ علی بن ابی طالب ع روایت ہے۔ کہ حضرت رسول خدا نے مقام تسلیت و تسکین فاطمہ میں کہا اے فاطمہ حق تعالےٰ نے علی ع کے بارے میں مجھ کو سات خصلتیں عطا کی ہیں۔ وہ اول شخص ہے۔ کہ میرے ساتھ اپنی قبر سے نکلیگا۔ اور پہلا ہے۔ کہ میرے ہمراہ پل صراط پر کھڑا ہوکر آتش جہنم کو خطاب کریگا۔ کہ اسکو لے اور اُسے چھوڑ دے۔ نیز پہلا مرد ہے۔ کہ میرے ساتھ دروازہ بہشت کو کھٹکھٹاویگا۔ اور پہلا ہے۔ کہ شراب سربمہر بہشت کو میرے ساتھ بیٹھ کر نوش کریگا۔ نیز منقول ہے۔ کہ حضرت رسالت پناہ نے فرمایا۔ اے فاطمہ فرشتے حلہ ہائے بہشت اور زیورات لیکر تمہاری قبر پر آئینگے۔ اور تم اُن سے اپنے تئیں زینت کرکے وہاں سے برآمد ہوگی۔ پس ان احادیث و اخبار سے معلوم ہوتا ہے۔

کہ جسم فاطمہؑ و علیؑ بن ابی طالبؑ و حضرت رسول خداؐ اپنی اپنی قبروں میں موجود ہیں۔ نیز اجسام مطہرہ انبیاء سابق آدمؑ و نوحؑ و عظام یوسفؑ و بدن شعیبؑ و یوشعؑ بن نون و خالدؑ ابن سنان سب قبروں میں ہیں۔ اور تتبع کتب سے اور اخبار و احادیث سے مفید اس مطلب کے نکل سکتی ہیں۔ مگر یہاں اسی قدر پر اکتفا کیا گیا +

ازالۂ وہم | ظاہر بعض احادیث دلالت کرتی ہیں۔ کہ آنحضرتؐ کے اجسام طیبہ قبروں میں بہت عرصہ تک نہیں رہنے پاتے۔ بلکہ وہاں سے اُٹھا لئے جاتے ہیں۔ ملا نوروز علی بسطامی تحفۂ رضویہ میں ان احادیث کو نقل کر کے ان کے جواب کے متکفل ہوئے ہیں۔ ہم ان کے کلام کا ترجمہ ناظرین کے علم و آگاہی کے لئے یہاں درج کرتے ہیں۔ ملا صاحب لکھتے ہیں۔ کہ یہ شبہ دو احادیث معتبرہ سے پیدا ہوا ہے۔ ہم پہلے ان کو نقل کرتے ہیں۔ پھر اُن کی توجیہ کر کے جواب دینگے۔ **حدیث اوّل** شیخ طوسیؒ نے کتاب المزار تہذیب میں روایت کی ہے۔ کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا:-

لا تمکث جثۃ نبی ولا وصی فی الارض اکثر من اربعین یوماً	کہ جُثۂ کسی نبی کا اور کسی وصی کا زمین میں چالیس روز سے زیادہ نہیں رہتا۔ مدعا یہ کہ انتہا زمین میں رہنے ان جسام

شریف کے چالیس شبانہ روز ہیں۔ بعد اس مدت کے وہ اپنی قبروں میں نہیں رہتے +

حدیث دوم۔ وہ بھی شیخ رہ نے کتاب مذکور میں انہی حضرت سے نقل کی ہے کہ فرمایا آپ نے

ما من نبی ولا وصی یبقی فی الارض بعد موتہ اکثر من ثلثۃ ایام حتی ترفع روحہ ولحمہ وعظمہ الی السماء وانما یؤتی مواضع آثارھم ویبلغھم السلام من بعید ویسمعونہ فی مواضع آثارھم من قریب	کوئی نبی یا وصی ایسا نہیں۔ کہ اپنی وفات کے بعد تین روز سے زیادہ زمین پر رہے۔ الّا یہ کہ اس کی روح اور گوشت و استخواں کو آسمان پر لیجاتے ہیں۔ اور زائرین جو موضع

آثار یعنی ان کی قبروں پر جاتے ہیں۔ اور سلام کرتے ہیں۔ انکے اوپر دور سے تو وہ اُن مقامات آثار میں نزدیک سے اُن کو سُن لیتے ہیں۔ یعنی اگرچہ زائر و مزور کے درمیان فاصلہ بعید ہوتا ہے۔ لیکن باعتبار تقرب معنوی ایک دوسرے کے نزدیک ہو جاتے ہیں اور سلام کو سُنتے ہیں + یہ دو حدیثیں ہر چند باعتبار مدت بقا در زمین مختلف

ہیں۔ کیونکہ ایک میں تین روز دوسری میں چالیس دن کی مہلت ذکر ہوئی ہے۔ مگر اس امر میں متفق ہیں کہ اجسام شریفہ ان کے ارواح کے ساتھ آسمان کو چلے جاتے ہیں۔ زمین پر نہیں ٹھیرتے۔ جواب اس کا دو طرح پر ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ کہا جائے۔ کہ بعد عروج آسمانی خواہ تین روز بعد ہو۔ یا چالیس دن بعد۔ وہ پھر اپنی قبروں میں واپس آجاتے ہیں۔ تو کوئی منافات درمیان ان دو حدیثوں اور احادیث کثیرہ مذکورہ سابق کے نہ رہی۔ کیونکہ ان دو حدیثوں سے بھی عروج کے بعد واپس آنیکی کوئی ممانعت نہیں نکلتی۔ دوسرے ہو سکتا ہے۔ کہ یہ دونوں حدیثیں حمل کی جائیں اوپر حالت تقیہ کے یعنی حضرت ع نے جو ایسا فرمایا۔ تو بوجہ خوف و تقیہ فرمایا۔ کیونکہ ظالمان بنی امیہ و بنی عباس کی طرف سے اندیشہ رہتا تھا۔ کہ بعد دفن نبش قبور کریں۔ اور اجسام شریفہ کے ساتھ بے حرمتی پیش آئیں۔ لہذا کہدیا۔ کہ اجساد مطہرہ زیادہ عرصہ زمین پر نہیں رہتے۔ تاکہ یہ خبر شایع ہو۔ اور اشرار نابکار اس ناہنجار حرکت سے باز رہیں۔ اور شاہد اس حمل کا یہ ہے۔ کہ امیر المومنین ع نے حسنین علیہما السلام کو وصیت کی تھی۔ کہ آپکو بوقت شب دفن کریں۔ اور مقام دفن کو بعد از دفن زمین کے ہموار کردیں۔ تاکہ کسی کو خبر نہ ہو۔ کہ کس جگہ دفن ہیں پس ایسا ہی ہوا۔ اور وہ مقدس مقام عالم پر مخفی تھا حتے کہ حضرت صادق ع نے بعض اصحاب کو اس سے مطلع کیا۔ اور شیخ مفید علیہ الرحمہ ارشاد میں نقل کرتے ہیں۔ کہ بعض شیعوں نے حسنین علیہما السلام سے خواہش کی۔ کہ علانیہ قبر مطہر کی زیارت کریں۔ فرمایا۔ ہم نے آنحضرت کو دفن کیا۔ اور حسب وصیت نشان قبر کا مٹادیا۔ شیخ علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ آپکی اس وصیت کا یہ سبب تھا۔ کہ انجام کار سے آگاہ تھے جانتے تھے۔ کہ اعداء دین روضۂ منورہ کی بیحرمتی و استخفاف کرینگے۔ جیسا کہ ا۔ د عباسی نے کیا۔ یہ حکایت شیخ طوسی رہ نے باب زیادات تہذیب میں وارد کی ہے۔ دیگر مرۃ بن قیس نے ارادہ نبش قبر کا کیا۔ علیٰ ہذا متوکل عباسی کا قصہ مشہور ہے۔ کہ اس ملعون نے نشان قبر سید الشہدا مٹانے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔ حکم دیا۔ کہ کوئی اس مقدس مقام کی زیارت کو نہ آنے پائے۔ راستوں پر مسلح چوکیدار بٹھادئے۔ کہ زائروں کو روکیں جب اس سے بھی اس کا مدعا حاصل نہ ہوا۔ تو وہاں زراعت کرائی۔ اور نشان قبر مٹانے کو

پانی جاری کیا۔ جو آگے بڑھا۔ اور غایت دہشت و وحشت سے حیران تھا۔ گرد پھرتا تھا۔ مگر آگے جانے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے وہ بقعۂ مبارکہ بنام حائر موسوم ہؤا۔ کہ آج تک اس کے اسماءِ متبرکہ میں ایک یہ نام داخل ہے۔ نیز روضۂ مبارکہ امام رضا علیہ السلام کی نسبت بھی بہت سے اشقیا نے بے ادبی کی۔ جس کا مجمل بیان آگے آویگا۔ غرض اعداءِ دین ہمیشہ آنحضراتؑ کے حیاً و میتاً درپے رہے ہیں۔ کہ انکو ارتکاب تقیہ سے چارہ نہیں رہا۔ بنا بریں اگر یہ دو حدیثیں بھی حضرت صادقؑ نے حفظ اجساد مطہرہ کے ارادہ سے کہ دشمن انکی بیحرمتی سے باز رہیں فرمائی ہوں۔ تو تعجب نہیں۔ اور بڑی دلیل اس کی کہ اجسام طاہرہ حضراتؑ قبروں میں رہتے ہیں عمل سلف صالح ہے۔ یعنی ابتدا عالم سے آج تک انبیاءؑ، اوصیاءؑ، و دیگر اخیار کا یہ شیوہ رہا ہے۔ کہ قبور بزرگان دین کی زیارت کو جاتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا۔ کہ اجسام طیبہ قبور میں رہا کرتے۔ تو اُن کا زیارت کو جانا لغو اور بیہودہ ہوتا۔ کیا مٹی کے ڈھیر کی زیارت کرتے۔ اس سے کیا حاصل۔ پس یہاں سے ظاہر ہے۔ کہ قبریں آنحضراتؑ کی ان کے اجسام سے خالی نہیں +

باب اوّل

بیان میں حالات روضۂ مقدّسہ رضویّہ علیٰ صاحبہا آلاف التسلیم والتحیّہ و ما یتعلق بہا کے

حالات وفات آنحضرتؐ بروایت ہرثمہ بن اعین بغیر روایت مذکورہ سابق

پیشتر جلد اوّل میں جو روایت ہرثمہ بن اعین باختصار ذکر ہوئی وہ جلاء العیون مجلسیؒ سے ماخوذ تھی۔ یہاں نور الابصار شبلنجی مصری سے بتفاوت بیان نقل ہوتی ہے۔ ہرثمہ کہتا ہے۔ کہ

امام غریب الغربا علی بن موسےٰ الرضا علیہ التحیۃ والثنائے نے مجھ کو اخفائے راز کی تامدت حیات خود تاکید اکید کر کے فرمایا اے ہرثمہ اجل میرے نزدیک پہنچی۔ عنقریب اپنے آباء طاہرینؑ سے ملحق ہونیوالا ہوں۔ بتحقیق کہ مجھ کو انار و انگور میں زہر دینگے۔ وہی میری وفات کا باعث ہوگا۔ پس مامون چاہیگا۔ کہ اپنے باپ ہارون کے مقبرے میں پس پشت اس کی قبر کے دفن کرے۔ مگر یہ تمنا اس کی پوری نہ ہوگی۔ کیونکہ زمین وہاں کی سخت ہو جائیگی۔ کہ کھودالیں اور پھاوڑے اسے کھود نہ سکینگے۔ پس تجھے معلوم رہے۔ کہ میرے دفن کی جگہ قبر ہارون کے آگے یعنی اس سے قبلہ کی طرف کا فلاں مقام ہے۔ تو اس کو آگاہ کر دینا۔ بعد ازاں جب جنازہ تیار ہو۔ اور اس پر نماز پڑھنا چاہیں۔ تو ذرا توقف کرنا۔ اس وقت ایک مرد اعرابی نقاب پوش ناقہ سوار صحرا سے نمودار ہوگا۔ وہ ناقہ سے اتر کر نماز پڑھائیگا۔ اس کے ساتھ میرے جنازہ کی نماز پڑھیں پھر جنازے کو دفن کرنے لے جائیں۔ تو جو مقام میں نے بتایا ہے۔ وہاں کھودیں۔ تھوڑا سا کھودنے پر قبر تیار ملیگی جس کی تہ میں سفید پانی نظر آئیگا۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں خشک ہو جائیگا۔ وہی میرے دفن کی جگہ ہے۔ وہیں دفن کر دینا۔ پھر مکرر تاکید کی۔ کہ کسی سے اس کا ذکر نہ آئے۔ ہرثمہ کہتا ہے۔ کچھ دنوں بعد امام رضاؑ نے مامون کے پاس انار و انگور کھائے۔ اور اس کے اثر سے رحمت خدا کی طرف انتقال کیا۔ اس وقت میں حاضر ہوا۔ تو مامون کو دیکھا۔ کہ رومال ہاتھ میں لئے رو رہا ہے۔ میں نے تمام حال کہ آنحضرتؑ سے سنا تھا۔ اس کے روبرو بیان کیا۔ سن کر متعجب ہوا۔ پس حکم دیا۔ کہ جنازہ تیار ہو۔ نماز اموات کے مقام پر آئے۔ تو ذرا ہی ٹھیرے تھے۔ کہ مرد عرب نقاب پوش ناقہ پر سوار جنگل سے آیا۔ اور بغیر اس کے کہ کسی سے کلام کرے سواری سے اتر کر نماز شروع کی۔ سب نے اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ بعد نماز ہر چند تلاش کیا۔ مگر نہ سواری کا پتا ملا نہ سوار کا۔ پس جنازے کو مدفن میں لائے۔ اور بخیال اس کے کہ میرے کلام کی اچھی طرح تصدیق ہو جائے۔ مامون نے اشارہ کیا۔ کہ قبر ہارون کی پشت پر قبر کھودیں۔ مگر وہ مقام سنگ خارا سے زیادہ سخت نکلا۔ لاجرم بجانب قبلہ قبر جو مقام میں نے بتایا تھا۔ وہاں آئے۔ تھوڑی مٹی اس جگہ کی ہٹائی تھی۔ کہ پٹاؤ قبر کا نمودار ہوا۔ اس کو اٹھایا۔ تو اس کے نیچے سے قبر آمادہ و تیار ملی۔ نیز آب سفید اس کی تہ میں جوشش زن

دکھائی دیا۔ خود مامون نے جھک کر ملاحظہ کیا۔ تھوڑی دیر میں پانی غائب ہوگیا۔ تو لاش کو وہاں دفن کیا۔ اور تختے رکھ کر مٹی ڈال دی۔ مامون ان امور سے نہایت متعجب تھا۔ بار بار اس کا بیان میری زبان سے سنتا۔ اور دست تاسف ملتا۔ اور اناللہ وانا الیہ راجعون کہتا +

معجزات کہ بوقت دفن آنحضرتؑ اس بقعہ مبارکہ سے ظاہر ہوئے

جو معجزات کہ اس بقعہ مطہرہ سے بوقت دفن حضرت امام رضا صلوات اللہ ظاہر ہوئے۔ اور روایات مذکورہ سابق ولاحق سے مستنبط ہوتے ہیں۔ ان کا بیان مجملاً حسب ذیل ہے:۔

اوّل ظہور فضل و شرافت آنحضرتؑ کہ ہارون وون سے آگے قبلہ کی طرف دفن کئے گئے۔ ہر چند مامون نے چاہا۔ کہ پس پشت ہارون یا اس کے برابر قبر شریف بنائی جائے۔ مگر ممکن نہ ہوا۔ کیونکہ زمین ان مقامات کی بحکم خالق الارض والسموات لوہے سے زیادہ سخت ہوگئی تھی۔ کھودالیں اصلاً اس میں کام نہ کرسکیں۔ فلم ینحفر بھا قلامۃ ظفر۔ حتے کہ بقدر تراشۂ ناخن زمین نہ کھدی۔ تو لاچار آگے کی طرف کو اجازت دینی پڑی +

دوم۔ مقام قبر شریف اس قدر نرم و منقاد ہوگیا تھا۔ کہ جوہیں ایک پھاوڑہ وہاں لگا قبر مبارک تیار و آراستہ زیر زمین سے نمودار ہوئی۔ اور جس طرح پر ابوالصّلت کو پہلے سے خبر دیگئی تھی۔ اس کے اندر لحد بنی ہوئی موجود تھی +

سوم۔ تہ قبر سے آب سفید و صاف کا جوش زن ہونا۔ حتے کہ بڑھتے بڑھتے قبر پر ہوکر پانی زمین پر رواں ہوا۔ کما فی بعض الرّوایات +

چہارم۔ اس پانی میں بہت سی چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کا دکھائی دینا جس پر مامون نے کہا۔ امام رضاؑ زندگی میں ہمکو عجائبات دکھاتے رہتے تھے۔ بعد وفات ان آیات کا ظہور ان سے کچھ بعید و بدیع نہیں۔ جیسا کہ روایت سابق میں گزرا +

پنجم۔ اس کے بعد ایک بڑی مچھلی کا نکل کر ان کو کھا جانا اور غائب ہونا۔ اس پر خواص مامون سے ایک نے اُسے متنبہ کیا۔ کہ اے امیرالمومنین کیا تم اس واقعہ کے سرّ سے آگاہ ہوئے۔

چھوٹی مچھلیوں سے تو عباسی خلیفہ مراد ہیں۔ کہ بکثرت ہونگے۔ اور بڑی مچھلی اشارہ ہے طرف ایک مرد کی اہلبیت سے جو انکی خلافت کو نیست و نابود کریگا۔ قال المامون صدقت مامون نے کہا۔ راست کہا تو نے۔ کما ھو مذکور فی روایۃ ابی الصلت +

ششم۔ مچھلی کی غیبوبت اور پانی کا جذب ہونا۔ دونوں باتیں ابوالصلت کے ان چند کلمات کے کہنے سے واقعہ ہوئیں۔ جو حضرتؑ نے اپنی زندگی میں اسے تلقین فرمائے تھے۔ مروی ہے۔ کہ ماموں نے بعد اس واقعہ کے ابوالصلت سے ان کلمات کی بابت دریافت کیا۔ کہ کیا تھے۔ تو وہ اس کو فراموش ہوگئے تھے۔ مامون کو اس کا یقین نہ آیا۔ اس کو قید کر لیا۔ حتے کہ سال بھر قید کی سختی جھیلی۔ پھر بہت گڑگڑا کر دعا کی۔ اور اہلبیت علیہم السلام سے متوسل ہوا۔ تو امام علی نقیؑ نے باعجاز طے الارض زندان میں پہنچ کر اسے رہائی دی۔ اور خوش خبری سنائی۔ کہ اب مامون کو اس پر دسترس نہ ہوگا۔ رب صل علی محمدؐ و آل محمدؐ +

ہفتم۔ لاش مطہر کا کنار قبر سے خود بخود داخل قبر ہونا۔ کہ کسی کے قبر میں اُترنے اور لاش کو اُتارنے کی حاجت نہ پڑی۔ کتاب مُظہر الاشجان من مہیج الاحزان تصنیف شیخ جعفر بن شیخ عبداللہ مطبوعہ بمبئی میں ہے۔ کہ جسد مبارک پر ایک چادر غیب سے تن گئی۔ اور وہ اس کے نیچے اندر ہی اندر قبر میں جا کر باقاعدہ رکھا گیا +

ہشتم۔ قبر مبارک پر خشت چینی یا تختہ لگانے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ خود بخود لحد بند ہو کر مٹی پڑنی شروع ہوگئی۔ حتے کہ زمین سے بلند ہو کر بطریق سنت اعنی تربیع کی صورت میں قبر درست ہوگئی۔ کما ھو مصرح فی مظہر الاشجان واللہ المستعان فی کل حین و آن +

تشخیص و تعیین موضع قبر مبارک

نیز ان روایات سے موضع قبر شریف بھی اچھی طرح تعیین ہوگیا۔ کہ قبہ ہارونیہ کے اندر اس کی قبر کے آگے بجانب قبلہ واقعہ ہے۔ اس کی پشت پر یا بالائے سر یا پائیں یا نہیں۔ روایت ابوالصلت میں ہے کہ آپ نے اسے مامور کیا۔ اور اس کے ہاتھ قبر ہارون کے ہر چار جانب کی خاک اٹھوا کر

منگائی۔ اور اس کی بُو سُونگھ کر جانب قبر تعیین فرمائی۔ نیز پیشتر گزرا کہ ہنگام روانگی بسمت خراسان اثناء راہ میں جب اس زمین قدس آئین پر نزول اجلال ہُوا۔ تو بنفس نفیس قبہ ہارونیہ کے اندر تشریف لیگئے۔ اور قبر ہارون کے ایک طرف خط کھینچ کر بتلادیا۔ کہ یہاں دفن ہُونگا۔ اور یہ مقام عنقریب محل آمد و شد میرے شیعوں اور دوستوں کا ہوگا۔ مروی ہے۔ کہ جشن ولیعہدی کے زمانے میں جبکہ مرو میں تشریف رکھتے تھے۔ تو ایک روز مامون نے کہا۔ یا ابن رسول اللہ صلعم آپ عراق کو جائیں۔ میں خراسان میں آپ کی طرف سے خلیفہ ہُونگا۔ فرمایا۔ مَیں خراسان سے باہر نہیں جاسکتا۔ یہیں فوت ہُونگا۔ اور اسی زمین میں دفن کیا جاؤنگا۔ اور یہیں سے حشر کو اُٹھونگا۔ عرض کی۔ فدا ہُوں۔ آپ کو کس طرح اس کا علم ہُوا۔ فرمایا۔ مجھکو اپنا مدفن اسی طرح معلوم ہے جیسا کہ تیرا۔ عرض کی۔ مَیں کہاں دفن ہونگا۔ فرمایا۔ بینی و بینک بُعد المشرقین۔ مجھ میں اور تجھ میں مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوگا۔ بلکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خراسان جانے سے بہت پہلے ہارون کی زندگی میں آپ اس مُطہّر مقام سے آگاہ تھے۔ تب تو فرماتے تھے۔ کہ زمین طوس مجھ کو اور اس کو ایک جگہ جمع کرنے والی ہے۔ اور گاہے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی باہم ملاکر فرماتے۔ کہ مَیں اور ہارون اس طرح پاس پاس دفن ہونگے۔ جیسا کہ پیشتر بحث اخبار از اخبار آئندہ میں مذکور ہُوا۔ اور ملک خراسان میں دفن ہونگے اور یہ خبر تو اب سے دوسو برس پہلے خود حضرت رسول خدا صلعم دے چکے تھے۔ کہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ارض خراسان میں دفن ہوگا۔ اور جناب صادق علیہ السلام اس خبر کو بار بار اپنے اصحاب کے آگے دُہراتے تھے۔ غرض اس میں ذرا شک نہیں۔ کہ آسمانی خبر کے ذریعہ سے یہ مقدس مقام جو روضۃٌ من ریاض الجنۃ کہا گیا ہے۔ اچھی طرح مُنقّح ہوچکا تھا۔ ملا نوروز علی بسطامی تحفہ رضویہ میں بعض کتب تواریخ سے نقل کرتے ہیں۔ کہ قبر مطہر آنحضرتؑ کی قبر ہارون سے تین ہاتھ آگے بجانب قبلہ متصل بدیوار مکان حمید جس کے اوپر قبہ بنا تھا واقع ہوئی تھی ؂

قریہ سناباد سناباد جس میں کہ یہ مزار فائض الانوار واقع ہے۔ اور جو شاندار شہر کی صورت میں تبدیل ہو کر آج مشہد کے مقدس نام سے زبان زد خاص و عام ہے۔ اس کا حال کُھل چکا تھا۔ کہ در اصل ایک چھوٹا سا موضع شہر طوس کے دیہات میں شمار ہوتا تھا۔ کیونکہ مجلسی علیہ الرحمہ

تذکرۃ الائمہ میں اس کی نسبت لکھتے ہیں "کہ سابق ازیں قصبۂ مختصرے بودہ" کہتے ہیں۔ کہ یہ قریہ
سکندر ذی القرنین کا آباد کیا ہوا ہے۔ ظاہراً اس کی وجہ یہ ہوگی۔ کہ مرد شاہجہان جو بوجہ آب و ہوا
کی خوبی اور اپنی سرسبزی و شادابی کے روح الملک سے موسوم ہو کر ترجمہ فارسی جان شاہ کے
نام سے مشہور ا ور رفتہ رفتہ کثرت استعمال سے بقلب ترکیب مرد شاہجان زبانوں پر مذکور
ہوا۔ اور بڑھتے بڑھتے خراسان کے عظیم الشان شہروں بلخ۔ ہرات۔ نیشاپور کا ہم پلہ ہو کر
اس کی چار کرسیوں سے ایک شمار ہونے لگا۔ وہ سکندر کا آباد کیا ہوا تھا کتاب معجم البلدان
سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سکندر نے اس کو اپنا پائے تخت مقرر کیا تھا۔ نیز اس کے بعد دیگر
سلاطین خراسان کا یہی دار الخلافہ رہا ہے۔ تو چونکہ سکندر[1] مرد صالح مقبولان درگاہ خدا سے تھا
ممکن ہے۔ کہ بالہام غیبی اسے معلوم ہو گیا ہو۔ کہ یہاں سے قریب ایک زمین فیض قرین ہے۔
جس میں ائمہ طاہرین ؑ سے ایک بزرگوار دفن ہوں گے۔ تو بغرض اکتساب حسنات۔ تاکہ شرف و فضیلت

---

[1] چار دیواری روضۂ اقدس کی بنا پر مشہور بنا کردۂ سکندر ہے۔ وہ ایک مرتبہ اس سرزمین بہشت آئین میں آنکلا۔ کوئی امر
خارق عادت وہاں مشاہدہ کیا۔ اس کا سبب ایک برہمن دانا سے پوچھا۔ اس نے بیان کیا۔ کہ اس مقام میں ایک بیٹا ختم المرسلین نبی
آخر الزمان ؐ کا دفن ہوگا۔ سکندر نے نذر کی۔ کہ اگر میرا مقصود حاصل ہو جائے۔ تو اس مقام کی چار دیواری مستحکم بنا دونگا بموجب اس کے یہ عمارت
بنوائی جو اب تک اس کے نام سے مشہور چلی آتی ہے۔ ہارون عباسی اپنے دوران سلطنت میں کہ اکثر اوقات خراسان و ماوراء النہر میں قیام
رکھتا تھا۔ اور مرو سرحس کو اپنا دار الخلافہ بنایا تھا۔ ایک مرتبہ تبدیل ہوا کے لئے طوس میں مقیم تھا۔ وہاں سے ایک دن اس
ارض مقدس میں آیا۔ اور اس عالی عمارت کو دیکھ کر اس کی حقیقت دریافت کی۔ ماجرائے گزشتہ سنا۔ تو کہا میں
ہی وہ ذریت ختم المرسلین خلیفہ پیغمبر آخر الزمان ؐ ہوں۔ میں ہی یہاں دفن ہونگا۔ پس امر کیا۔ کہ اس چار دیواری پر گنبد عالی تعمیر کریں
وہیں مرنے کے بعد دفن ہوا۔ پھر مامون کے عہد میں حضرت امام رضا ؑ نے یہاں قضا کی۔ تو وہ بھی اسی جگہ مدفون ہوئے۔ تمام
ہوئی عبارت سفرنامہ ناصر الدین شاہ ایران بطرف خراسان مؤلفہ مرزا محمد تقی حکیم الممالک کی۔ لیکن بموجب حدیث عیون الاخبار کہ متن میں مذکور
ہے سکندر ذی القرنین نے سناباد آباد کیا تھا۔ بنائے قریہ سے بنائے قبہ کا دھوکہ ہوا۔ کیونکہ مدفن حمید بن قحطبہ کا بنایا ہوا ہے۔
مؤلف سفرنامہ کے پاس جب بنا کردۂ سکندر ہونے کا کوئی تاریخی ثبوت نہ تھا۔ تو انہوں نے بھی اس سے انحراف کیا۔ چنانچہ حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ در کتب تاریخ
ہیچ چنیں شرحی دیدہ نشدہ۔ اور گنبد اسکا بعد دفن ہارون احداث ہوا ہے نہ کہ خود ہارون کا بنایا ہوا ہے۔ دیگر یہ کہ ہارون کا دار الخلافہ بغداد تھا۔ وہ
اکثر انہی اطراف میں رہتا خراسان و ماوراء النہر میں۔ اور مرو ابتدا میں کچھ عرصہ تک مامون کا دار الخلافہ رہا ہے نہ ہارون کا ۔ ۱۲ منہ

اس کو حاصل ہو۔ اس لئے اس جگہ شہر کی بنیاد ڈال کر سناباد نام رکھا ہو۔ کما فی التحفہ۔ اندریں
صورت صدہا نہیں ہزارہا سال پیشتر اس مقام کی تعیین ہو چکی تھی۔ جناب شیخ صدوق علیہ
الرحمہ عیون الاخبار میں بضمن ایک روایت طولانی نقل کرتے ہیں۔ یدفن بمدینۃ بناھا العبد
الصالح الاسکندر ذوالقرنین بلدۃ بارض طوس یقال لھا سناباد بضعۃ منی۔ یعنی رسول اللہ صلعم
نے فرمایا کہ ایک ٹکڑا میرے جسم کا اس شہر میں جس کو بندۂ صالح سکندر ذی القرنین نے
سرزمین طوس میں آباد کیا ہے اور جس کا نام سناباد ہے دفن ہوگا۔ اور کتاب اکمال الدین و
اتمام النعمہ میں حدیث قدسی نقل کی ہے۔ اس میں ہے۔ یقتلہ عفریت متکبر ویدفن
بالمدینۃ التی بناھا العبد الصالح ذوالقرنین ویدفن الی جنب شر خلقی۔ یعنی حق تعالےٰ
فرماتا ہے۔ کہ قتل کریگا اس کو ایک دیو متکبر اور دفن ہوگا اس شہر میں جس کو بندہ صالح
ذی القرنین نے بنایا ہے۔ اور میری مخلوقات سے بدترین خلق (ہارون) کے پہلو میں دفن
ہوگا۔ الغرض بیان مذکورۂ بالا اور ان دونو احادیث سے یہ ثابت ہے۔ کہ سناباد
مستحدثات سکندر ذی القرنین سے ہے۔ الا یہ امر کہ وہ قبۂ مبارکہ بھی کہ سالہا سال تربت
مطہر پر سایہ افگن رہا سکندر کا بنایا ہوا تھا۔ تاریخ اس کے بیان سے ساکت ہے۔ بلکہ اس
کے خلاف مشہور یہ ہے۔ کہ وہ حمید بن قحطبہ طائی کا بنا کردہ ہے۔ جو کہ ہاروں کی طرف
سے ان اطراف کا حاکم تھا۔ اور اغلباً دفن ہارون کے بعد بنایا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے
کہ اس موضع سناباد میں حمید مذکور کا مکان تھا۔ جب ہارون اثناء راہ میں بیمار ہو کر فوت
ہوا۔ تو اس نے اپنے مکان میں دفن کیا۔ اس کے نزدیک ہی ایک اور قریہ بنام نوقان
بھی قدیمی تھا۔ جو یہاں سے ایک دعوت (پکار) کے فاصلہ پر تھا۔ یعنی اگر وہاں کھڑے
ہو کر آواز دیں۔ تو یہاں سنائی دے۔ اتنی دور تھا۔ پس آج کل جو شہر مشہد کا ایک دروازہ
بنام نوقان مشہور ہے۔ ظاہراً اس کی یہی وجہ ہے۔ کہ بسمت قریہ مذکور کھلا ہے۔ لہذا اس نام
سے موسوم ہوا۔ اور ایک اور قصبہ بنام طائران ہوتا تھا۔ جو اس وقت خراب ہے +

شہر طوس یہ بہت پرانا شہر طوس بن نوذر بن منوچہر سپہدار کیکاؤس بادشاہ ایران کا
آباد کردہ تھا۔ مشہد سے ۱۵ میل کے فاصلے پر بجانب شمال مغرب۔ کیخسرو بن سیاوش

نبیرۂ کاؤس نے طوس کو فوجیں دے کر توران کے ملک پر بھیجا اور کہہ دیا تھا۔ کہ براہ کلات زنہار نہ جائیے۔ کیونکہ خسرو کا بھائی فرود بن سیاوش دختر پیران ویسہ کے بطن سے وہاں کا حاکم تھا۔ ازبسکہ وہ سودائی مزاج تھا کیخسرو کو اندیشہ تھا۔ کہ کہیں چھیڑ چھاڑ ہو کر جنگ و جدال کی نوبت نہ پہنچے اس لئے اُدھر کو جانے سے منع کر دیا تھا۔ مگر طوس نے خسرو کا کہنا نہ مانا۔ اور کلات کے راستے سے گیا۔ فرود کے ساتھ لڑائی ہوئی۔ اور فرود مارا گیا۔ کیخسرو اس سبب سے طوس سے ناراض ہو گیا۔ کہ باپ کی خونخواہی کو بھیجا تھا۔ اس نے بھائی کو بھی مار ڈالا۔ لاجرم طوس توران سے پھرا۔ تو خسرو کے پاس نہ آیا۔ درمیان راہ ملک خراسان میں ایک شہر اپنے نام پر آباد کر کے وہیں مقیم ہو گیا۔ ھکذا فی مجالس المومنین۔ شہر طوس عرصہ دراز تک خراسان کے بہترین شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ بڑے بڑے علماء و فضلاء و کملاء ہر ایک علم و فن کے وہاں سے اُٹھے ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر نے اسی لحاظ سے اس کی مدح اس طرح کی ہے ؎

ہر دبیر و مفتی و شاعر کہ او طوسی[*] بود ✤ چوں نظام الملک[1] و غزالی[2] و فردوسی[3] بود

[1] خواجہ نظام الملک ابو علی حسن بن علی الطوسی وزیر سلاطین سلجوقیہ متوفی ۴۸۵ھ بلند حوصلہ علم دوست شخص تھا۔ تیس[۳۰] سال کامل مہم خطیر وزارت کو کامیابی سے انجام دیتا رہا۔ مشہور مدرسہ نظامیہ بغداد اس کی یادگار سے ہے۔ نوقان طوس اس کا مولد و منشا تھا ج ۱۲ منہ

[2] ابو حامد محمد بن محمد الغزالی الطوسی شافعی کہ سُنیوں میں حجۃ الاسلام کے نام سے مشہور ہے ۵۰۵ھ ہجری میں وفات پائی۔ طابران طوس میں دفن ہوا صاحب تصانیف کثیرہ ہے ✤ ۱۲۔ ابن خلکان

[3] حال سحبان العجم استاد ابو القاسم فردوسی کا کسی قدر آئندہ اپنے موقعہ پر اس رسالہ میں لکھا جائیگا ✤

[*] اس شاعر کم شعور کی نظر قاصر خاسر میں ارض طوس کے ارباب کمال سے نظام الدین و غزالی ہی جوہر کامل العیار نکلے۔ یا شعر و شاعری کے مذاق پر تیسرا نام ابو القاسم فردوسی کا شامل کر لیا گیا۔ حالانکہ اس خطۂ مردم خیز میں وہ وہ جواہرات پیدا ہوئے۔ جو فضل و کمال کے آسمان پر آفتاب نصف النہار ہو کر چمکے۔ جن کے نور و ضیا کے آگے بہت سے نظام الدین و غزالی جیسوں کی آنکھیں چندھیا جائیں۔ مگر ان میں ایک یہ عیب تھا۔ کہ شیعہ سے شاعر مذکور کے اعتساف کی کافی دلیل ہے۔ کہ اس نے اپنے کلام میں محقق علی الاطلاق مولانا ابو القاسم

ارض طوس کے فضائل میں ذکر ہوا ہے ـ کہ طوفان نوح میں چار بقعات زمین نے خدا تعالٰے سے شکایت کی ـ بیت المعمور ـ نجف ـ کربلا ـ طوس ـ بیت المعمور کو آسمان پر لیگئے ـ کہ اب فرشتوں کی قبلہ گاہ ہے ـ آخر کے تین مقاموں کو تین اماموں کے دفن سے عزّت بخشی ـ طوس امیر تیمور گورگاں کے عہد سلطنت تک پُر رونق و آباد تھا ـ تیمور نے مشہد مقدس کو بڑھانے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸) خواجہ نصیر الدین کے ذکر خیر سے پہلوتہی کی ـ جن کی مدح سرائی متعصب سے متعصب سُنّیوں کو بھی طوعاً و کرہاً کرنی پڑتی ہے ـ محمد بن شاکر مؤلف فوات الوفیات ذیل ابن خلکان ـ باوجودیکہ شدّت تعصب سے آنجناب کو بنظر تحقیر بلفظ نصیر الطوسی یاد کرتا ہے ـ تاہم آپ کی صفت و ثنا کئے بغیر نہیں رہ سکا بہت سے اوصاف حمیدہ علم ـ حلم ـ حکمت ـ عدالت ـ مروّت وغیرہ سے موصوف بتلاتا ہے ـ اور کہتا ہے ـ کہ وہ علوم قدیمہ خاص کر علم رصد و مجسطی میں راس و رئیس تھے ـ بہ تحقیق کہ اس باب میں بزرگان علماء سے گوئے سبقت لے گئے تھے ـ یہاں تک کہ ابن شاکر نے کہا ـ اُنہوں نے مزارعہ میں ایک گنبد اور رصد گاہ عظیم بنائی ـ اور ایک کتب خانہ بنایا جس میں وہ کتابیں رکھیں ـ کہ بغداد و شام و جزیرہ کی لوٹ میں ہاتھ آئی تھیں ـ حتے کہ اس میں چار لاکھ جلدوں سے زیادہ جمع ہوگئیں ـ جناب محقق خوب صورت ـ جواں مرد ـ کریم ـ سخی ـ صاحب حلم ـ نیک معاشرت والے انتہا درجہ کی فضیلت والے تھے ـ الحق الفضل ما شهدت به الاعداء ـ فضیلت وہی ہے جس کی دشمن بھی گواہی دیں ـ پھر ابن شاکر دوسرے مقام پر کہتا ہے ـ کہ جناب محقق ہلاکو خان بن تولی بن چنگیز خاں کے یہاں عہدۂ وزارت پر فائز تھے ـ بغیر اس کے کہ اس کے مال و دولت کو ہاتھ لگائیں ـ اور اس کی عقل پر اس طرح حاوی ہو گئے ـ کہ جب تک وہ حکم نہ دیتے تھے ـ نہ کہیں کو سوار ہوتا تھا نہ سفر کرتا تھا ـ انا اقول اسی ہلاکو خاں کے ہاتھ اس جلیل القدر بزرگوار نے بغداد کی عباسی سلطنت تباہ کرائی ـ اور ان کے جہانگیر ظلم سے خلائق کو خاص کر شیعوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے نجات دی ـ فجزاہ اللہ

كان رأساً في علم الاوائل لا سيما في الارصاد والمجسطي فانه فاق الكبار الى ان قال وابتنى بمراغة قبة ورصداً عظيماً واتخذ في ذالك خزانة عظيمة فسيحة الارجاء وملاءها من الكتب التي نهبت من بغداد والشام والجزيرة حتى تجمع فيها زيادة على اربعمائة الف مجلد وكان حسن الصورة سمحاً كريماً جواداً حليماً حسن العشرة عزيز الفضل

كان يعمل الوزارة لهلاكو من غير يدٍ في الاموال واحتوى على عقله حتى انه لا يركب ولا يسافر الا في وقت يامر به

کے لئے وہاں کے باشندوں کو مجبور کیا۔ کہ اٹھ کر مشہد چلے جائیں۔ اس وقت سے طوس میں سوا، کھنڈرات کے اور کچھ باقی نہیں۔ اکنون ازاں بلد جز علامت بنا و قلیلے از آثار عمارت ہیچ باقی نماندہ صفحہ ۳۰۰ سفر نامہ +

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹) عن دین الاسلام خیر الجزاء۔ ہر چند ہلاکو فیضان صحبت جناب محقق سے مسلمان ہو گیا تھا۔ مگر اس کا پوتا غازان خاں و الجائتو محمد خدا بندہ اس کے پڑوتوں کے وقت میں ظاہر ہوا۔ کہ نامبردوں نے شیعہ ہو کر شعائر تشیع کا ملک میں رواج دیا۔ جیسا کہ آگے آتا ہے محقق رہ نے ۶۷۲ھ ہجری میں بعمر ۷۵ سال بغداد میں رحلت فرمائی۔ اور شہر متبرکہ کاظمین علیہم السلام میں دفن ہوئے۔ ان کے واسطے قبر کھودتے تھے۔ کہ ایک عمدہ مرتب سردابہ نکلا معلوم ہوا کہ ناصر عباسی نے اس کو اپنے دفن ہونے کو بنوایا تھا۔ مگر اسے نصیب نہ ہوا۔ علامت قبولیت امام کی آنجناب کے تئیں یہ تھے۔ کہ تاریخ اتمام تعمیر سردابہ ٹھیک وہی تھی جس میں محقق طوسی پیدا ہوئے تھے۔ یعنی روز شنبہ جمادی الاول ۵۹۷ھ۔ اس مکان کے دروازے پر حسب وصیت یہ آیہ شریفہ تحریر ہوئی۔ وَکَلْبُھُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْہِ بِالْوَصِیْدِ۔ ان کا کتا آستان پر اپنے دونو بازو پھیلائے ہوئے ہے۔ چونکہ خواجہ علیہ الرحمہ اس درگاہ ملائک پناہ کی پاسبانی میں شہرۂ آفاق تھے۔ لہذا یہ آیہ شریفہ بہت ہی چسپاں واقع ہوئی ہے۔ یہ ہے ایک نورانی جوہر کہ خاک پاک طوس سے پیدا ہوا +

ایک اور گوہر تاباں بلکہ خورشید درخشاں کہ جن کا اس سرزمین سے طلوع ہوا اور جن سے نور علم عالم میں پھیلا۔ شیخ ابو جعفر محمد بن الحسن بن علی الطوسی معروف بہ شیخ الطائفہ ہے رفقہ امامیہ میں جہاں مطلق شیخ مذکور ہو۔ اس سے یہی ذات مقدس مراد ہوتی ہے۔ آپ چار کتب اصول مذہب شیعہ سے دو کتابوں اعنی تہذیب و استبصار کے جامع ہیں۔ اس کے سوا علوم دینیہ کی ہر ایک شاخ میں کلام۔ تفسیر۔ حدیث فقہ وغیرہ سے بڑے پائے کی تصنیفات موجود ہیں۔ ریاست مذہب شیعہ آپ کے زمانے میں آنجناب پر منحصر تھی۔ آپ کی مجلس درس میں تین سو فاضل مجتہد استفادہ کے لئے بیٹھتا تھا حضرت کی فضیلت علمیہ کا اذعان شیعہ و سنی دونوں نے یکساں طور پر کیا ہے +

شیخ علیہ الرحمہ ماہ رمضان ۳۸۵ھ میں بمقام طوس پیدا ہوئے ۲۳ تئیس سال کا سن شریف تھا۔ کہ عراق میں تشریف لا کر شیخ مفید اعلی اللہ مقامہ کے تلمذ کا فخر حاصل کیا۔ بعد وفات شیخ سید مرتضیٰ علم الہدے رضی اللہ عنہ و دیگر تلامذہ شیخ سے درس لیتے رہے۔ یہاں تک کہ ہر علم میں طاق و یگانۂ آفاق

خراسان خراسان (سورج کا ملک)۔ چونکہ یہ ملک فارس و عراق سے زیادہ تر مشرق کی جانب کو تھا۔ لہٰذا اس نام سے موسوم ہؤا۔ زمانۂ قدیم میں اس نام کا اطلاق ایک مملکت وسیع و عریض پر ہوتا تھا جس میں بلخ۔ ہرات۔ مرو۔ سرخس وغیرہ شامل تھے۔ اور کابل و قندھار تک اس کی قلمرو میں داخل سمجھے جاتے تھے۔ مگر آج کل فقط ایران کے شمال مشرقی صوبہ کا نام ہے۔ خراسان میں گو اب پہلے سی دُنیاوی عظمت و شوکت قائم نہیں رہی۔ مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ اب بھی اس صوبہ میں وہ بےمثل ولاجواب شہر واقع ہے۔ جس کی وجہ سے وہ چار دانگ عالم میں مشہور ہے۔ اور دُنیا کے اکثر ممالک پر فوقیّت رکھتا ہے۔ اور جہاں کے ہر حصّہ سے خلائق اس کی طرف کھینچی چلی آتی ہے۔ وہ شہر معنبر و معطّر مشہد مقدس ہے۔ علی صاحبہا الف الف من التحیّہ ٭

ابتداءِ بناءِ روضۂ مقدسہ

پہلی عمارت روضۂ مقدسہ کی جیسا اُوپر معلوم ہؤا حمید بن قحطبہ طائی حاکم طوس نے ہارون رشید کی قبر پر بنائی۔ یہ چنداں شاندار نہ تھی۔ کیونکہ پسران ہارون امین و مامون سے کسی نے اپنی شاہانہ اولوالعزمی سے اُس کو تیار نہیں کرایا تھا۔ اور سکندر ذی القرنین نے بموجب بیان سابق

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰) ہو گئے۔ پہلے پہلے بغداد میں سکونت پذیر تھے۔ مگر جب وہاں فتنے حادث ہوئے۔ جن میں مکان سکونت اور کتابیں حتی کہ وہ کرسی جس پر بیٹھ کر درس دیتے تھے جل گئی۔ تو نہضت فرمائے نجف اشرف ہوئے۔ چنانچہ اسی شہر مقدس میں تھے کہ بروز دوشنبہ ۲۲ محرم ۴۶۰ھ کو رہ گرائے عالم باقی ہوئے۔ اور وہیں اپنے مملوکہ مکان میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ محقق طوسی رہ کے بارے میں شاعر مذکور کی طرف سے یہ عذر ہو سکتا ہے کہ انکا زمانہ نظام الدین و غزالی سے متاخر تھا۔ شائد شاعر نے بھی اسے ادراک نہ کیا ہو۔ شیخ ابوجعفر تو دونوں سے مقدم ہیں اور مشاہیر عالم سے تھے۔ پھر ان کے ذکر سے چی چڑانا تعصب نہیں تو اور کیا ہے۔ بہرکیف ہمارے نزدیک شعر مذکورہ جس کو صاحب روضۃ الصفا نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔ اس کو اس طرح پر پڑھنا چاہئے۔ ؎

ہر وزیر و مفتی و شاعر کہ او طوسی بود ۔۔۔ چوں نصیر الدین و بوجعفر و فردوسی بود

۱۲ منہ عفی عنہ

قصبہ سناباد آباد کیا تھا۔ اُس کا روضۂ مقدسہ کی عمارت بنانا مُسلّم نہیں۔ پس عمارت مذکور ایک چھوٹے سے علاقہ کے حاکم کی حسن عقیدت۔ حق گزاری۔ نمک حلالی کا نمونہ تھی۔ بنا بریں ایک معمولی مکان تھا۔ ابتدا میں خود حمید اس میں سکونت پذیر تھا۔ ہارون کو وہاں دفن کیا۔ تو پہلی صورت بدل کر چھت پر گنبد بنا دیا۔ تاکہ مقبرے کی شکل دکھائی دینے لگے۔ وہی صورت ایک عرصہ دراز تک قائم رہی چنانچہ قاضی نور اللہ نور اللہ مرقدہ مجالس المومنین میں لکھتے ہیں۔ در تواریخ مسطور ہست و بر السنہ و افواہ جمہور خصوصاً اہل خراسان مذکور کہ تا قریب بچہار صد سال بر سر قبر حضرت امام رضاؑ عمارتے لائق نبود۔ اندک اساسے کہ بود از محدثات حمید بن قحطبہ طائی بود۔ کہ در زمان ہارون رشید حاکم طوس بود۔ چوں ہارون رشید وفات یافت اورا در خانۂ حمید مذکور دفن نمودند۔ بعد ازیں حضرت امام رضاؑ را دریں خانہ مدفون ساختند۔ انتہی بقدر الحاجۃ ✦

ہارون کا نام تو اس بقعہ مبارکہ سے اسی وقت رخصت ہو گیا تھا۔ جب کہ جسد طیب و طاہر امام رضاؑ کا اس میں رکھا گیا۔ پاک اعتقاد مومن اسی روز سے مدفن امام کو کعبۂ مقصود جان کر اس کی زیارت کو آنے لگے تھے۔ اور گو نواصب امراء و حکّام وقتاً فوقتاً اس میں دراندازی ہو کر مانع و حائل ہوتے۔ مگر خوش اعتقادی کی رَو کے آگے ان کی روک ٹوک خس و خاشاک سے زیادہ وقیع ثابت نہ ہوئی۔ پس یہ سلسلہ دن بدن بڑھتا ہی گیا۔ فی الحال بجز اس کے کہ زائرین امام یہ خیال کر کے کہ ہارون دون بھی یہاں دفن ہوا تھا۔ اور اس کے افعال شنیعہ قتل امام وغیرہ کو دل میں لا کر اس پر نفرین کریں۔ اور کوئی اثر اس کا اس مُطہر مقام میں باقی نہیں۔ شاید دستِ قضا جو اس کو کشاں کشاں یہاں لایا۔ اسی لئے لایا ہو گا۔ کہ ہر روز ہر وقت تازہ بتازہ صلواتیں (لعن و نفرین) پڑتی رہیں۔ روایت ہے۔ کہ ہارون نے بمقام رقہ خواب دیکھا تھا۔ کہ ایک ہاتھ اس کی طرف دراز ہوا۔ اور مشت خاک سرخ رنگ کی دکھا کر کہا۔ کہ تیرا مدفن یہ زمین ہے۔ دریافت کیا کہ اس زمین کا کیا نام ہے۔ ہاتف غیبی نے آواز دی۔ کہ اس کا نام طوس ہے۔ یہ خواب دیکھ کر ہارون بہت بیقرار ہوا۔ مگر بختیشوع شاہی طبیب نے یہ کہکر کہ اضغاث احلام سے بوجہ خرابی معدہ پیدا ہوا ہے۔ اس کی تسکین کر دی۔ مگر طوس پہنچ کر مرض الموت میں مبتلا اور زندگی سے مایوس

ہُوا۔ تو وہ خواب اسے یاد آیا۔ کہا۔ اس سرزمین کی خاک مجھے دکھاؤ۔ مسرور غلام نے مشت خاک ہاتھ میں لیکر اس کے آگے کی تو چلّا کر بولا۔ قسم خدا کی یہ وہی مٹی ہے۔ جو مَیں نے رقّہ میں خواب میں دیکھی تھی۔ اور ہاتھ بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ اُس وقت نظر آیا تھا۔ اب مَیں زندہ نہ رہُونگا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد قضا کی۔ وَدُفِنَ فِیْ دَارِ حُمَیْد +

روضۂ مقدّسۂ رضویّہ و شاہانِ اِسلام

جہاں تک خیال کیا جاتا ہے۔ خلفاء بغداد نے زیارت روضۂ منوّرہ حضرت امام رضاؑ کی توفیق نہیں پائی۔ ہاں ان کے عہد میں دیلمی خاندان اعنی آلِ بویہ کو عروج ہُوا۔ تو وہ اس شرف سے مشرف ہُوئے۔ پس وہ پہلے شیعہ بادشاہ تھے۔ جن کو یہ سعادت عظمےٰ نصیب ہُوئی۔ اور تذکرۃ الائمہ منسوبہ مجلسی میں ہے۔ کہ "بعضے از بادشاہان دیالمہ و آلِ بویہ تعمیر مزار کثیر الانوار آنحضرت را نمودہ"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ روضۂ مقدسہ کی تعمیر بھی ابتداءً انہوں نے ہی کی۔ مگر آگے چل کر معلوم ہوگا۔ کہ یہ شرف مخصوص سنجر بادشاہ کے حصہ میں آیا۔ تو ممکن ہے۔ کہ اس تعمیر سے مرمت قبّہ مبارکہ کی یا بناء بعض مکانات متعلقہ کی مراد ہو +

دیالمہ آلِ بویہ کو دیلمی اس لئے کہتے ہیں۔ کہ آپ کے آباء و اجداد کچھ عرصہ تک دیلمان گیلان میں مقیم رہتے تھے۔ ان کا نسب ایران کے بادشاہ بہرام گور تک پہنچتا ہے۔ اسی خاندان کا ایک شخص مسمی بویہ بن فنا خسرو جو بعد میں ابو شجاع بویہ ہوا۔ قریہ کلیش دیلمان کا رہنے والا تھا۔ ہر چند وہ خود کوئی بڑا آدمی نہ تھا۔ مگر اس کے تین بیٹے علی بن بویہ و حسن و احمد ایسے دانشمند و اقبال مند نکلے۔ کہ باپ دادا کا نام روشن کر دیا۔ وہ بڑھتے بڑھتے امیر الامرائی سے سلطنت و فرماں روائی پر پہنچے۔ اور ان کے القاب عماد الدولہ۔ رکن الدولہ۔ معزّ الدولہ علے الترتیب قرار پائے۔ علی عماد الدولہ کے بخت و اقبال کی یہ نوبت پہنچی تھی۔ کہ ایک مرتبہ لشکر کی تنخواہ کے واسطے روپیہ پاس نہیں تھا۔ شیراز کے ایک مکان میں لیٹا ہُوا بحالت پریشانی چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کہ ایک سانپ ایک جگہ سے نکل کر دُوسری جگہ گیا۔ اس مقام کو کھدوایا۔ تو پانچ لاکھ اشرفی زر سُرخ کی برآمد ہُوئی۔ نیز ایک مرتبہ شاہان سابق کی

عمارت کی تفرح کو جارہا تھا۔ ایک موقعہ پر گھوڑے کا پاؤں زمین میں اتر گیا۔ وہاں سے بہت سا مال نکلا۔ علیٰ ہذا شیراز کے درزی سے کچھ کپڑے سلوائے تھے۔ اس نے خود بخود اقرار کیا۔ کہ میرے پاس یاقوت (سابق امیر) کے بارہ ۱۲ صندوق مقفل امانت ہیں۔ انکو منگایا۔ تو تین لاکھ دینار نکلے۔ غرض یعقوب لیث و عمرو لیث سلاطین عراق فارس و خراسان کے بہت سے دفائن وخزائن اس کے ہاتھ آئے۔ اور خاطر خواہ ترقی کا باعث ہوئے۔

رکن الدولہ پسر دوم ابوشجاع بویہ شاہان آل بویہ سے ایک جلیل القدر بلند ہمت فرمانروا گزرا ہے یعنی ۲۸۴ھ میں پیدا ہوا۔ ملک رے۔ اصفہان۔ ہمدان اور تمامی ملک عراق اس کے زیر نگیں تھا۔ چوالیس ۴۴ سال ایک ۱ ماہ نو ۹ یوم بڑی خوبی سے ملکرانی کی ۳۶۶ھ میں رہگرائے عالم باقی ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ اس کے دو بھائی بڑا عماد الدولہ چھوٹا معز الدولہ تھے۔ رکن الدولہ اُن کے درمیان کا یعنی منجھلا بھائی تھا۔ اس نے اپنے بعد ملک کو اپنے تین بیٹوں عضد الدولہ۔ موئید الدولہ۔ فخر الدولہ کے درمیان تقسیم کیا۔ اور کمال سعادت و اقبالمندی اس کی یہ تھی۔ کہ تینوں بھائیوں نے نہایت عدل ونصفت ورحم ومروت سے اپنے اپنے حصہ ملک میں بادشاہت کی۔ اور اصلاً بدمزگی اُن کے درمیان نہ آنے پائی۔ کذا فی تاریخ ابن خلکان وانا اقول یہ رکن الدولہ جناب صدوق محمد بن بابویہ علیہ الرحمہ کا ہم عصر اور بغایت آپکا معتقد تھا۔ ان کو اپنے دار الخلافہ میں طلب کیا۔ ازبسکہ اس کے شکوک وشبہات دربارۂ مذہب آپ کی تقریر دلپذیر کی بدولت زائل ہو کر مذہب شیعہ اختیار کیا تھا۔ لہذا بہت ادب ملحوظ رکھتا۔ اور بنہایت تعظیم وتبجیل پیش آتا۔ جو مجالس اس جناب کی بادشاہ کے ساتھ منعقد ہوئیں۔ اور جس طرح مذہب مخالفان کو بدلیل و برہان وبلطافت بیان وعذوبت لسان شیخ رہ نے رد فرمایا۔ وہ رکن الدولہ کے صفحۂ دل پر نقش کالحجر ہوگیا۔ شیخ ابو جعفر دوریستی رازی نے ان مباحث کو علیحدہ ایک رسالے میں جمع کیا ہے۔ اور جناب قاضی نور اللہ نور اللہ مرقدہ نے اس کا ترجمہ کتاب مستطاب مجالس المومنین میں وارد فرمایا ہے۔ اس سے کمال تبحر علم ومنتہا فضیلت اس جناب کی ظاہر ہوتی ہے۔

عضد الدولہ

رکن الدولہ کا بیٹا پہلا بادشاہ تھا۔ اسلام میں جو شہنشاہ کے نام سے نامزد ہوا۔ نہایت علم دوست فاضل فضیلت پرور تھا۔ اس کا نام بغداد کے ممبروں پر خلیفہ عباسی کے نام کے بعد لیا جاتا تھا۔ روضۃ الصفا میں ہے۔ کہ عضد الدولہ لقادہ وخلاصہ سلاطین دیلم تھا۔ اس کے مناقب ومفاخر میں علیٰحدہ کتابیں لکھی گئیں۔ علماء امامیہ سے جناب شیخ مفید اعلی اللہ مقامہ اس کے ہمعصر تھے۔ آپ نے قاضی عبدالجبار معتزلی سے مناظرہ کر کے اس کو ملزم ومجوج کیا۔ تو عضد الدولہ نے انکو بلوا بھیجا۔ اور کیفیت مناظرہ ان کی زباں سے سماعت کی۔ اور ایک عمدہ گھوڑا مع قلادہ زرین و خلعتہائے نفیس جناب شیخ کو عطا کیا۔ اور چند مواضع حوالے بغداد میں جاگیر میں بخشے۔ اس سعید بادشاہ نے سنہ ۳۷۳ ہجری میں انتقال کیا۔ بموجب وصیت اس کا جنازہ نجف اشرف میں لیجا کر مزار فائض الانوار کے قرب وجوار میں دفن کیا۔ تجدید عمارت روضۂ حضرت امیرالمومنینؑ اس کے آثار سے ہے +

سلطان محمود غزنوی کا روضۂ منورہ شاہ خراسان کو تعمیر کرنا

کتاب زینۃ المجالس سے کہ سنہ ایک ہزار چار میں تالیف ہوئی نقل ہوا ہے۔ کہ کامل التاریخ کے مؤلف نے کہا۔ کہ سبکتگین نے گنبد امام رضا علیہ السلام کو خراب کیا۔ اور اہل طوس و دیگر خلائق کو زیارت امامؑ سے روکتا تھا۔ مگر شیعہ اس سے ممتنع نہ ہو کر خفیہ و پوشیدہ اپنے تئیں اس مکان رشک جناں تک پہنچاتے اور شرف زیارت اس جناب سے مشرف ہوتے۔ کیونکہ کہا گیا ہے۔ ؎

یک طواف مرقد سلطاں علی موسے الرضاؑ
ہفت ہزار و ہفصد و ہفتاد حج اکبر است

تا اینکہ ایک رات سلطان محمود اس کے بیٹے نے حضرت اسد اللہ الغالب مطلوب کل طالب امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کو خواب میں دیکھا۔ کہ اس گنبد خراب شدہ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں۔ کہ کب تک یہ اس طرح خراب پڑا رہیگا۔ محمود نے صبح ہی معماروں کو

بلاکر طوس بھیجا۔ انہوں نے وہ عمارت جواب (یعنی بوقت تالیف کتاب کامل التواریخ) قبر منور امام رضاؑ پر ہے تعمیر کی پسر عمید شوری خراسانی میر عمارت تھا۔ اور شیخ کمال الدین خوارزمی نے ثواب زیارت شاہ خراسان کے بارے میں یہ شعر کہا ہے

یک طواف درش از قول رسول الثقلینؐ

تا بہفتاد حج نافلہ یکساں آمد

حقیر مؤلف کہتا ہے۔ کہ سبکتگین جس نے مشہد امام غریب الغرباؑ کے ساتھ وہ سلوک کیا۔ جو متوکل عباسی نے روضۂ مقدسہ حضرت سید الشہداؑ سے کیا تھا۔ در اصل غلام زر خرید الپتگین امیر خراسان کا تھا۔ کہ بڑھتے بڑھتے سلطنت و بادشاہی پر پہنچا۔ مگر بمفاد لاخیر فی العبید اس سے وہی بروئے کار آیا۔ جس کے کہ وہ لائق تھا۔ سلطان محمود نے غالباً یہ تعمیر باپ کے مرنے کے بعد اپنے عہد سلطنت میں کی۔ چونکہ سبکتگین ۳۸۷ھ ہجری میں اپنے مقر و مقام کو پہنچا۔ اور محمود اس کا بیٹا ۴۲۱ھ ہجری میں متوفی ہوا پس یہ تخریب اور تعمیر ان دونوں سنون کے درمیان ہوئی +

شاہان سلجوقیہ

ملک سنجر بنی سلجوق سے دنیا کا ایک مشہور و جلیل القدر تاجدار گزرا ہے۔ اس کی قلمرو مصر سے لیکر بلخ و بخارا تک پہنچی تھی۔ بیس سال اپنے بھائیوں کی طرف سے خراسان کا حاکم رہا۔ اور اکتالیس سال کامل بالاستقلال اکثر ممالک روئے زمین کی فرمانروائی کی۔ تتبع کتب تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ روضۂ منورہ امام رضاؑ کا قبۂ حمیدیہ جس کے عہد میں عمارت عالیہ کی صورت میں تبدیل ہوا۔ وہ یہی بادشاہ عالیجاہ معز الدین ملک سلجوقی تھا۔ مجالس المومنین میں لکھا ہے" و ایں عمارت عالی کہ الحال بر سر ضریح مطہر حضرت امام رضاؑ موجود ست از آثار شرف الدین ابو طاہر قمی است کہ وزیر سلطان سنجر بودہ و بنا بر اشارت غیبی کہ تفصیل آں بر سر زبان اہل زمان است بنائے آں نمودہ" انتہی۔ اس اشارت غیبی سے غالباً مراد حکایت صحتیابی شہزادہ ہے۔ جس کو ہم ذرا آگے چل کر لکھینگے۔ یہاں اس قدر گزارش ہے۔ کہ اس عبارت کو عبارت سابقہ مجالس سے" کہ قریب چار سے سال تک کوئی عمارت سوائے عمارت حمیدیہ کے

قبر شریف پر نہیں بنائی گئی" ملائیے۔ اور وفات سنجر بادشاہ کو کہ ۵۵۲؁ ہجری یا ۵۵۵؁ھ
میں باختلاف اقوال ہے۔ خیال میں لائیے۔ تو بہت آسانی سے نتیجہ نکل آتا ہے کہ قبہ حمیدیہ
کی تجدید پہلے اسی بادشاہ عالیجاہ کے عہد میں اس کے یا اس کے دیندار وزیر کے ہاتھوں
سے ہوئی۔ اندریں صورت صاحب تذکرۃ الائمہ کا یہ کہنا کہ آل بویہ نے مزار فائض الانوار
کی تعمیر کی اور کامل التاریخ کی یہ عبارت کہ محمود غزنوی نے اس کو بنا کیا جیسا کہ پہلے گزرا
قبہ حمیدیہ کی مرمت اور بعض عمارات متعلقہ کے اضافہ پر محمول ہوگا۔ از سر نو اس کا تعمیر کرنا
اس سے مراد نہ ہوگا۔ بہرکیف سلجوقیوں سے شاہ سنجر ہی نہیں بعض سلاطین دیگر کہ اجداد
سنجر میں ہیں اپنی خوش اعتقادی سے روضۂ منورہ کی زیارت کرتے رہے ہیں۔ صاحب
روضۃ الصفا الب ارسلاں جد سلطان سنجر کے حالات میں لکھتے ہیں۔ کہ "باز سلطان
عازم طوس شد و انطے مراحل بآں دیار بانوار رسیدہ بر طواف مشہد مقدس امام علی بن موسے
الرضا علیہ التحیۃ والثنا اقدام نمودہ"۔

سنجر بادشاہ شیعہ تھا سنجر ابتدا سے مذہب شیعہ کی طرف مائل تھا۔ اس نے
ملک شاہ اپنے باپ کے مرنے پر حکیم سنائی غزنوی سے
دریافت کرایا تھا۔ کہ مذہب امامیہ درست ہے یا طریقہ سنیہ۔ اور خلفاء ثلثہ برحق تھے
یا ائمہ اثنا عشرؑ۔ اس کا جواب حکیم مذکور نے نظم میں دیا۔ یعنی ایک قصیدہ تقریباً پچاس
شعر کا لکھ بھیجا۔ جو کہ منتہائے بلاغت سے معمور ہے۔ اور زبان خلائق پر معروف و
مشہور۔ پہلا شعر اس کا یہ ہے۔ ؎

کار عاقل نیست در دل مہر دلبر داشتن
جان نگیں مہر مہر شاخ بے بر داشتن

اس قصیدے میں مدح سرائے حضرت امیر المومنینؑ کی داد دی ہے۔ اور بدلائل واضحہ
شیخین وغیرہما پر آپ کو ترجیح ہی نہیں دی۔ بلکہ حضرتؑ کے مقابلے میں جو اُن کا واقعی درجہ
اور رتبہ تھا۔ اس کو ظاہر فرمایا ہے۔ چنانچہ کچھ آگے چل کر کہتے ہیں۔ ؎

چوں ہمیدانی کہ شہر علم را حیدر در ست
خوب نبود غیر حیدر میر مہتر داشتن

آنکہ او را بر علیؑ مرتضےٰ خوانی امیر — باللہ ار بر مے تواند کفش قنبر داشتن

پھر لکھا ہے۔ ؎

تا سلیمانؑ وار باشد حیدر اندر صدر ملک — زشت باشد دیو را بہ تارک افسر داشتن

الحق بہت درست کہا ہے۔ حضرات شیخین وجناب ثالث جن کو آنحضرتؐ کے مقابلہ میں خلیفہ وامیر المومنین کہا جاتا ہے۔ آپ سے ان کو وہی نسبت تھی جو دیو کو سلیمانؑ سے۔ فی الحقیقۃ وہ قنبر غلام آنحضرت صلوات اللہ کی جوتیاں اُٹھانے کی بھی قابلیت نہ رکھتے تھے۔ پھر کہتے ہیں۔ ؎

ہر مرا باور نمی آید ز رُوئے اعتقاد

حق زہراؑ بُردن و دینِ پیمبرؐ داشتن

اس شعر میں قضیہ فدک یاد دلا کر نہایت مؤثر طریقہ سے دین حق کی تعلیم کی ہے۔ اس سے سنجر کے طالب حق دل پر ضرور چوٹ لگی ہوگی۔ پھر اہل بیت رسول اللہؐ سے خلیفہ رسول اللہ ہونے اور غیروں سے اس کی نفی پر استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ؎

از پس سلطاں ملک شہ چوں روا داری ہمے — تاج وتخت بادشاہی جز کہ سنجر داشتن

از پس سلطان دیں پس چوں روا داری ہمے — جز علیؑ و عترتش محراب و منبر داشتن

پس ایسے شخص سے جس کی مشکوک طبیعت مذہب حق کی تلاش کرے۔ اور یوں بہ بیان فصیح اس کو مذہب حقہ کی فوقیت دل نشیں کی جاوے۔ کبھی امید نہیں ہوسکتی۔ کہ وہ مذہب حقہ اختیار نہ کریگا۔ اور فرقہ مخالف کی ضلالت میں رہنا گوارا فرمائیگا۔ دیگر کتاب کنز الانساب میں اولاد امام محمد تقی علیہ السلام کے بیان میں نقل ہوا ہے۔ کہ ایک بزرگ آنحضرتؑ کی اولاد میں سے سید محمد کیا نام کوہ صلح کناں میں ولایت استمدار سے مقیم اور بطریق اپنے آبائے طاہرینؑ مشغول عبادت رب العالمین تھے۔ اور مردم اطراف وجوانب کو طریقہ حقہ کی طرف ہدایت وارشاد فرماتے تھے۔ چونکہ وہ لوگ کرامات باہرہ آپ سے مشاہدہ کرتے تھے۔ لہٰذا تہ دل سے معتقد وگرویدہ تھے۔ سلطان عراقین سنجر بادشاہ کو یہ حال معلوم ہوا تو ان کی زیارت کے ارادہ سے اس طرف کو متوجہ ہوا۔ دامن کوہ میں پہنچا۔ تو اس کے دل

میں آیا۔ کہ اگر محمد کیا کوئی کرامت رکھتے ہیں۔ تو اس راہ میں ہم کو دکھائیں۔ اسی خیال میں
پہاڑ پر قدم رکھا تھا۔ کہ یکایک پہاڑ لرزنے لگا۔ حتے کہ نزدیک تھا۔ کہ پھٹ کر ٹکڑے
ہو جائے۔ بادشاہ پر دہشت چھاگئی۔ اور لشکر بھی ہراساں ہُوا۔ اس وقت ایک آواز
کان میں آئی اُسْکُنْ اَیُّھَا الْجَبَلُ۔ اے پہاڑ ساکن ہو۔ تب کوہ کو سکون ہُوا۔ اور بادشاہ
بالائی کوہ پہنچ کر زیارت سے مشرف ہُوا۔ اور بہت سی خیرات کی۔ اور نذریں پیش پہنچائیں۔
تا اینکہ کمر بند عقیدت میان جان پر باندھ کر تمام اسباب و سامان ہمراہی سے درگزرا۔
حتے کہ نوبت خانہ شاہی بھی آستانہ متبرکہ پر چھوڑا۔ جو آج تک وہاں موجود ہے۔ انتہی۔
ان حالات و واردات سے جو وقعت مذہب حقہ کی اور جو قدر و منزلت حضرات ائمہ علیہم السلام
کی اس بادشاہ کی نظر میں ہُوئی ہوگی۔ بخوبی ظاہر ہے۔ بنا بریں اگر اس نے روضۂ مبارکہ رضویہ
کو از سرِ نو تعمیر کر کے ایک عالی شان عمارت بنا دیا ہو۔ تو کچھ بعید نہیں۔ اور شرف الدین وزیر
تو بھلا قم کا رہنے والا تھا۔ جہاں کی آب و ہوا میں سوائے تخمِ تشیع کے کوئی بیج سرسبز ہو
نہیں سکتا۔ پس وہ مسلم الثبوت شیعہ تھا۔ حتے کہ بعد وفات حسبِ وصیت خود مشہد
مقدس میں دفن ہوا۔ اور ایک قریہ مضافات مشہد سے اس کے مزار پر وقف کیا گیا۔
پس اس کے ہاتھوں جو خدمت اس بقعہ مبارکہ کی ہو تھوڑی ہے۔ مگر جو قصہ دربارۂ تجدید
عمارت تحفہ رضویہ میں لکھا ہے۔ اور جس کو غالباً قاضی صاحب نے اشارۂ غیبی سے تعبیر کیا
ہے۔ اور جو آپ کے زمانے میں لوگوں کے زبان زد تھا۔ وہ زیادہ تر اس خدمت کو بادشاہ
ہی سے منسوب کرنے کے مؤید ہے۔ جیسا کہ بلاحظہ نفسِ قصہ سے دریافت ہوگا۔
قصہ یہ ہے :-

مدقوق شہزادے کا ببرکت روضۂ منوّرہ شفایاب ہونا

بعض کتب تاریخ میں نقل ہُوا ہے۔ کہ سلطان سنجر کا یا
اس کے وزیر کا جیسا کہ وسیلۃ الرضوان میں ہے ایک
بیٹا تھا جو دِق کی مرض میں مبتلا تھا۔ اس عہد کے
طبیبوں نے سیر و تماشا کرنا اور شکار کھیلنا اس کا علاج تجویز کیا تھا۔ لاجرم شہزادہ سیر و
شکار میں مشغول رہتا۔ ایک روز اپنے غلاموں کے ساتھ جنگل میں شکار کھیل رہا تھا۔ کہ ایک

ہرن اس کی کمند سے چھوٹ کر بھاگا۔ سلطان زادہ نے اس ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈالا۔
ہرن چوکڑیاں بھرتا ہوا صحرائے طوس کی طرف ہو لیا۔ شاہزادہ بھی اس کے پیچھے جا رہا
تھا۔ اور دست بردار نہ ہوتا تھا۔ جب اس کو راہ گریز نہ ملی۔ اور چار طرف سے گھر گیا۔
تو مرقد مطہر امام الانس والجنّ علی بن موسی الرّضاؑ کا عزم کیا۔ حتّے کہ اپنے تئیں اس مکان
جنّت نشان میں کہ مصداق وَمَن دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا (جو اس میں داخل ہوا بے خوف ہو گیا)
کا تھا پہنچایا۔ شاہزادہ بھی اس کے پیچھے پیچھے وہاں پہنچا۔ اب جس قدر آلات شکار استعمال
کرتا ہے۔ شکاری جانور چھوڑتا ہے۔ ذرا اثر نہیں۔ سوار گھوڑوں کو مہمیز کرتے ہیں۔ وہ
بھی قدم آگے نہیں بڑھاتے۔ حیران تھا۔ کہ الٰہی یہ کیا ماجرے ہے۔ ضرور اس میں کوئی
راز ہے۔ کہ بعض حیوانات یہاں پناہ گیر ہوتے ہیں۔ بعض دیگر داخل نہیں ہو سکتے۔ غلاموں
سے کہا۔ کہ پیادہ ہو جاؤ۔ تاکہ بڑے ادب و احترام سے اس بقعہ مبارکہ میں داخل ہوں۔
سب حسب الحکم شاہزادے کے پیادہ ہو کر اندر گئے۔ قبر مطہر نمودار ہوئی۔ تو شاہزادے
نے اپنے تئیں اس مکان منوّر پر گرا دیا۔ اور اس مرض کی دوا صاحب قبر سے مانگتا تھا۔ اور
درگاہ الٰہی میں گریہ و زاری و آہ و بیقراری کرتا تھا۔ حق تعالےٰ نے ببرکت آنحضرت صلوات اللہ
علیہ اس کو اس بیماری سے شفا بخشی۔ مرض بالکل دفع ہوا۔ شہزادہ فرط مسرت سے اچھل پڑا
اور اپنے والد کو عریضہ لکھا۔ کہ مژدہ ہو۔ کہ بیابان طوس میں مرقد مطہر امام دین و دنیا حضرت

سلہ حرم محترم میں آہو کا پناہ گزیں ہونا اور آلات شکار اور جانوران شکاری کا وہاں کارگر نہ ہونا ہو بہو اس کی وہی صورت
ہے۔ کہ جو مرقد مطہر حضرت امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ پر۔ کوئی ڈیڑھ سے سال بعد دفن کے ظاہر ہوئے تھے۔ چونکہ تربت
مبارک بخوف خوارج و دیگر اعداء دین مخفی رکھی گئی تھی۔ تو عرصہ دراز تک سوائے اہل بیتؑ اور خاص اصحاب کے کوئی اس سے آگاہ نہ تھا
تا اینکہ ہارون رشید اپنے عہد سلطنت میں ایک روز شکار کناں اس نواح میں آنکلا۔ شکاری کتّے ہرنوں پر چھوڑ رکھے تھے جب
تعاقب کرتے کرتے اس مقام تقدس التیام کے نزدیک پہنچے۔ تو ہرن بھاگ کر ایک ٹیلہ پر جہاں قبر مبارک واقع ہوئی ہے چڑھ
گئے۔ کتّے قدم آگے نہ بڑھا سکے۔ ہارون نے متعجب ہو کر حال دریافت کیا۔ تو ایک پیر مرد قبیلہ بنی اسد کی زبانی دریافت ہوا۔ کہ اس ٹیلہ
کے اوپر قبر مبارک علی بن ابی طالب علیہ السّلام ہے۔ اس روز سے خاص و عام کو حال معلوم ہوا۔ اور لوگ زیارت سے
مشرف ہونے لگے ۔ ۱۲ منہ

علی بن موسیٰ الرضاؑ کا ظاہر ہؤا۔ حق تعالےٰ نے اس قبر منور کی برکت سے مجھ کو اس موذی مرض کے ہاتھ سے نجات دی۔ میں یہیں مقیم ہوں۔ تاوقتیکہ معماران چابکدست عملہ و فعلہ شاہی یہاں آکر اس مبارک مقام کی تعمیر از سر نو کریں۔ اور ایک شہر کی بنیاد ڈالی جائے۔ تاکہ ہمارا یہ عمل یادگار رہے۔ سلطان سنجر نے خط کا مطالعہ کیا۔ تو شکر حق سبحانہ تعالےٰ بجالایا۔ اور امر کیا۔ کہ کاریگر اور معمار اس طرف بھیجے جائیں۔ اور بقعہ و بارگاہ قبر مطہر پر بنائی گئی۔ اور ایک چھوٹی سی شہر پناہ بھی تیار ہوئی۔ حکایت ہذا میں گو کتاب وسیلۃ الرضوان کے حوالے سے وزیر کا تذکرہ بھی آگیا ہے۔ الانفس قصہ یہی کہہ رہا ہے۔ کہ صاحب مرض وزیر زادہ نہیں شاہزادہ تھا جس نے اپنی صحتیابی کے شکرانے میں شاہانہ اولو العزمی سے تنہا روضۂ مقدسہ ہی کی تعمیر نہیں کی۔ بلکہ تبرسناباد کو بڑھا کر چھوٹا سا شہر بنا دیا۔ اور ساتھ ہی اس کے گرد فصیل کھچوا دی۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے۔ کہ عمارت روضۂ مقدسہ کی تجدید اور دیوار شہر کی تعمیر با۔ شاہ کے حکم سے ہو۔ اور گنبد مبارک شرف الدین وزیر نے بنایا ہو۔ کیونکہ گنبد کے ساتھ خصوصیت سے وزیر کا نام لیا جاتا ہے۔ الغرض یہ فصیل عرصۂ دراز تک قائم نہیں رہی۔ جلدی ہی دوسری فصیل غالباً اس سے وسیع تر و محکم تر بنانی پڑی۔ کیونکہ مجالس المومنین میں علاؤ الدولہ فرامرز بن علی کے حال میں لکھا ہے۔ کہ اس نے بموجب ولاء حضرت غریب الغرباؑ میں ۵۱۵ھ میں کہ زمانہ سلطنت سنجر بادشاہ تھا۔ اس شہر مقدس کی فصیل بنوائی +

آبادی شہر مشہد

کتاب زینۃ المجالس سے نقل ہؤا ہے۔ کہ جب سے ایک بادشاہ (مراد سنجر شاہ غالباً) نے قبر اطہر پر گنبد عالی شان شامخ البنیان تعمیر کرایا۔ اس وقت سے ایک گروہ سادات نقوی کا وہاں آکر جوار مزار فائض الانوار میں سکونت پذیر ہؤا۔ اور خدمت گزاری روضۂ عرش رتبہ کی کفالت ان سے متعلق ہوئی۔ یہ حضرات کمال امن و اطمینان و رفاہیت و آرام سے بسر اوقات کرتے تھے حتے کہ چنگیزی فتوحات کے زمانے میں بھی جبکہ عالم صدمہ تیغ خون ریز مغل و اشرار تاتار سے تہ و بالا ہو رہا تھا۔ اس ارض اقدس کے باشندوں کو ذرا ضرر نہیں پہنچا۔ یہ لوگ قریب چالیس خانوادوں بزرگ کے تھے۔ جو زوار روضۂ منورہ کی زیارت کو دور و نزدیک سے وہاں آتے تحائف و نذورات

ان کی خدمت میں گزرانتے۔ یہی ان کی وجہ معاش تھی۔ انتہی۔ حقیر مؤلف کہتا ہے۔ کہ سادات
مشہد مقدس نے جن میں موسوی و رضوی و دیگر سلسلوں کے سید شامل تھے۔ عام درگاہ کے
مجاوروں اور اوقاف کے متولیوں کی طرح کھانے اور بیکار پڑے رہنے کو اپنا شعار نہیں
بنایا۔ بلکہ یہ حضرات تحصیل علوم کے شائق وکسب کمالات کے شیدائی ہے۔ اور طہارت
نفس و پاکیزگی اخلاق کے ساتھ علم و فضیلت کے آسمان کے آفتاب لنصف النہار ہو کر چمکے ہیں۔
چنانچہ یہ شہر مقدس ان کی وجہ سے ہر زمانے میں مجمع اہل کمال و درس گاہ عالم[1] رہا ہے۔ طلباء علوم
بیرونجات سے یہاں آکر اس چشمۂ خوشگوار سے سیراب ہوتے رہتے کہ بڑے بڑے وحید عصر
و یکتا۔ دہر میر باقر داماد الحسینی طاب ثراہ جیسے کملاء یہاں سے تعلیم پاکر نکلے ہیں صاحب روضۃ الصفا نے

ف[1] الحمد للہ کہ شہر مشہد مقدس میں ہمیشہ علم و فضل کا چرچا رہا۔ اور اس وقت تک بدستور موجود ہے۔ بڑے بڑے صاحب
فضل و کمال اس خاک پاک سے اٹھے۔ چنانچہ آئندہ فی الجملہ اس کا ذکر آتا ہے۔ اسی طرح دیگر عتبات عالیات نجف اشرف
کربلائے معلیٰ۔ کاظمین و سامرہ علی صاحبہم الصلوات والسلام جہاں شیعوں کا دخل و تصرف ہے ہمیشہ مرکز علوم رہے
ہیں۔ [illegible] نجف غری کہ باب علم نبی امیر المومنین مولانا علی علیہ السلام کا مدفن ہے۔ اس میں دریاء علوم دجلہ و فرات
کی طرح رواں ہیں۔ خارج درس یعنی بلا کتاب کا درس اس بقعہ مبارکہ کا شہرۂ آفاق و بینظیر ہے۔ طلباء ذی استعداد
قریب الاجتہاد صدہا ہزارہا کی تعداد میں شیوخ و اساتذہ کے منبروں کے نیچے حاضر ہو کر ان کے چشمہ علوم سیراب
اور کامیاب مراد ہوتے ہیں۔ بخلاف حرمین شریفین مکہ معظمہ و مدینہ منورہ زادہما اللہ شرفاً و اجلالاً کے جہاں کو سنی مسلط
ہیں باوجود اس عظمت شان و علو مکان کے کہ یہ شہر مرجع تمام جہان کے مسلمانوں کے ہیں علم کے اعتبار سے
ہرگز اس پایہ کے نہیں۔ چنانچہ جب یہ حقیر ۱۲۹۶ھ میں حج و زیارات کی غرض سے ان بلاد میں مشرف ہوا تھا۔ تو وہاں کچھ
چرچا علم و فضل و درس تدریس کا بجز کو نظر نہ آیا۔ باوجود تحقیقات کوئی درس گاہ معقول معلوم نہ ہوئی۔ مدینہ منورہ میں
بہت پوچھنے گچھنے سے صرف اس قدر دریافت ہوا۔ کہ ایک شیخ سن رسیدہ پشت روضۂ منورہ پر ایک مکان
میں درس دیتا ہے۔ وہاں جاکر دیکھا۔ تو فقط دلائل الخیرات کا درس تھا۔ یعنی طریقہ درود حضرت رسالت پناہ کا
شاگردوں کو بتلاتا تھا۔ یہ بھی سنا کہ بقیہ ہائے درود رسول اللہ صلعم سے اس شیخ کو سینہ بسینہ پہنچے ہیں۔ اسی کی تعلیم دیتا
ہے۔ ممکن ہے۔ کہ اس کے سوا کوئی اور شخص بھی کسی خاص کتاب کا درس دیتا ہو۔ یا کوئی چھوٹا موٹا مدرسہ ہی لڑکوں
کا ہو۔ الا عام مدرسہ بسیع پیمانے پر ان دو مقدس شہروں میں ہم کو نظر نہ آیا۔ حال آنکہ اہل سنت کے نزدیک وہاں کے

عہد سلطان حسین گورگانی بادشاہ کے علماء۔ فضلاء دار الخلافہ ہرات ودیگر بلاد خراسان ؒ ما وراء النہر کا تفصیل وار تذکرہ کیا ہے۔ اس کے شروع میں لکھتے ہیں۔ کہ "مقدم ایں طبقہ عالی شان واشرف ایں طایفہ عالی مکان سادات عظام ونقباء کرام روضۂ مقدسہ رضویہ اند۔ پھر تین بزرگواروں کے نام لکھے ہیں جو اس بادشاہ خجستہ صفات کے عہد میں منصب جلیل القدر نقابت پر منصوب اور بغایت معزز ومفتخر تھے۔ ایک ان سے مولانا نظام الدین عبد الحیؒ دوسرے امیر غیاث الدین عزیز سوم امیر علاء الملک۔ صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں۔ کہ یہ تینوں بزرگوار اس عہدۂ عالیہ پر فائز اور اس کی اہم شرائط کی بجاآوری میں کامل تھے۔ چونکہ اسباب سعادت ظاہری وباطنی وکمالات نفسانی وروحانی ان میں جمع تھے۔ لاجرم سائر نقباء موسوی ورضوی سے ممتاز وسرفراز تھے۔ ان کی ہمت عالی ہمیشہ تعمیر وترمیم روضۂ اقدس اور وہاں کے وارد وصادر کی ضیافت میں مصروف تھی پس ان کا تقدم اشراف واساطین عالم پر مسلم پر تھا۔ اور ان کی فوقیت جہان میں آفتاب نیمروز سے زیادہ روشن۔ چنانچہ اس وقت بھی اس آستان عالیشان کی نقابت انہی کی ذریت سے تعلق رکھتی ہے۔ کوئی متنفس سادات عالم سے اس میں شرکت کا خیال دل میں نہیں لاسکتا۔ تمام ہوئی عبارت روضۃ الصفا کی +

سلطان الجائتو محمد خدا بندہ

تذکرۃ الائمہ منسوب بہ مجلسی علیہ الرحمہ میں ہے۔ کہ بعض شاہان دیالمہ نے کہ آل بویہ سے تھے مزار کثیر الانوار امام رضاؑ کا تعمیر کیا۔ اور آبادی اس شہر کی سلطان الجائتو ملقب بہ خدا بندہ بن (ارغون خاں بن اباقا خاں بن) ہلاکو خاں مغل بادشاہ نے بنیاد ڈالی۔ وہ پہلا شیعہ بادشاہ ہے ترکان چنگیزی سے۔ صاحب تحفہ رضویہ بعد نقل عبارت مذکورہ کہتے ہیں۔ کہ سلطان محمد خدا بندہ وسلطان غازان خاں اس کا بھائی دونوں شیعہ تھے۔ اور معنی الجائتو کے فرخندہ ومبارک کے

(بقیہ حاشیہ [illegible] ۴۲) باشندوں کی اس قدر عظمت ہے کہ اجماع اہل حرمین ایک جہاد میں مسائل شرعی کے افتاء کی مقرر کر رکھی ہے [illegible] علم وفضل کا یہ حال ہے [illegible] تو ہمارا ایشیا [illegible] علوم دینیہ [illegible] کے اعتبار سے حقیقت کہیں [illegible] ہیں پس یہی ایک [illegible] ہے حقیقت مذہب شیعہ پر [illegible] مقامات میں ان کا دخل ہے [illegible] شرعیہ [illegible] اور بہاں [illegible] نہیں وہ اس [illegible] ان چیزوں سے کوسے ہیں + ۱۲ منہ عفی عنہ

ہیں۔ چونکہ اس کی ولادت کے وقت کہ شہر سرخس و مرو کے درمیان ایک بیابان میں
واقع ہوئی۔ لوگ پیاس کی شدت اور پانی کی نایابی سے قریب المرگ ہوئے تھے۔ اس کے
پیدا ہوتے ہی فائدہ بخش بارش ہوئی۔ اور اس سعادت سے فرخندگی و خوش حالی شامل حال
خلائق ہوگئی۔ اس لئے اس مولود مسعود کا نام الجائتو رکھا۔ یا یہ کہ اس کے عہد سلطنت میں
رعایا برایا مرفہ الحال اور ملک معمور تھا۔ اس لئے یہ لقب دیا گیا۔ پھر تذکرۃ الائمہ میں ہے
کہ سلطان الجائتو کے عہد سلطنت سے لیکر سلاطین صفویہ کے زمانے تک اکثر بادشاہ
شیعہ ہوئے۔ اور اس بقعۂ مبارکہ کی تعمیر کرتے رہے۔ خصوصاً آل سنجر و آل بویہ وغیرہ۔ حقیر
مؤلف کہتا ہے۔ کہ آل بویہ و آل سنجر شیعہ تھے۔ اور انہوں نے روضۂ منورہ کی تعمیر و ترمیم
کی۔ یہ سب درست ہے۔ مگر ان کا زمانہ سلطان الجائتو محمد خدابندہ اور صفوی خاندان کے
درمیان نہیں تھا۔ کیونکہ خدابندہ مرحوم نے ۷۱۶ھ ہجری میں وفات پائی۔ اور دیلمیوں یعنی
بنی بویہ کا اس سے اڑھائی سے پونے تین سے سال پہلے ۴۴۷ھ ہجری میں خاتمہ ہوچکا
تھا۔ علےٰ ہذا آل سنجر یعنی سلجوقی بادشاہ اس سے بھی پہلے تمام ہوچکے تھے۔ سلطان الجائتو
اور صفوی خاندان کے درمیان جنہوں نے روضۂ مبارکہ کی خدمت کی۔ وہ تیموری خاندان
تھا۔ جس کا دار الخلافہ پہلے سمرقند پھر عرصۂ دراز تک ہرات میں رہا۔ چنانچہ عنقریب ان کا
ذکر رسالہ ہذا میں آتا ہے +

محمد خدابندہ نے ایک خواب کی بدولت کہ نجف اشرف کے مقام میں دیکھا تھا۔
اور جناب آیۃ اللہ فے العالمین جمال الملۃ والدین حسن بن مطہر الحلّی معروف بہ علامہ حلّی کی
صحبت کی برکت سے مذہب شیعہ میں رسوخ حاصل کیا تھا۔ انہوں نے بہ بیان شافی
اس زمانے کے سُنّی عالموں کو قائل کیا۔ اور بادشاہ کے دل پر حقیقت تشیع کا نقش جما
دیا۔ بنابرآں ملک میں طریقۂ حقہ اثنا عشریہ کا اعلان ہوا۔ اذاں میں حی علی خیر العمل
داخل کیا گیا۔ اور نام خلفاء ثلثہ خطبہ سے خارج ہوکر اسماء طیبہ ائمہ طاہرین ثبت ہوئے۔
سکہ پر یہ تین سطریں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ ادبہ تھے منقوشہ
تھیں۔ اس سلطان کے بعد اس کا بیٹا سلطان ابو سعید بھی ایک شیر دل فرمانروا گذرا ہے

وہ بھی مذہب کا شیعہ تھا +

ابن بطوطہ[۱] سیّاح کا بیان

مشہور سیّاح ابن بطوطہ مصری سنہ ۷۳۰ھ کے قریب سفر کرتا ہُوا مشہد مقدس میں پہنچا ہے۔ اس کا بیان حسب ذیل ہے مشہد الرضاؑ ایک وسیع و آباد شہر ہے (اس وقت تک محمد خدابندہ کی سعی و کوششوں کو جو شہر کی آبادی و رونق دہی میں کی تھیں تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا)۔ جہاں میوہ افراط سے پیدا ہوتا ہے مشہد یعنی روضہ پر ایک بہت بڑا قبّہ ہے۔ جو حریر کے غلاف اور طلائی شمع دانوں سے مزیّن ہے۔ قبّہ کے نیچے حضرت امام رضاؑ کے مزار کے مقابل خلیفہ ہاروں رشید کا مقبرہ ہے۔ اس مقبرہ پر شمعیں روشن کی جاتی ہیں۔ لیکن جب شیعیان علیؑ یہاں زیارت کے لئے داخل ہوتے ہیں۔ تو ہاروں رشید کے مدفن کو ٹھکراتے ہیں۔ مگر حضرت امام رضا علیہ السلام کے مزار پر درود بھیجتے ہیں۔ تمام ہُوا کلام سیّاح مذکور کا + مترجم سفر نامۂ لارڈ کرزن بہادر منشی ظفر علی خاں بی۔ اے بعد نقل عبارت مذکورہ

[۱] تعجب ہے کہ حکیم ناصر خسرو علوی مروزی جو آٹھویں پشت میں اولاد امام رضا علیہ السلام سے کیا جاتا ہے۔ اس نے بہت بڑا سفر کیا یعنی سنہ ۴۳۷ھ میں مرو سے چل کر براہ سرخس نیشاپور اور وہاں سے تبریز۔ پھر آرمینیا سے ہوتا ہُوا بیت المقدس پہنچا۔ بعد ازاں مصر میں آکر مقیم ہُوا۔ اس اثنا میں حسب قول خود چند بار حج بیت اللہ سے مشرف ہوتا رہا۔ پھر آخری حج کر کے براہ اصفہان سنہ ۴۴۴ھ میں سات سال بعد خراسان واپس آیا۔ اس نے اپنے سفر میں بوقت ذہاب و مراجعت کہیں مشہد مقدس کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ سرخس سے نیشاپور جاتے ہُوئے ارض مقدس اس کے راستے میں یا کچھ ادھر اُدھر قریب تر رہتی ہے۔ اور ہرگز روضۂ مبارک اس وقت خمول و گمنامی کی حالت میں نہ تھا۔ بلکہ اس سے بہت پہلے اسکی مرجعیت ایسی تھی کہ امیر سبکتگین جیسے بادشاہ کو اس پر حسد پیدا ہُوا تھا۔ اور پھر گمنامی بھی تھی۔ تو اوروں کے واسطہ اولاد سے تو باپ دادوں کا مدفن پوشیدہ نہیں ہوتا۔ اور کیا روضۂ منورہ شاہ خراسان اس درواز ے کے ادنےٰ خادم بوزید بسطامی کے مقبرے سے بھی غیر معروف تھا۔ کہ ناصر خسرو نے اس کا حال اپنے سیاحت نامے میں درج کیا۔ جس سے یہ کتاب بڑی امید سے منگائی تھی۔ کہ رسالہ ہذا کے موضوع میں بہت کچھ اس سے مدد ملیگی مگر بخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ جبکہ معلوم ہُوا کہ اس مرد آدمی نے ایک حرف بھی اس کی بابت قلم سے نہیں نکالا۔ یہ امر تنہا اس کی وارستگی اور حکیم مزاجی ہی پر دال نہیں۔ بظاہر اس کے اس خاندان سے میل و انحراف کو ظاہر کرتا ہے۔ اور عقیدت اور محبت سے رعت کا اعلان فرماتا ہے +

کہتے ہیں۔ کہ اس بیان سے واضح ہوتا ہے۔ کہ چودھویں صدی عیسوی میں جس طرح یہ مقام
شیعوں کی زیارت گاہ تھا۔ اسی طرح سُنّی بھی یہاں زیارت کو آتے تھے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ عبارت
مذکورہ سے ہرگز یہ نہیں نکلتا۔ کہ سُنّی زیارت کو آتے تھے۔ اس سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا
ہے۔ کہ اس کی قبر پر بھی شمعیں رکھی جاتی تھیں۔ سو ممکن ہے۔ کہ اس کی قبر چونکہ تربت مطہرہ
کے بہت ہی قریب یعنی گز ڈیڑھ گز کے فاصلے پر واقع ہوئی تھی۔ روضہ کی روشنی کے لئے زمین سے
اونچی چیز جان کر خدام اس پہ چراغ رکھ دیتے ہوں۔ نہیں تو ہارون دون میں سوائے قہر و سطوت
ظاہری شان و شکوہ کے کونسا روحانی جاذبہ تھا۔ جو لوگ اس کی زیارت کو آتے۔ حالانکہ اگر وہ
شبلی یا جنید وقت بھی ہوتا۔ تب بھی سُنّی وہاں اس کی زیارت اس ڈر سے نہ کرتے۔ کہ مبادا
محبت و مذہب سیدنا علی بن موسیٰ الرضا اعنی حضرت امام رضا علیہ السلام کے زائروں میں شمار
ہو کر رافضی نہ بن جائیں۔ بہر کیف ہارون کی زیارت کو کبھی کوئی سُنّی مشہد میں نہیں آیا۔ یہ آپکی
غلط فہمی ہے *

اس کے بعد سیاحت نامہ کرزن میں ہے۔ کہ ابن بطوطا کے سفر کے کوئی پچھتر
سال بعد ملک ہسپانیہ کا رفیع الشان سفیر تیمور کے دربار میں سمرقند کو جاتے ہوئے مشہد
سے گزرا۔ تو اس نے بھی یہی واقعہ بلند کیا۔ کہ امام رضا ایک بڑی مسجد کے اندر ایک بڑے
مقبرے میں دفن ہیں جس پہ چاندی کا ملمع چڑھا ہوا ہے (معلوم نہیں۔ کہ کس بادشاہ کے
عہد میں یہ ملمع کاری کی گئی) اس مزار کی وجہ سے یہاں ہر سال کثیر التعداد مسافر اطراف
و اکناف عالم سے آتے ہیں۔ جب زائر یہاں تک پہنچتے ہیں۔ تو سواری سے اُتر کر خاک کو بوسہ دیتے
ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ مقام مقدس کو پہنچ گئے *

روضۂ مبارکہ اور خاندان گورگانیہ

واضح رہے۔ کہ امیر صاحب قران تیمور گورگان اور اس کی اکثر اولاد و احفاد دوستداران
اہل بیت اطہار و محبان و شیعیان ائمہ اثنا عشر صلوات اللہ علیہم سے تھے۔ لاجرم یہ لوگ وقتاً
فوقتاً شرائط زیارت روضۂ اقدس و مشہد مقدس امام دوسرا علی بن موسیٰ الرضا صلوات اللہ علیہ

بجالاتے۔ اور فیوض نا متناہی اس بقعہ مبارکہ سے پاتے تھے۔ علی الخصوص مرزا شاہ رخ بہادر ملقب بہ خاقان سعید کو اس مرقد پاک سے نہایت حسن عقیدت و اخلاص تھا۔ پس نہ تنہا یہ بادشاہ شیعہ تھا۔ بلکہ اس کی شہرۂ آفاق زوجہ گوہر شاد آغا بیگم اور لخت جگر غیاث الدین مرزا بائسنغر وغیرہ تمام اس بارگاہ عالی جاہ کے ویسے ہی نیازمند تھے۔ جیساکہ ایک خالص العقیدہ شیعہ کو ہونا چاہئے۔

کتاب مستطاب تذکرۃ الائمہ منسوب بہ مجلسی علیہ الرحمہ میں لکھا ہے۔ کہ "ازانچہ ظاہر میشود امیر تیمور نیز شیعہ بود۔" اور صاحب روضۃ الصفا اپنی بینظیر تاریخ میں امیر کا اہل بیت رسالت و سادات بنی فاطمہؑ سے حسن عقیدت رکھنا اور روضۂ مبارک امام رضا علیہ السلام پر بار بار حاضر ہو کر بصدق دل طواف ضریح مقدس بجالانا بتصریح تمام بیان کرتے ہیں۔ مگر بوجہ اپنی سُنّیت کے اس کی یہ عادت بتاتے ہیں۔ کہ امیر عام فقراء و اہل اللہ کا معتقد تھا۔ انکی خدمات میں پہنچنا۔ مزارات پر فاتحہ کو جانا گویا ان کے نزدیک کوئی خصوصیت اس شہر مبارک کی نہ تھی۔ ادھر شاہزادۂ مرزا حیدر شکوہ میں مرزا محمد کام بخش بہادر بن مرزا محمد سلیمان شکوہ بہادر بن مرزا ابوالمظفر سراج الدین محمد شاہ عالم بادشاہ ہندوستان نے ایک رسالہ بنام شوکت حیدریہ لکھا ہے۔ اس میں تمام سلسلہ عالیہ گورگانیہ کا شیعہ ہونا بدلائل ثابت کیا ہے۔ اور خاص امیر کے تشیع پر براہین باہرہ قائم کی ہیں۔ اس شہزادۂ جلیل القدر کا ایسا لکھنا ارباب الباب کے نزدیک سو روضۃ الصفاؤں سے زیادہ وثوق رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ قضیہ مسلمہ قضیہ ہے۔ کہ گھر کا حال جیسا گھر والے جانتے ہیں۔ دوسرا نہیں جان سکتا۔ ہم رسالہ مذکورہ کے ان مضامین کا اقتباس آخر بحث ہذا میں وارد کرینگے۔ یہاں اس قدر گزارش ہے۔ کہ امیر کا عام فقیروں اور صوفیوں کی زیارت کو جانا اور نذر بھینٹ چڑھانا اگر تسلیم بھی کر لیا جاوے۔ تو غالباً بطریق مدارا و مماشات امراء سنیہ اور ان کی استرضاء کے لئے ہوگا۔ ایسا ہی اس نے خواجہ علی بن مؤیّد اپنے ایک عامل کے سامنے مذہب سنّت و جماعت کا تسلیم کیا ہوگا۔ جس کو اس مؤرخ نے بڑے طمطراق سے نقل کیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ تمام امور مصالح ملکی کی نظر سے تھے۔ اور اس طرز سلوک میں اس کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ بہت سے نواصب

محبت اہل بیت کا دم بھرنے لگے۔ حتےٰ کہ تعظیم و ترجیح سادات اس عہد کا عام عقیدہ ہوگیا۔ اور کم از کم شیعوں سے شاہی قلمرو میں کہیں روک ٹوک نہ تھی۔ ان کے قضیئے جھگڑے خود انہی کے عالموں مفتیوں کے ذریعہ نبٹائے جاتے۔ غرض بجائے ناصبیت کی گندگی کے تفضیل کے خوشبو چاروں طرف مہک رہی تھی۔ خود صاحب روضۃ الصفا محمد خاوندشاہ امیرخاں[1] زمان کے صنائع سے سنی مائل بتفضیل ہیں معاویہ و من یخدو خدوہ کو پرپشہ کے برابر بھی نہیں گنتے۔ ائمہ دوازدہ گانہ کی تاریخ کھلے دل سے اپنی کتاب میں درج کرتے ہیں۔ علےٰ ہذا روضۃ الشہدا کے مصنف ملا حسین کاشفی کو دیکھئے۔ صاحب روضۃ الاحباب میر جمال الدین[2] بعطاء اللہ کو خیال میں لائیے۔ سب کے سب اسی رنگ میں رنگے نظر آئینگے۔ الغرض امیر تیمور کہ بار بار مشہد مقدس میں حاضر ہوتا تھا۔ صرف زیارت کر لینے ہی پر قانع نہیں رہا۔ اس نے اس معتبر بقعہ میں عمارات بھی بنا کی ہیں۔ جن کا روضۃ الصفا سے بھی گو مفصل نہیں مجمل طور سے پتہ لگتا ہے۔ اور تذکرہ میں ہے۔ وتجدید عمارات آں بقعہ مطہر را امیر تیمور گورگاں و امیر شاہرخ ولد او نیز نمودند۔ اور پیشتر ذکر شہر طوس میں گزرا۔ کہ اس نے اہل شہر کو مجبور کیا۔ کہ وہاں سے اُٹھ کر مشہد مقدس میں آباد ہوں۔ اور اس طرح مشہد کی آبادی و رونق کا باعث ہوا +

---

[1] مؤلف روضۃ الصفا امیر نظام الدین علی شیر کے متوسلوں سے تھے۔ جو کہ امراء کبار و مقربین دولت گورگانیہ سے تھا۔ اسی امیر کے امر و اشارے سے روضۃ الصفا تحریر ہوئی + ۱۲ منہ

[2] میر جمال الدین عطاء اللہ اور ملا حسین واعظ کہ بادشاہ عالی جاہ سلطان حسین کے عہد سلطنت میں دارالملک ہرات کے سر برآوردہ علماء سے تھے۔ ان کا اعتقاد اہل بیت رسالت سے اور میلان بطرف طریقہ حقہ امامیہ اس درجہ پر تھا۔ کہ مولانا نور اللہ شستری ؒ نے مجالس المومنین میں انکو بزمرہ علماء شیعہ شمار کیا ہے۔ اُس زمانہ کا مقتضا ہی تھا کہ جس نے عبد الرحمان جامی جیسے متعصب سُنّی سے دوازدہ امام کے فضائل و معجزات لکھوائے۔ چنانچہ شواہد النبوۃ جامی اسکی شاہد ہے۔ در حقیقت اس وقت متعصب سُنّی کا ہرات میں گزارہ نہیں ہو سکتا تھا۔ جیسا کہ روضۃ الصفا میں کسی ناصبی مولوی میر مرتاض نامی کے حال میں لکھا ہے کہ کرت ثانی کہ ماہچہ علم زرنگار نواب کامیاب شاہی پر تو وصول بر ولایت خراسان انداخت میر مرتاض بسبب تعصب در مذہب تسنن از ہرات بہ قندھار شتافت۔ و ہم دراں دیار وفات یافت + ۱۲ منہ عفی عنہ۔

شاہ رخ مرزا بہادر والد امیر تیمور گورگاں

روضۃ الصفا میں اس جلیل القدر بادشاہ کو بنام خاقان سعید یاد کرتے ہیں۔ لارڈ کرزن نے امیر کا سب سے چھوٹا بیٹا لکھا ہے۔ حقیقت میں بڑا اولوالعزم۔ بلند ہمت۔ صاحب اقبال فرمانروا تھا۔ ۸۰۷ھ ہجری میں جبکہ تیمور نے داعی اجل کو لبیک اجابت کہا۔ تو اس نے بمقام ہرات جہاں باپ کے زمانے سے حکومت کرتا تھا تاج شاہی سر پر رکھا۔ تیمور کا دارالخلافہ سمرقند تھا اس نے ہرات کو پسند کیا۔ شہر ہرات شاہان قدیم کا آباد کیا ہوا اسکندر ذوالقرنین کے زمانے سے بے رونق پڑا تھا۔ جیسا کہ ذیل کی رباعی سے کہ اس کی شان میں زبان زد خاص و عام ہے ظاہر ہے۔ ؎

لہراسپ نہادہ است شہرے بنیاد۔	گشتاسپ درو بنائے دیگر بنہاد
بہمن پس از و عمارتے دیگر کرد	اسکندر رومیش ہمہ داد بباد

اس کے مبارک عہد میں دوبارہ زندہ ہوا۔ جلال الدین فیروز شاہ ایک شاہرخی افسر مامور ہوا۔ کہ اس کے برج و بارہ کو از سر نو تعمیر و درست کرے۔ دروازہ عالی شان شایاں اس شہر کے بنایا گیا۔ غرض از سر نو تری و تازگی پاکرہ شہر لطافت بہر خیابان گلستان بلکہ غیرت دہ روضۂ رضوان بن گیا۔ چنانچہ کسی ظریف نے اس وقت یہ دوسری رباعی اس کے حق میں چسپاں کی۔ ؎

شام زمستاں خوش ست گلگشت ہرات	بانعرۂ تسبیح و خروش صلوات
خوبانش بتازگی بہ بازار ملک	چوں آب خضر رواں شدہ در ظلمات

غرض اس بادشاہ عالی جاہ نے سات سال زمانہ حیات تیمور میں ملک خراسان کی حکومت کی۔ اور چوالیس سال اس کے بعد اکثر معمورۂ عالم خوارزم۔ خراسان۔ زابل کابل تا اقصائے ہندوستان و ملک ماوراءالنہر ترکستان و ایران و مازندران و طبرستان وغیرہ پر بادشاہ بہیمال رہا بعد ازاں ہشتر سال کا ہو کر ۸۵۱ھ ہجری میں وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ اس کے آثار حمیدہ سے ہے۔ کہ نہایت حسن عقیدت و اخلاص سے پوشش خانہ کعبہ کی اپنی طرف سے روانہ کی۔ یہ پوشش دارالعبادہ یزد میں اس کے حکم سے تیار ہوئی تھی۔ امرائے شاہی اس کو موسم حج میں مکہ معظمہ لیگئے اور وہاں جاکر شاہانہ شان و شکوہ سے خانہ کعبہ پر چڑھائی۔ یہ واقعہ ۸۴۸ھ بادشاہ کی وفات سے

تین سال پہلے کا ہے۔ نیز ایک رصدگاہ عالی کی بنیاد رکھی۔ روضۃ الصفا میں ہے۔ کہ "فرمان عالی نفاذ یافت تا استادان چابکدست رصدے بنا نہادند عمدہ عملہ رصد بطلیموس ثانی خلاصۂ حکمائے یونان مولانا غیاث الدین جمشید و جناب فضائل مآب مولانا نظام الدین کاشی بودند در اندک زمانے در غایت تکلف و تزئین و رصانت باتمام رسید" اسی رصد سے زیج جدید گورگانی مرتب ہوئی جس سے اس زمانے کے منجم تقادیم اور جنتریاں تیار کرتے تھے۔

عجائب المقدور تاریخ تیمور عربی کا مؤلف شہاب الدین احمد دمشقی معروف بابن عرب شاہ لکھتا ہے۔ کہ خاندان چغتائیہ کا عملدر آمد عموماً تورہ (قواعد و قانون) چنگیزیہ پر رہا ہے۔ وہ اس کو شرع شریف محمدیہ پر ترجیح دیتے تھے۔ لیکن کہا گیا ہے۔ کہ میرزا شاہرخ نے تورہ کو ترک کر کے شریعت اسلام رائج کی۔ وَمَا اَظُنُّ لِذٰلِکَ صِحَّۃً فَاِنَّ ذَالِکَ عِنْدَھُم قد صار کالملۃ الصریحۃ والعقیدۃ الصحیحۃ۔ میں اس کو ذرا صحیح گمان نہیں کرتا۔ کیونکہ تورہ چنگیزی ان کے نزدیک ملۃ صریح اور اعتقاد صحیح کی مانند ہو گیا تھا۔ حقیر مؤلف کہتا ہے کہ جس نے کتاب عجائب المقدور کا مطالعہ کیا ہے۔ بخوبی جانتا ہے۔ کہ اس کا مؤلف چغتائی خاندان کا پرلے سرے کا دشمن آتش عصبیت و عناد میں بھنا ہوا تھا۔ اس نے تاریخ نہیں لکھی جلے دل کے پھپھولے توڑے ہیں۔ حاشا کہ جو یہ کتاب تاریخ کہلانے کی مستحق ہو۔ نہ کوئی شخص تاریخ جان کر اس کا مطالعہ کرتا ہے۔ جو کوئی اسے دیکھتا ہوگا۔ ادب و عربیت کے لحاظ سے دیکھتا ہوگا۔ اس کا قول اہل بصائر و ابصار کے نزدیک اصلاً قابل اعتماد اعتبار نہیں۔ اور یہ ظن اس کا ان بعض الظن اثم کے تحت میں داخل ہے۔ بلدۂ ہرات میرزا شاہرخ بہادر کے عہد میں مجمع علمائے اسلام و جہاندہ عظام تھا۔ فریقین کے کملا اس وقت وہاں موجود تھے۔ پس یقیناً احکام شرع شریف جاری اور تورۂ چنگیزی کا قطعاً رواج نہ تھا۔ خود بادشاہ پابند صوم و صلوٰۃ سنن و مستحبات تک کا عامل تھا۔ صاحب روضۃ الصفا ایک معرکۂ جنگ کا حال لکھتے ہوئے کہتا ہے۔ "اما حضرت بادشاہ نیک اعتقاد فرمان داد تا درمیان میدان خرگاہ طہارت خانہ زدند و بجہۃ ادائے نماز چاشت کہ مدۃ العمر از آنجناب فوت نشدہ بود از اسپ گردوں خرام فرود آمدہ بتسکین تمام وضوء کامل ساخت

پیشانی نیاز برزمین اخلاص نہاد" پس جو شخص سُنتی نمازوں کو بھی ترک نہ کرتا ہو۔ وہ تورہ
چنگیز خانی پر کیوں عمل کرلیگا۔ اس کے سوا دیگر مقامات میں اس مؤلف نے سزائے مجرمان
میں اس کے اجزائے احکام کا ذکر کیا ہے۔ عقود نکاح اس خاندان کے سراسر حسب شرع
شریف نبوی منعقد ہوئے تھے۔ اور اموات کے ترکے موجب قواعد میراث الشرعیہ
انقسام پاتے پس اس عربشاہ جیسے متعصب نفوس عصبیت کے پُتلوں شام شوم کے
باشندوں کے کہنے سے کیونکر ان ساری باتوں پر پانی پھیر دیا جائے۔ اور اس کو
تورہ کا عمل پیرا سمجھ لیا جائے +

مذہب

جیسا اُوپر لکھا گیا یہ بادشاہ غلامان غلام اہل بیت اطہار و خاک پائے
سادات کبار تھا۔ لاجرم ویسے مذہب شیعہ رکھتا تھا۔ گو سُنیوں میں
بالاعلان رہنے سے ایسا بے لاگ اور شمشیر برہنہ نہیں تھا۔ جیسے کہ سلاطین صفویہ انار اللہ برہانہم
گذرے ہیں۔ مؤلف روضۃ الصفا باوجودیکہ امیر تیمور کو سُنی بتلانے میں دلیر رہے شاہرخ مرزا
کے مذہب کے ذکر سے جی چُراتا ہے۔ صاف صاف نہیں کہتا۔ کہ وہ شیعہ اثنا عشری تھا۔
ہرچند حقیقت حال کو ان الفاظ میں کہ "حضرت خاقان سعید بنا بر عقیدہ اکثر خاندان طیبین و طاہرین
داشت" بکنایہ پیش کرتا ہے۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ جب اکثر اہل بیت کے عقیدہ پر اس کے
عقیدے کی بنا تھی۔ پھر شیعہ ہونے میں کیا کلام باقی رہا۔ لیکن ہم کو اس مقام پر زیادہ کاوش
ان لوگوں کے شیعہ ثابت کرنے میں نہیں۔ اس بحث کو پہلے سے اس خاندان کے ایک
ذی عزت منبر شاہزادہ حیدر شکوہ کے بیان کے جس کا ذکر عنقریب آتا ہے حوالے کر چکے
ہیں۔ یہاں اصل مقصود کتاب ہذا کا یعنی یہ دکھانا مدنظر ہے۔ کہ ان کے روضہ مبارکہ رضویہ کے
ساتھ ساتھ کیا کیا تعلقات تھے۔ سو اس میں ذرا شک نہیں۔ کہ اس لحاظ سے مرزا شاہرخ بہادر بوجہ

مرزا شاہ رخ کی روضۂ مبارکہ رضویہ سے وابستگی

اپنے پاکیزہ اور راسخ الاعتقادی کے ایک پر جوش
شیعہ سے ذرا کم نہ تھا۔ وہ ایک مرتبہ نہیں بارہا دار الخلافہ سے
بصدق دل شوق زیارت شاہ خراسان میں مشہد مقدس حاضر
ہوتا۔ اور باوجود اس عظیم جاہ و حشم و طبل و علم کے اپنے تئیں کمینہ چاکر اس درگاہ ملائک پناہ کا جانتا

تھا۔ اس نے بار بار اس عتبہ علیہ پر ناصیہ سا ہونے کی خاطر آتے رہنے کے خیال سے شرقی
مشہد میں ایک بے نظیر باغ لگایا۔ اور اس میں عمارت عالی اپنے منزل و مقام کے لئے
تعمیر کی جو سالہا سال اس کے اور اس کے اولاد و احفاد کے اس مصرف میں آتی رہی۔ اس
فرودگاہ شاہی کے تیار ہو جانے پر جب مشہد میں حاضر ہونے کا عزم ہوتا۔ تو پہلے اس جگہ
ٹھیر کر باقاعدہ غسل و طہارت بجالاتا۔ پھر بقدم ارادت حاضر درگاہ ملائک پناہ ہوتا۔ روضۃ الصفا
میں ۸۲۰ھ کے واقعات میں "ذکر رفتن خاقان سعید بمشہد مقدس و معاودت بہرات" کی سُرخی
کے نیچے لکھتے ہیں "ازبسکہ بادشاہ کو اہل بیت طاہرینؑ بکمال عقیدت و خلوص تھا۔ مشہد
مقدس جانے اور شرائط زیارت سلطان العرب والعجم علیؑ بن موسی الرضاؑ بجالانے کا عزم
بالجزم کیا۔ اور بارادت کامل رکاب نصرت انتساب میں پاؤں رکھ کر اس طرف روانہ ہوئے۔
بعد قطع منازل و طے مراحل جب اس مقدس مقام میں باریاب ہوئے۔ تو شرف زیارت
آنجنابؑ سے مشرف ہو کر بہت سا انعام و اکرام و خیرات و مبرات خدمہ و مجاورین روضۂ
مقدسہ کو عطا کیا۔ اور ایک قندیل طلائی جس پر تاریخ پانچ سو مثقال طلا خرچ ہوا تھا۔ اور
بحکم مہد علیا و ستر کبرے گوہر شاد آغا بیگم تیار ہوا تھا۔ حکم عالی نافذ ہوا۔ کہ اس کو گنبد
مرقد منور میں آویزاں کریں۔ نیز مہد علیا نے پہلے سے جوار روضۂ عرش رتبہ میں ایک مسجد
عالی شان رفیع البنیان کی بنیاد رکھی تھی۔ اس وقت وہ عمارت قریب باتمام پہنچی۔ حضور
اشرف نے اس کا معائنہ کیا۔ اور تکلف و تزئین اس عمارت نے مثل و قرین کی۔ دل پسند
بادشاہ ارجمند ہو کر اس کی مدح میں رطب اللسان ہوئے۔ خود حضرت اقدس نے ہنگام قیام
اس بلدۂ مبارکہ کے قصد کیا۔ کہ بجانب مشرقی شہر ایک چار باغ بے نظیر و انباغ بنایا جائے
اور صناعوں اور چابکدست معماروں نے بہت جلد اس ارادہ کو پورا کیا۔ چنانچہ دائرہ دولت
ابھی مراجعت فرمائے دار الخلافہ ہوا تھا۔ کہ چند ہی روز میں وہ بناء عالی حسب دلخواہ بن کر
تیار ہو گئی۔ غرض و غایت اس کی یہ تھی۔ کہ جب موکب شاہی اس مقام میمنت فرجام پہنچے
تو جائے نزول و آرام یہاں آمادہ رہے" دوسرے مقام پر "توجہ بادشاہ جہانگیر بجانب
مشہد مقدس و منور حضرت امام رضاؑ" کی سُرخی کے تلے کہتے ہیں۔ کہ "جب آفتاب عالمتاب نے

لائے عظمت وشوکت اپنے بیت الشرف کی طرف بلند کیا۔ یعنی برج حمل میں داخل ہؤا۔ تو عین موسم بہار میں ضمیر خورشید نظیر بادشاہ جہانگیر اس کا مقتضی ہؤا۔ کہ ایام عید الضحٰے میں زیارت مزار متبرکہ حضرت رضویہ سے جس کا ثواب حج نافلہ کے ثواب سے بڑھ کر جانتے تھے مشرف ہوں۔ اس عزم کے پورا کرنے کو نہم ماہ ذی القعدہ کو موکب ہمایوں دار الخلافہ ہرات سے کوچ کیا۔ اور شہر مشہد مقدس میں پہنچ کر پہلے زیارت امام الانس و الجن علی بن موسےٰ کی زیر انعام واکرام سے محتاجین شہر و خادمان و مجاوران کو مالامال کر دیا بعد ازاں مراجعت فرمائے مستقر الخلافہ ہوئے +

اور سنہ آٹھ سو بیالیس ۸۴۲ کے واقعات میں لکھتے ہیں۔ سنہ اثنے واربعین وثمانمانہ میں حضرت اعلائے خاقانی بکمال عز وتمکین پانچویں ربیع الثانی کو بعزم زیارت سلطان خراسان متوجہ شہر مقدس ہوئے۔ اور غلغلہ نہضت ہمایوں چار دانگ عالم میں مشہور ہوگیا۔ طے مسافت کے بعد منزل مقصود پر پہنچے۔ تو چار باغ شرقی شہر میں کہ اس حضرت کا اپنا تعمیر کیا ہؤا ہے نزول اجلال ہوا۔ دوسرے دن آستانہ متبرکہ پر جاکر مرقد منورہ اس امام پاک و پاکیزہ کو بوسہ دیا۔ اور سادات و مجاوران کو اپنے انعام و احسان سے مسرور و شادمان فرما کر واپس باغ میں آئے۔ اور وہاں سے عنان عزیمت دار السلطنت کی طرف منعطف ہوئی +

ان مواقع کے سوا پانچ چھ مرتبہ اور اس شہریار کامگار کا شرفیاب ہونا اس مؤلف نے اپنی تاریخ میں درج کیا ہے۔ سواء باغ و مسجد کے خود روضۂ مبارکہ کی تجدید و تعمیر اس کے عہد میں ہوئی۔ و دیگر عمارات بھی جوار روضہ میں اس سے یادگار رہیں۔ از انجملہ ایک عمارت عالی شان گنبد دار بنائی۔ جس میں ثانی الحال ۸۶۱ھ میں اس کا پوتا ابو القاسم مرزا بابر بن باسنقر بن شاہرخ دفن ہؤا۔ یہ شاہزادہ دس سال کامل استرآباد میں حاکم رہا تھا۔ اور سات سال آخر میں اس کا فرمان تمام ممالک خراسان میں نافذ تھا۔ وہ ظہیر الدین محمد بابر بیدر ہمایوں بادشاہ کے جو آخر میں ہندوستان کی وسیع مملکت پر قابض ہوگیا مادرانہ ہے +

اور ایک عظیم کتبخانہ اس بادشاہ نے مشہد میں بنا کیا۔ جو آج تک وہاں موجود ہے۔ اس کتاب خانے کا مزید حال ہم آئندہ اس کتاب میں لکھینگے +

عید الاضحیٰ

گوہر شاد آغا بیگم

زوجہ سلطان سعید مرزا شاہرخ بیگمات شاہی میں ہر دی فہم و فراست وحسن وجاہت ممتاز بنابریں کمال اقتدار وجاہ و حشمت سے بسر کرتی تھی۔ پسر اکبر بادشاہ اُلغ مرزا والی ماوراء النہر اور مرزا غیاث الدین بایسنقر و مرزا محمد جوگی بہادر اس ملکہ کے بطن سے تھے۔ بہت سے نیک آثار اس فراخ حوصلہ خجستہ اطوار خاتون سے صفحہ روزگار پر یادگار رہے ہے۔ جابجا بے نظیر درسگاہیں تعمیر کیں۔ ایک ان میں سے مدرسہ عالیہ دار الخلافہ ہرات کا شہرۂ آفاق ہے۔ جس میں اس کا لخت جگر مرزا بایسنقر اور بعد ازاں خود شہنشاہ سعید شاہرخ مرزا دفن ہؤا۔ بلکہ اس مقام میمنت التیام کو متبرک جان کر شاہی خاندان کے اکثر ممبر اس میں دفن ہوئے۔ کہ ایک مدرسہ اس کا بنا کردہ بلدۂ سمرقند میں ہے۔ جس کی نسبت روضۃ الصفا میں لکھا ہے "در سنہ مذکور یعنی ۸۳۶ھ مدرسہ رفیع و عمارت منیع کہ بامر مہد علیا گوہر شاد آغا در شمالی تراب کہ بر سر پل نخیل طرح انداختہ بود باتمام رسید شرح تزئین واستحکام آں بقعہ شریفہ بتحریر راست نیاید مگر برائے العین مشاہدہ افتد"۔

ازاں جملہ مسجد عالی شان شامخ البنیان مشہد کی اس کی بنائی ہوئی ہے۔ کہ روضۂ مقدسہ کے جنوب کی طرف کھڑی اپنی شکوہ وشوکت دکھا رہی ہے۔ اور مدتہائے دراز تک اپنے بانیہ کا نام نامی السنۂ خلائق پر دائر سائر رکھیگی۔ اور اُس کے نامۂ اعمال کو ثوابہائے بیحساب سے معمور کرتی رہیگی۔ درحقیقت بہت بڑا کام کیا ہے۔ اور عمدہ باقیات الصالحات چھوڑی ہے۔ اس کا حال بھی آئندہ رسالہ ہذا میں اپنے موقعہ پر درج ہوگا۔

اور تحفہ رضویہ میں بعض کتب معتبرہ سے نقل کیا ہے۔ کہ جب شاہرخ مرزا ہرات میں تخت نشین ہؤا۔ تو اس کی زوجہ گوہر شاد آغا بیگم نے اپنے فرزند ارجمند بایسنقر مرزا کو مشہد میں بھیجا۔ کہ روضۂ منورہ کی تعمیر کرائے۔ اور دار الحفاظ (مکان برائے حافظان قران ونگہبانان) و دار السیادۃ بنائے۔ اور مسجد بنا کی۔ جو نہایت استحکام میں اتمام کو پہنچی۔ اور مسجد و درگاہ کے لئے خدام مقرر کئے۔ ان کے اخراجات کے لئے اوقاف تعین فرمائے۔ انتہی۔ افسوس کہ اس بانوئے فرخندہ خصال کا یہ ہونہار نونہال اپنی طبعی عمر کو نہ پہنچا۔ اور عین عالم شباب

میں ۲۳ سال ۶ مہینے کی عمر پاکر رہگرائے عالم باقی ہوا۔ اور داغ حسرت و افسوس اپنے رفیع المرتبت والدین کے دلوں پر چھوڑ گیا۔ بادشاہ اس فرزند کے غم جانکاہ میں سخت پریشان و مضطرب ہوا۔ شہر ہرات میں کہرام مچ گیا۔ ہر خاص و عام نے سیاہ ماتمی لباس پہنا۔ تابوت اٹھا۔ تو باغ سفید سے مدرسہ یعنی جائے دفن تک دو طرفہ لوگ صف بستہ کھڑے تھے۔ آدمیوں کا انبوہ اس قدر تھا۔ کہ اس سے پہلے کبھی دیکھا نہ گیا تھا۔ امراو ارکان دولت جنازے کو ہاتھوں ہاتھ لائے۔ اور بزیر گنبد عالی مدرسہ میں اس گنج خوبی کو تہ خاک پنہاں کیا۔ تاریخ وفات اس طرح ہوئی۔

سلطان سعید بایسنقر خرّم	گفتا کہ بگو باہل عالم خرّم
من رفتم و تاریخ وفاتم این شد	بادا بجہاں عمر دراز پدرم

(روضۃ الصفا)

مدرسہ امیر صیدی

قاعدہ ہے۔ جس امر کی طرف شاہان و سلاطین متوجہ ہوتے ہیں۔ تو امیر وزیر حتےٰ کہ عام رعایا تک کو اس کا شوق پیدا ہو جاتا ہے اسی سے کہا گیا ہے۔ الناس علےٰ دین ملوکھم۔ کہ لوگوں کا وہی طریق ہوتا ہے جو ان کے بادشاہوں کا۔ اس قاعدہ کے بموجب جب بادشاہ تہ دل سے روضۂ منوّرہ امام انام پر حاضر ہونا ذریعہ نجات جانتے اور وہاں روپیہ بکھیرتے اور عمارتیں بناتے۔ تو امراء و ارکان دولت کو بھی ضرور اس کا شوق پیدا ہوا ہوگا۔ اور نہ معلوم کس قدر عمارات رفیعہ ان لوگوں نے بنائی ہونگی۔ جن کا آج پتہ لگانا مشکل ہے۔ روضۃ الصفا میں صرف ایک مدرسہ امیر صیدی کا مذکور آگیا ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ شیخ ابوالخیر سلطان کی طرف سے ملک فارس کا فرمانروا تھا۔ جب وہاں سے اس کے جور و ستم کی شکایات پیہم پہنچیں۔ تو بادشاہ دادگر نے امیر صیدی کو کہ امراء باحشمت سے صاحب کمال ضبط و سیاست تھا اس ملک کا حاکم مقرر کرکے بھیجا۔ مگر اس کی عمر نے وفا نہ کی۔ وہاں پہنچ کر تھوڑے ہی دنوں میں جاں بحق ہوا۔ اس کی لاش کو شیراز سے خراسان لائے۔ اور اس مدرسہ کے گنبد میں جو اس نے مشہد مقدس میں بجوار روضۂ منوّرہ بنایا تھا دفن کیا۔

ابوالغازی سلطان حسین مرزا بالقرے

سلطان حسین بن غیاث الدین

منصور بن امیر زادہ بالقرا ابن مرزا عمر شیخ بہادر بن امیر تیمور گورگان خاندان تیموریہ کا جنہوں
نے ممکت خراسان و مایلیہا پر حکمرانی کی۔ آخری تاجدار بنے۔ کیونکہ اس کی اولاد اس کے بعد
یہ وسیع و عریض سلطنت سنبھال نہیں سکی۔ شیبانی خاں ازبک اس تاج و تخت پر قابض
ہوگیا۔ اور جن ہاتھوں سے چغتائی خاندان نے ملک لیا تھا۔ انہیں کو واپس کرنا پڑا۔

چنانکہ دست بدست آمدست ملک بما
بدستہائے دگر ہمچنیں نخواہد رفت

سلطان حسین ہنر پرور۔ عادل۔ فرمانروا گزرا ہے۔ وہ استحکام سلطنت و جاہ و حشمت
میں سلاطین کبار و خواقین عالیمقدار سے گوئے سبقت لے گیا تھا۔ علم و ہنر کا بہت بڑا
قدردان تھا۔ لہذا اس کا دربار ہر قسم کے کملا۔ علما۔ ادبا۔ و حکما وغیرہ سے لبریز رہتا۔
قریب چالیس سال بڑے جاہ و جلال و عزت و اقبال سے بادشاہی کی۔ وہ اہل بیت اطہار
احمد مختار صلوات اللہ علیہم کا مخلص نیاز مند تھا۔ لہذا تخت پر بیٹھتے ہی بتقاضائے درد دین
چاہا کہ خالص اسلام یعنی مذہب ائمہ اثنی عشر علیہم السلام کو ملک میں رواج دے۔ لہذا
حکم دیا۔ کہ بجائے خلفائے ثلاثہ کے ناموں کے خطبہ میں ائمہ دوازدہ گانہ کے اسمائے
مبارکہ داخل کئے جائیں۔ اور انہی کے نام کا سکّہ لگایا جائے۔ لیکن اس پر وہی اثر مترتب
ہوا۔ جو ماموں کے عہد میں معاویہ سے بیزاری کے اعلان پر اور موفق باللہ کے حکم سے
تبرائے شیخین کی ترویج پر ہوا تھا۔ خلفاء کے شیدائی اور سنیت کے دلدادہ ایک سرے
سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور وہ شور و غل مچایا۔ کہ الٰہی توبہ۔ الغرض جیسا کہ حضرت
امیر المومنینؑ کو اپنے عہد خلافت میں تراویح جیسے بدعت کے جاری رہنے پر بناچاری
صبر کرنا پڑا تھا۔ ویسا ہی اس نیک طینت بادشاہ کو غیر مرضی و ناپسندیدہ مذہب کے جاری
رکھنے پر صبر کرنا پڑا۔ مؤلف روضۃ الصفا کہتا ہے۔ کہ خاقان منصور پیوستہ محبت اہل بیت
رسالت کہ مورد آیہ طہارت اند در دل استواری داشت و غیر نقش محبت و مودت عترت
طاہرہ خاتم النبیین صلوات اللہ علیہم اجمعین خاتم دل نمی نگاشت۔ مراد یہ کہ ایرے غیرے
زید۔ عمر۔ بکر وغیرہ سے برات و بیزاری رکھتا تھا۔ پھر ذرا آگے چل کر اس مجبوری کا ذکر

ہوئے گنتا ہے۔ کہ علماء حنفیہ نے کہ دارالخلافہ ہرات میں تھے بادشاہ کو اس مذہب کے اجراء سے روکا۔ چونکہ محل مقتضی عدم قبول ملتمس آں جماعت نبود۔ روز عید فطر خطیب بدستور پیشتر زبان بقرات خطبہ شود۔ مدعا یہ کہ خطبہ بیجہ ائمہ اثنا عشر کے نام کا تھوڑے عرصہ جاری رہکر بند ہوا۔ مصنف تحفہ رضویہ بعد ذکر خدمات مرزا شاہرخ اور اس کی بیگم گوہر شاد کے کہ نسبت روضۂ مقدسہ کے بجالائے۔ اور پیشتر ان کا ذکر ہوا لکھتے ہیں "وبعد ازاں سلطان حسین مرزا بایقرا باضعاف عمارات وازدیاد وظائف وموقوفات قیام نمود" افسوس آج ہمکو ان وظائف وموقوفات کا حال معلوم نہیں۔ کہ اس بادشاہ نے روضۂ مقدسہ کے اخراجات کے لئے مقرر کئے تھے علےٰ ہذا اس کی بنائی ہوئی عمارات کا بھی پتہ نہیں لگتا۔ صرف لارڈ کرزن اپنے سفرنامہ میں مسجد گوہر شاد آغا کے ذکر میں اتنا لکھتے ہیں۔ کہ فریزر صاحب نے اس مسجد کو کہ بلحاظ خوشنمائی وعظمت وشان ایران کی تمام مساجد پر فوقیت دی ہے۔ دیکھا۔ کہ اس کے جنوبی ایوان پر ایک کتبہ درج ہے۔ جس میں لکھا ہے۔ کہ شاہ سلطان حسین نے سنہ ۱۰۸۷[1] ہجری میں اسے از سر نو بنوایا +

مؤرخ روضۃ الصفا چند بار اس کا اس بقعہ عنبر آگین میں زیارت کو آنا اور بہت کچھ نذر و نیاز کرنا اپنے موقعہ پر درج کرتا ہے۔ چونکہ اس کی نقل میں کوئی فائدہ زائدہ نہیں تھا۔ اس کو ترک کر کے ایک اور قصہ کہ اس نیک نہاد سلطان کی خوش اعتقادی پر دال ہے۔ کتاب مذکور سے نقل کرتے ہیں۔ وہو ہذا +

سلطان حسین کا مزار امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام بنوانا

سنہ ۸۷۸ھ میں جبکہ مرزا بایقرا قبۃ الاسلام بلخ میں حاکم تھا۔ ایک واقعۂ عجیب بر روئے کار آیا۔ شیخ شمس الدین محمد جس کا سلسلہ نسب ابو یزید بسطامی تک پہنچتا ہے بمقام بلخ حاضر ہوا۔ اور ایک کتاب

[1] یہ لاٹ صاحب کی اغلاط سے ہے یا مسٹر فریزر کی جس سے آپنے نوٹ مذکورہ بالا نقل کیا ہے کہ بجائے ۸۸۷ھ کے سنہ ۱۰۸۷ لکھے ہیں۔ کیونکہ وفات سلطان حسین مرزا کی سنہ ۹۱۱ھ میں ہوئی۔ تو کیا سنہ ۱۰۸۷ھ میں وہ مرنے کے پونے دوسو برس بعد ایوان مسجد گوہر شاد کے بنانے کے لئے دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں آئے تھے + ۱۲ منہ

تاریخ کی شاہ سنجر سلجوقی کے زمانے کی لکھی ہوئی پیش کی۔ اس میں درج تھا۔ کہ بلخ سے
چند فرسخ کے فاصلے پر مرقد مبارک سید الاوصیاء امام الاتقیاء امیر المومنین علی مرتضیٰ
خواجہ خیزاں میں فلاں مقام پر ہے۔ مرزا بایقرا معہ ارکان دولت و امراء اس قریہ میں گیا
اور مکان معیّن پر پہنچ کر دیکھا۔ کہ ایک گنبد پہلے سے بنا ہوا ہے۔ اس کے اندر قبر
تھی۔ حکم دیا۔ کہ اس کو حفر کریں۔ تو ایک تختی سنگ سفید کی اس میں سے برآمد ہوئی۔ جس پر
یہ عبارت نقش تھی۔ ھذا قبر اسد اللہ الغالب اخ رسول اللہ علی ولی اللہ۔ یہ دیکھ کر
حاضرین سے شور گریہ و فغاں سر بر آسمان اُٹھا۔ سجدات شکر بدرگاہ خداوند کبریا ادا
گئے۔ اور بہت سا مال و زر اہل استحقاق و فقراء و مساکین پر خیرات ہوا۔ یہ خبر مشہور آفاق
ہوئی۔ تو اطراف و اکناف عالم سے خلائق اس بابرکت مقام کی زیارت کو آکر کامیاب مراد
ہونے لگے۔ لاجرم اس قدر ہجوم مردم اس قریہ میں ہوا۔ کہ اس سے زیادہ متصور نہ تھا
اور اتنا نقد و جنس نذر و نیاز کا وہاں چڑھایا گیا۔ کہ عقل اس کے اندازہ و شمار سے عاجز آئی
اس وقت مرزا بایقرا نے ایک عریضہ بدرگاہ شاہ سلطان حسین ارسال کر کے حقیقت حال
معروض کی۔ بادشاہ یہ عجیب و غریب واقعہ معلوم کر کے ارکان دولت و اعیان حضرت
کے ساتھ وہاں آیا۔ اور مراسم اخلاص و نیازمندی بجا لایا۔ پس حکم دیا۔ کہ ایک رفیع و
عریض گنبد اس پر بنا کریں۔ اور اس کے ہر چہار طرف ایوان و مکانات تعمیر کرائے۔
اور اس قریہ میں ایک بازار بہت سی دوکانوں کا اور ایک گرمابہ تیار ہوا۔ اور انہار بلخ سے
ایک نہر جو اب نہر شاہی کے نام سے مشہور ہے۔ اس پر وقف کی۔ اور نقابت
اس آستان عالی مکان کی سید تاج الدین اندخودی کو کہ سید برکت کے
اقرباء سے تھے۔ اور ہمت عالی اور رتبہ سامی رکھتے تھے۔ اور منصب
شیخی شیخزادہ بسطامی کو عنایت کیا۔ اور نقباء و خدام کے لئے اوقاف
مقرر کر کے مراجعت فرمائے دار الخلافہ ہوئے ✦

انتخاب رسالۂ شوکت حیدریہ دربارۂ تشیّع تیمور و خاندان تیمور

باعث تحریر رسالہ ہذا یہ ہے۔ کہ سنہ ۱۲۷۰ ہجری میں سراج الدین ابو ظفر دہلی کے آخری بادشاہ گورگانی نے ایک شب ایک خواب صحیح و رویاء صادقہ دیکھا۔ اس کے اثر سے دشمنان دین سے تبرّا کیا۔ اور محبّت اہل بیت اطہارؑ کو دل میں استوار کر کے مذہب شیعہ اختیار کر لیا پس قصد کیا۔ کہ قلعہ معلّےٰ میں ایک تعزیہ خانہ (امام باڑہ) تعمیر کیا جائے۔ اور دو علم بنام اشرف الناس حضرت ابو الفضل العبّاسؑ تیار کرائے۔ اور مؤلف رسالہ مرزا حیدر شکوہ کو کہ شاہی خاندان سے معروف بہ تشیّع و مقیم کلکتہ تھے تمام کیفیت لکھ کر اپنے پاس بلوایا۔ حاضر ہوئے۔ تو اعلام مذکورہ ان کو دے کر کہا۔ کہ لکھنؤ لیجا کر مجتہد العصر سلطان العلما مولانا السیّد محمد طاب ثراہ کی خدمت میں گزرانیں۔ اور خود جناب اجتہاد مآب کو عریضہ مشتمل بر ترک سنّیت و اختیار تشیّع لکھ کر التماس کیا۔ کہ ان علموں کو اپنے دست مبارک سے درگاہ عبّاسؑ واقعہ لکھنؤ میں چڑھا دیں۔ قبلہ و کعبہ نے بڑی خوشی سے اس حکم شاہی کی تعمیل فرمائی۔ اور بڑے تزک و احتشام سے اعلام کو مقام مذکور میں پہنچایا۔ اور ساتھ ہی بادشاہ کے شیعہ ہونے کا اعلان فرمایا۔ پس یہ خبر مشہور دیار و امصار ہو کر دہلی پہنچی۔ تو نواصب[1] دہلی وارا جیف و عوام میں ایک شور و غلغلہ اٹھا۔ کہ بادشاہ مذہب سنّت جماعت کو چھوڑ کر رافضی ہو گیا ہے۔ اس کا نام خطبہ سے نکال دو۔ نیز قصد کیا۔ کہ بہیئت اجتماعی جا کر بلوہ کریں۔ بادشاہ نے یہ وحشتناک اخبار سن کر سپر تقیّہ سر پر لی۔ اور ارسال اعلام و تحریر خطوط سے انکار کیا۔ اس وقت یہ

---

[1] اسی زمانے میں شیخ امام بخش صہبائی ناصبی دہلوی نے ایک مثنوی مسمی دمغ الباطل لکھ کر شیعوں پر اپنا بخار دلی نکالا۔ اس کا جواب مولانا مفتی السیّد محمد عباس شوشتری لکھنوی نے دندان شکن دیا۔ اس مثنوی کا نام خطاب فاضل ہے۔ جو قابل دید ارباب الباب ہے ۱۲ منہ عفی عنہ۔

مواد فاسد شاہزادہ ممدوح کی طرف رجوع ہؤا۔ اس جناب کو کذب و اختلاق سے منسوب
کیا۔ ناچار انہوں نے حقیقت حال کو بصورت رسالہ ہذا لکھ کر مطبع شمسی کلکتہ میں چھپوایا
اس میں تمام حال پوست کندہ مع نقل خطوط شاہی درج کی۔ اور تمام سلاطین تیموریہ کا شیعہ
ہونا بدلائل ثابت کیا ہے۔ ہم تھوڑا سا اس سے یہاں درج کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں
"محتجب نماند۔ کہ مذہب جملہ سلاطین تیموریہ رحمہم اللہ اثنا عشریہ بودہ بسبب مصالح ملکی در
تقیہ ماندہ" دوسری جگہ کہتے ہیں "قطب الدین محمد بہادر شاہ غازی چہل نصیحت برائے
ملکداری بطور دستور العمل و قانون نوشتہ۔ اوّل آنکہ سلاطین نامدار را لازم است۔ کہ برائے
تالیف قلوب سپاہ بتقیہ عمل نمایند۔ لیکن عقیدۂ خود را بمذہب حقہ اثنا عشری پاک و
صاف دارند۔ و بر محبت آل محمدؐ ثابت و راسخ باشند۔ چنانچہ از امیر تیمور تا این نیازمند
درگاہ الٰہی ہمہ بمذہب حق بکمال اعتقاد مستقیم ماندہ ایم" ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔
"چوں آفتاب عالمتاب روشن و ہویدا است۔ کہ جملہ سلاطین تیموریہ ازدواج کثیرہ داشتند
و از بطون آنہا اولاد بہم رسیدہ بمرتبہ اعلائے سلطنت فائز شدہ اند و کسے بر چار زن
اکتفا نہ کردہ۔ تا اینکہ این بادشاہ جم جاہ[1] (ابو ظفر بہادر شاہ) باوجود عدم استطاعت پنجاہ
مشکوئے خاص داخل شبستان دارد۔ و حال پرہیزگاری سلاطین نیز واضح و لائح است
کہ اکثر اینہا محاصل ملک را ہم در صرف خاص نیاوردہ و صرف مایحتاج خود از کدید فرمودہ
اند پس چگونہ از ارتکاب زنا کردہ باشند پس غیر ممکن است۔ کہ کثرت ازدواج اختیار نمودہ
باشند۔ و متعہ بغیر اختیار مذہب تشیع محال است" تیمور کے تشیع کے اثبات
میں لکھتے ہیں +

چنانچہ آتش دادن شہر دمشق و قتل عام اہل شام بعوض شہادت گلگوں قبا خامس آل
عبا حضرت سید الشہدا علیہ التحیۃ والثنا کہ از حضرت صاحبقران بظہور آمدہ شرح آں در

---

[1] معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابو ظفر بادشاہ خاندانی طریقہ کے موافق مجمل طور سے پہلے سے شیعہ تھا۔ اسی کے بموجب
ازدواج متعددہ محل میں رکھتا تھا۔ پھر مذکورہ بالا خواب دیکھ کر از سر نو تجدید عقاید کر کے بے تقیہ شیعہ ہونا چاہتا تھا۔ کہ
غلبہ نواصب سے باز رہا۔ ولیست ہذہ باول قارورۃ کسرت فی الاسلام + ۱۲ منہ

توزک آنحضرت نوشتہ است۔ پس درایں صورت آنحضرت را کہ در محبت حضرات
ائمہ علیہم السلام ایں قدر غلو داشتہ باشند۔ کہ حاضرین اہل شام را بجرم سابقین نافرجام
تصور نمودہ۔ قتل عام فرمودند۔ و علم بیضا را تائید داشتند و اجرا رسم تعزیہ داری فرمودند۔ چگونہ
سُنی مذہب تواں گفت۔ سنیاں رسم تعزیہ داری را بدعت و کفر میدانند۔ اگر ایں زمان سلطنت آنحضرت
بُدے۔ بالیقین شہر دہلی را مثل دمشق قتل عام میفرمودند و آتش میدادند و تمامی خوارج و نواصب
را بگستاخی بدعت گفتن علم و تعزیہ داری مثل شام قتل عام میفرمودند و از سرہائے بے مغزاں
کلہ منارہا میساختند۔ دوسرے مقام پر خلاصہ تزک تیموری کے طور پر کہتے ہیں۔ کہ در ۸۷۷ھ کہ
عمر من بسی و پنج سالگی رسیدہ بود ساحت توران زمین از خس و خاشاک جور از بکیہ پاک ساختم
و بر سریر سلطنت ماوراء النہر متمکن شدہ خطبہ بر منابر خواندہ شدہ در آں وقت مشائخ و علماء
و فقراء دست بدعا من برداشتند۔ خواجہ عبیداللہ کہ مقتداء وقت و سُنی مذہب بود ایشاں را
منع کرد۔ کہ ایں ترک خونخوار چندیں ہزار مسلمانان را کشتہ چرا دعا می کنند۔ شب پیغمبر را در
خواب دید۔ کہ من در پیش آنحضرت ؐ استادہ ام۔ و خواجہ عبیداللہ اندر در سلام میکند و
جواب سلام نمی یابد و در مرتبہ دوم ہم جواب سلام نمی یابد۔ آخر بفریاد برآمد یا رسول اللہ تیمور کہ
کہ چندیں ہزار اُمت شمارا قتل رسانید و خانہاء اہل اسلام را خراب کرد مقرب ایستادہ
و من در دین شما اجتہادات کردہ شریعت شمارا ازواج دادہ ام سلامم قبول نمیکنی آنحضرت
از روئے عتاب فرمود۔ اگرچہ تیمور بسیار بد کردہ و اُمت مرا بقتل آوردہ۔ لیکن مرا و ذریت
مرا دوست داشتہ و نصرت دادہ تعظیم و احترام ایشاں بجا آوردہ۔ تو چرا منع دعا و فاتحہ
کردی۔ خواجہ عبیداللہ بیدار شدہ۔ شبا شبت پیش من آمدہ عذر خواست ایں خبر شنیدہ خاص
و عام دست بدعا برداشتند و ایدہ اللہ گفتند و من بشکرانہ ایں عطیہ در احترام و تعظیم
آل محمدؐ و محبت ایشاں بیشتر سعی کردم۔ و از جملہ تائیداتیکہ بداں مؤید شدم یکے آں بود کہ
در سنہ ہشتصد و چہار در ملک روم چار صد ہزار سوار قیصر فوج بستہ روبروئے من شدمن
ہم صف آرائی می کردم و راست و چپ افواج نظر می انداختم در آں وقت دیدم کہ فوج
از جانب عراق از سادات کربلا و نجف و انال ہر حم کہ سردار ایشاں سید محمد مصباح بود۔

بمدد من آمده - علم سفیدے ہمراہ میبداشت من امر باحضار آں جماعت کردم و آمدن
را بر خود شگون گرفتم سیّد محمد علمدار بعرض رسانید - کہ جناب اسد اللّٰہ الغالبؑ را بخواب
دیدم - فرمود کہ علم بیضا را باخ ترک رسانید - اصحاب نجف گفتند - کہ اخ ترک تیمور ست
کہ بردم لشکر کشیده من ضلالے تعالٰے را شکر کردم و دریں وقت علماء رکاب من بشارت
دادند کہ در قرآن مجید واقع ست - الٓمٓ غُلبت الروم فی ادنی الارض - یعنی مغلوب گردند
رومیاں در ادنائے ارض و ادنائے لفظ ارض ضاد است و ضاد ملفوظی بحساب ابجد
هشت صد و پنج است ~~٨٠٥ھ~~ و من آں وقت خود را مؤید من اللّٰہ یافتم ہم دریں وقت یکے تیمور
از قشوں خود آمده فتح مبارکباد گفت من لفظ فتح را بفال گرفتم و علم بیضا را بوے سپردم - کہ
رفتہ جنگ اندازند - چوں وے را نظر بعلم افتاده رقّت کرد و روانہ کارزار شد - بشارت
دیگر اینکہ حضرت رسول خداؐ را در خواب دیدم - کہ بداں نصرتیکہ تو اولاد مرا دادی - اللّٰہ تعالٰی
بتو ہفتاد و بطن از اولاد تو بسلطنت ارزانی داشت و ہفتاد عدد خرما بمن عنایت فرمودند
و بہ ولائے اہل بیتؑ خود تاکید فرمودند - چوں بیدار شدم دامن خود را از خورما پُر یافتم از آثار
ایں خواب است کہ سی و ہفت تن از اولاد خود را سلطنت و حکومت دادم و بہر یک تختگاہے
از بست و چار تختگاه کہ مسخر من شده بود - ارزانی داشتم و ایں معنی ہیچ کس را از سلاطین میسر
نشده بود و مؤید علم بیضا بود کہ ملک روم مسخر من شد در زمین کوفہ مرا خبر دادند کہ اینجا فرزند
دلبند رسول خداؐ ابا عبد اللّٰہ الحسین را سپاه کوفہ و شام بہ حکم یزید شہید کردند - زیارت آں
مرقد نمودم اہالی آنجا خاک کربلا ہدیہ بمن آوردند بر سر و چشم نہادم و از زیارت آں امام معصوم
چناں رقّت بر من مستولی شد - کہ یک شبانہ روز کامل از امورات لشکر و تورهٔ سلطنت خبر نداشتم
و ہرگز بمفارقت آں جایگہ راضی نبودم حتّٰی اگر امراء رکاب بانواع حکایات تکلیف مفارقت
آں بقعہ دادند - اہل کربلا برائے تسکین زیارت ہر روزه من ضریح از خاک شفا ساختہ بمن
دادند - از ملاحظہ آں باز رقّت بر من دست داد و از وفور گریہ بر من غش طاری شد و ہنگام شب
و روز گریہ و فغاں از آں ضریح مبارک بوقوع آمده - چنانچہ ہر کسے آواز شنید بے طاقت و بیہوش
گردید - بوجہ ظہور معجزه و کرامت آں ضریح را ضریح معجزه موسوم کردم و در سفر و حضر با خود داشتم

در اوّل عشرہ محرم دہ روز ضریح مبارک را در خرگاہے ہمراہ سیّد مدنی تعزیہ می نمودم۔ دیگر از حرّ خبر دادند کہ از جملہ شہداء حر از گنج شہیداں علیحدہ مدفون است بر بازوئے آں سعید جناب امام حسینؑ رومال فاطمہؑ بستہ اند۔ بعض امرا معروض نمودند کہ نبش قبر نمودہ۔ رومال فاطمہ علیہا السّلام تبرّکاً حاصل نمایند۔ من از علما فتوے خواستم۔ ہمہ نبش را حرام گفتند۔ نیز خلاف ادب دانستہ جرأت نکردم۔ سیّد مدنی ملا حسن عرض رسانید۔ کہ در مدینہ منوّرہ در خانہ زید ہاشمی روائیست کہ حاصل آں از رشتہ از دست مبارک حضرت فاطمہؑ است در جسم آں حروف ظاہر است مرا شوق دامن گیر شد و حاکم مدینہ را فرماں رفت زید ہاشمی معہ ردا ر حاضر شد فی الواقع حروف درمیاں نمایاں بود از معائنہ آں رقّت دست داد آنرا بر سر خود پیچیدم و از یمن و برکت آں دیدم آنچہ دیدم ٭

دودمان عالیہ صفویّہ

چونکہ اس قبیلہ جلیلہ نے مذہب حقہ امامیہ اثنا عشریہ کو بلاد ایران میں رواج بخشا۔ نیز یہ لوگ اپنی حکومت کے زمانے میں روضۂ مبارکہ رضویّہ علےٰ صاجبہا التسلیم والتحیۃ کی خدمت بجان و دل بجالاتے رہے۔ لہٰذا اگر رسالہ ہٰذا میں جس کا موضوع بیان حال واردات روضۂ مقدسہ ہے۔ اس سلسلۂ سامیہ کا ذکر ذرا توضیح کے ساتھ لکھا جائے تو چنداں بے ربط اور ناموزوں نہ ہوگا ٭

واضح ہو۔ کہ مورث اعلےٰ اس خاندان کے ایک بزرگ شاہ اسحاق المعروف بہ شاہ صفی ہوتے ہیں۔ جن کا سلسلۂ نسب امام ہمام موسےٰؑ تک پہنچتا ہے۔ اور جو بلدۂ اردبیل میں قیام کرکے تصوّف کے پردے میں ہدایت خلق اللہ کو مدّنظر رکھتے تھے۔ چنانچہ ہزارہا خلق خدا آپ کی پیروی کو موجب نجات عقبےٰ و فلاح دُنیا جانتے تھے۔ اس وجود سعید نے ۷۳۶ھ ہجری میں داعی اجل کو لبیک اجابت کہا۔ تو ان کے فرزند سیّد صدر الدین موسےٰ نے باپ کی جگہ مسند افادت و افاضت آراستہ کی۔ یہ سلسلہ

شاہ اسمعیل

اسی طرح جاری تھا۔ حتےٰ کہ ان کی چھٹی پشت میں شاہ اسمٰعیل بن سلطان

حیدر بن سلطان جنید بن سیّد ابراہیم بن خواجہ علی بن سیّد صدرالدین مذکور نے اپنی جبلی جلادت و ذاتی قابلیت سے اس قبیلہ میں سلطنت ظاہری قائم کی۔ اس وقت سے ایران کو مذہبی آزادی ملی۔ گویا اس نے سرے[۵۱] سے حیات تازہ پائی۔ باہمی خانہ جنگیوں اور طائف الملوکی سے نجات ہوئی۔ مغربی صوبجات کی بابت شاہ سلیم والئے قسطنطنیہ کے ساتھ جنگ و جدل ہوئے۔ شمال مشرق میں ازبکوں نے سر شورش و فساد اٹھا رکھا تھا۔ ان کے ساتھ مکرر معرکہ آرا ہونا پڑا۔ حتےٰ کہ ان کا سردار محمد خاں اثناء جنگ میں مارا گیا۔ اس سے یہ فساد تو فرو نہ ہوا۔ مگر کچھ عرصہ کو دب گیا۔ تھوڑے دنوں میں یہ لوگ عبداللہ خاں نامی ایک شخص کو اپنا سردار بنا کر پھر لوٹ مار کرنے لگے۔ بادشاہ نے نجم ثانی اپنے خراسانی صوبہ دار کو ان کی سرکوبی کو بھیجا۔ مگر جب صوبہ دار ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تو شاہ اسمٰعیل خود فوج لیکر اس طرف بڑھے۔ آخر سردار ازبک کو شکست فاش ہوئی۔ اور جو ملک انہوں نے دبا لئے تھے۔ ان کے ہاتھ سے نکال لئے گئے۔ یہ بادشاہ غفراں پناہ ۱۴۸۰ء میں بمقام اردبیل حلیمہ بیگم آغا کے بطن سے پیدا ہوا۔ اس نے شہر تبریز کو اپنا دارالخلافہ مقرر کیا۔ اور ترویج[۵۲] مذہب ائمۂ اثنا عشر صلوات اللہ علیہم میں بدل و جان مصروف تھا۔ شیعہ

---

[۵۱] اس زمانے کے شروع سے جب کہ ایران مفتوح ہو کر ممالک اسلامیہ میں شامل ہوا۔ ان میں طائف الملوکی رہی۔ اور کسی قسم کی آزادی اس ملک والوں کو حاصل نہ ہوئی۔ شاید دُنیا کا کوئی ملک اس قدر مصیبتوں کا شکار نہیں ہوا۔ جس قدر کہ ایران کا ملک ہوا ہے۔ ۱۲ رسالہ المعارف بحوالہ ہسٹری اوف پرشیا مسٹر بنجمن مطبوعہ لنڈن +

[۵۲] شاہ غفراں پناہ اسمٰعیل صفوی نے جس خلوص نیت و حسن عقیدت سے اس مذہب حقہ کی ترویج شروع کی۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔ کہ اس وقت سے لیکر آج تک کہ چار سے ساڑھے چار برس کا عرصہ گزرتا ہے۔ یہ مذہب اس سرے سے لیکر اس سرے تک برابر ایران میں پھیلا ہوا ہے۔ دیگر یہ کہ جب بادشاہ کی اس پیش قدمی کا حال مشہور عالم ہوا۔ تو ہندوستان میں شاہان دکن نے بھی اس کے ساتھ اپنے ملکوں میں اس کا رواج دینا شروع کر دیا۔ مؤلف معارف کہتے ہیں۔ کہ جب یہ خبر یوسف عادل شاہ والئے بیجاپور (جو کہ شاہزادگی کے دنوں میں ایران کے شہروں میں چکر لگا چکا تھا) نے سنی۔ تو اس سے زیادہ صبر نہ ہو سکا۔ خود مسجد میں گیا۔ اور اپنے روبرو سید نقیب خاں مدنی کو مامور کیا۔ کہ اس وقت کی اذاں میں مقدس فقرا "اشہد ان علی ولی اللہ" داخل

جو سنیوں کے خوف سے اطراف ملک میں چھپے ہوئے تھے۔ اس کے عہد مبارک میں آشکار ہونے لگے۔ اس نے زیارت عتبات عالیات کے لئے سفر عراق کیا۔ اور براہ بغداد کاظمین کربلاء معلیٰ و نجف اشرف کی زیارت سے مشرف ہوا۔ پھر اسی راستہ سے اپنے دارالخلافہ کو واپس آیا۔ آخر چوبیس [۲۴] سال کی کامیاب سلطنت کے بعد ۱۵۲۳ء مطابق ۹۳۰ھ کو اس جہان فانی سے دار باقی کو رحلت فرمائی۔ تاریخ وفات یہ ہوئی :۔

قطعہ

شاہ عالم پناہ اسمٰعیل	آنکہ چوں مہر در نقاب شدہ
از جہاں رفت وظل شدش تاریخ	سایہ تاریخ آفتاب شدہ

شاہ طہماسپ شاہ مبرور اسمٰعیل صفوی کے اس کی وفات کے وقت چار بیٹے باقی تھے۔ طہماسپ مرزا۔ بہرام مرزا۔ القاص مرزا اور سام مرزا۔ لیکن سب میں بڑے طہماسپ تھے۔ اس لئے تاج شاہی ان کے سر پر رکھا گیا۔ اس وقت ان کا سن گیارہ سال کا تھا۔ کچھ عرصہ تک باپ کے پرانے جاں بازوں نے کاروبار سلطنت میں خلل نہ آنے دیا۔ مگر تھوڑے ہی دنوں میں جہالمنہ بادشاہ نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیکر قزوین کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ پھر اپنی قابلیت کے جوہر دکھلانے شروع کئے۔ مذہب شیعہ کا یہ بادشاہ بڑا حامی گذرا ہے۔ اس نے محقق ثانی جناب علی بن عبدالعالی کرکی کو جبل عامل سے ملک عجم میں بلوا کر کہا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۴) کرے چنانچہ پوری اذان بموجب مذہب امامیہ کہی گئی۔ بعد ازاں ائمہ اثنا عشر کے اسماء گرامی خطبہ جمعہ پڑھا گیا۔ اور باآئین مناسب مذہب حقہ کی رواج دینے کی کوشش شروع ہوئی۔ ایران کے اکثر عالم فاضل جن کو بادشاہ کی قدردانی نے دکن میں بلوا لیا تھا۔ بڑے بڑے مراتب و مدارج پر منصوب ہوئے +

ذرا آگے چل کر خاندان قطب شاہیہ کے حال میں صاحب معارف لکھتے ہیں۔ کہ جب ایران سے شاہ اسمٰعیل کی تخت نشینی کی خبر دکن میں پہنچی۔ تو قطب شاہ نے اس وقت سے برابر اس دین کے رواج میں کوشش شروع کر دی۔ اور چونکہ شیعہ ہونے کے باعث سے خاندان صفوی سے ارادت دلی رکھتے تھے۔ ہر خطبہ میں شاہ اسمٰعیل کے نام کو اپنے نام پر مقدم رکھنا اختیار کیا تھا +

لائق سلطنت تم ہو۔ کہ نائب امام ہو۔ مَیں فقط تمہارا کارندہ اور تمہارے امر و نہی کو ملک میں
رواج دینے والا ہوں۔ اور تمام قلمرو میں فرمان بھیج دئے۔ کہ شیخ علی کے احکام کی تعمیل
واجب جانیں۔ جناب شیخ نے ہر قریہ و قصبہ میں پیشنماز مقرر کئے۔ تاکہ نمازیں بجماعت
ادا ہوں اور دین و شریعت ان کے درمیان رواج پائے۔ نیز حکم کیا۔ کہ مخالف مذہبوں
کو درمیان سے نکال دیا جائے۔ کہ مومنوں کو گمراہ نہ کریں۔ شاہ طہماسپ مشاہد مقدسہ
ائمۂ طاہرین خاص کر روضۂ مبارکہ امام ثامن ضامن کا خادم با اخلاص تھا۔ سنہری ضریح
مشہد مقدس کی اُسکی بنائی ہوئی ہے۔ یا اس کے پدر والاگہر شاہ اسمٰعیل مغفور کی۔ اس کا
دربار بڑی شان و شکوہ کا ہوتا تھا۔ اور حدود ملک اس کے عہد فرخندگی عہد میں اس قدر
فراخ ہوئیں۔ کہ ایک طرف بغداد اس میں شامل تھا۔ تو دوسری جانب کابل و قندھار اس
کے صوبوں میں شمار ہوتا تھا۔ شاہ سلیمان سلطان روم نے ہر چند سعی و کوشش مقابلے میں
کی۔ مگر طہماسپ کی ہمّت مردانہ کے آگے اس کی ذرا پیش نہ گئی۔ اور صلح کرتے ہی بنی۔ پھر
عبد اللہ خاں ازبک جس نے ترکستان کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا۔ لڑائیاں کر کے
شکست کھاتا رہا۔ کہتے ہیں۔ کہ اس بلند ہمت جوانمرد بادشاہ نے اپنی بخت و اقبال و
دولت و مال کے بھروسہ پر آٹھ سال متواتر ایران کا خراج رعایا کو معاف رکھا۔ ہمایوں بن بابر
بادشاہ ہندوستان شیر شاہ افغان سے شکست کھا کر بھاگا۔ تو اس کے دربار میں
پناہ گزیں ہُوا۔ وہاں اس کی کافی فریاد رسی ہُوئی۔ افواج شاہی مقرر ہُوئیں۔ انہوں نے ہندوستان
پہنچ کر ملک از دست رفتہ دوبارہ اس کو دلوا دیا۔ طہماسپ نہ ہوتا۔ تو چغتائی خاندان کو ہندوستان

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۵) حقیر مؤلف کہتا ہے۔ کہ صاحب معارف نے شاہ اسمٰعیل بہادر کی
وفات ۹۳۰ھ ۱۵۲۳ء میں لکھی ہے۔ اور کل مدت سلطنت ان کی چوبیس ۲۴ سال ذکر کی ہے۔ تو اس کے موافق
ابتدا اس سلطنت کی ۹۰۶ھ ۱۴۹۹ء سے ہُوئی۔ حال آنکہ یوسف عادل شاہ کی وفات خود اس جلیل القدر مصنف
کے بیان کے موافق ۹۰۳ھ ۱۴۹۷ء میں یعنی اس سے دو سال پہلے ہُوئی ہے۔ تو اس صورت میں یوسف عادل شاہ شاہ مذکور کا
تتبع کیونکر کر سکتا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ بیان سنین میں ذیقدر مصنف سے مسامحت ہُوئی ہے۔ جیسا کہ بعض دیگر
مقامات میں بھی اس کتاب کو غور سے دیکھنے سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے ۱۲ منہ عفی عنہ

کی صورت دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ آخر باون ترپن سال کی طویل مدت تک کامیاب سلطنت کرنے کے بعد ۱۵۷۶ء میں رہگرائے عالم باقی ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ +

شاہ طہماسپ کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک ایران کی حکومت میں ضعف کاروبار میں ابتری رہی۔ کیونکہ شاہ اسمٰعیل ثانی و شاہ محمد صفوی اس کے دو بیٹے جو یکے بعد دیگرے تخت شاہی پر بیٹھے۔ اس کام کی پوری قابلیت نہ رکھتے تھے۔ لہذا امرائے سلطنت نے ہر گوشہ و کنارے سے سر اٹھانے اور فساد برپا کرنے شروع کئے۔ ایک طرف سے ازبک و ترکمان دوسری جانب سے رومیوں نے کہ اس دولت خداداد کے قدیمی دشمن تھے قدم آگے بڑھائے۔ عبداللہ ازبک نے تو جلد اپنے کئے کی سزا پائی۔ کہ اس کا بیٹا جلال شاہی سردار مرتضےٰ قلی خاں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مگر مصطفےٰ پاشا سلطان مراد کی طرف سے ابر سیاہ کی طرح سے اُمڈا چلا آ رہا تھا۔ پس ایک طرف ترکی حکومت کا مقابلہ دوسری سمت سے ملک کی اندرونی بغاوتوں نے شاہ محمد کو ایسا مجبور کیا۔ کہ تاج شاہی اپنے بیٹے عباس مرزا کے سپرد کر کے حکومت کو چھوڑ بیٹھا +

شاہ عباس اعظم

ایران کے گزشتہ تین سو سال کے جس قدر کارناموں میں عظمت و شکوہ و متانت و استقلال کی شان پائی جاتی ہے۔ وہ آج کے دن تک تمام شاہ عباس اعظم کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ خیابان فارس عباس دنیا کے جلیل القدر بادشاہوں سے ایک مشہور بادشاہ اور سلسلہ علیہ صفویہ کا پانچواں مگر رفعت شان و سمو مکان میں ان میں اوّل درجہ کا نہایت دیندار اولوالعزم مدبر اقبال مند فرمانروا گزرا ہے۔ اس نے ۱۵۸۶ء میں اپنے باپ کے گوشہ نشین ہونے پر عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اور بجائے قزوین کے اصفہان کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ مملکت ایران کو اس نے اس خوبصورتی سے ضبط کیا تھا۔ کہ کوئی متنفس اس سے آزردہ نہ تھا۔ ہر دل میں اس کی محبت اور اس کا رعب و دہشت برابر جاگزیں تھا۔ رفاہ عام کے کاموں ترویج علم۔ ترقی تجارت و صنعت و حرفت غرض ہر طرح سے ملک کی سرسبزی میں ساعی

اور سرگرم تھا۔ جان ملکم اصفہان کے حال میں لکھتے ہیں۔ کہ تمام صفوی بادشاہوں کی یاد آج کل فراموش ہوگئی ہے۔ البتہ شاہ عباس اعظم کا ذکر خیر ابھی تک باقی ہے۔ جس نے ایران میں نہ صرف پل کاروانسرائے اور عالی شان محلّات تعمیر کرائے۔ بلکہ اس کا نام دانش آموز کہاوتوں اور فیاضی اور جوانمردی کے قصوں میں لیا جاتا ہے۔ میں اس بہادر دانشمند ظریف اور فیّاض بادشاہ کا حال اس کے شاندار دار الحکومت میں سنتے سنتے اکتا گیا۔ اس کے بعد کچھ قصص اس کی فیّاضی وغیرہ کے لکھ کر کہتے ہیں۔ اس نے ملک کو ایسا خوشحال اور آسودہ بنایا۔ کہ اس کی زندگی میں رعایا اس سے محبّت کرتی اور اس کے رعب سے کانپتی تھی۔ اور اس کی وفات کے بعد صدیوں سے اس کا ذکر خیر باقی ہے۔ اور ایران میں ہر قسم کی ترقیاں اس کی ذات سے منسوب کی جاتی ہیں۔ صفحہ ۱۹۱ حالات ایران

شاہ عبّاس باوجودیکہ مذہب کا پابند تھا۔ مگر ملکی بہتری کی خاطر بیرونی سلطنتوں سے راہ و رسم و خط و کتابت پیدا کی۔ شاہان عالم کے ساتھ رابطہ اتحاد محکم کیا تھا۔ اس کا دربار شکوہ و شان میں آپ ہی اپنا نظیر تھا۔ تمام بیرونی سلطنتوں کے وکلاء اس کی رونق بڑھانے کو حاضر رہتے۔ پرتگال سپین اور انگلستان وغیرہ دور دراز ملکوں کے سفیر اور اکثر سیاح[1] بغرض سیاحت

---

[1] مسٹر رابرٹ کرپورٹر اپنے سفرنامے میں لکھتے ہیں "جس روز میں دربار شاہی میں طلب ہوا۔ تو دربار عام کا دن تھا۔ وزراء و ارکان دولت اپنے اپنے مرتبوں پر تخت شاہی کے گرد ذرا فاصلے پر کھڑے تھے۔ بادشاہ کے بیٹے ان سے قریب تر۔ بڑا شاہزادہ تخت کے دہنی جانب دیگر شاہزادگان اس کے گرد و پیش ایستادہ تھے امراء و شاہزادگان کے گراں بہا لباس نے اس کو اور بھی شاندار بنا رکھا تھا۔ کہ دفعۃً باجے بجنے شروع ہوئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ جہاں پناہ محل کے دروازے سے برآمد ہوگئے۔ جس وقت میری نظر بادشاہ پر پڑی۔ تو آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ اس کے سر پر ایک اونچا تاج رکھا تھا۔ جس میں بے انتہا موتی۔ الماس زمرد یاقوت لگے ہوئے تھے۔ جب سورج کی کرنیں اس پر پڑتی تھیں۔ تو عجیب و غریب رنگ اس سے پیدا ہوتے تھے۔ نیز اس میں کسی جانور کے خوشنما پر لگے ہوئے تھے۔ اور ان کی نوکوں میں موتی پروئے تھے۔ بادشاہ کا لباس سونے کے تاروں سے بنا ہوا تھا۔ گلے میں موتیوں کا ہار تھا۔ اس کے موتی عظمت و بزرگی میں دنیا بھر کے موتیوں سے بڑے تھے۔ اس سے بھی زیادہ بے مثل و لاجواب ایک کمربند اور دو قیمتی زیور تھے۔ جو بادشاہ نے بازوؤں میں پہن

ایران میں آتے اور دربار کا تزک وشان دیکھ کر حیران رہ جاتے۔ تمام رعایا سُنّی، شیعہ، کافر، مسلمان سب کو ایک نظر دیکھتا۔ ان کے دردوں کی دوا زخموں کی مرہم پٹّی کرنا۔ تاجروں کی حفاظت جان و مال میں اہتمام تام تھا۔ پیشہ وروں کی حوصلہ افزائی فرماتا۔ اموال کی آمد و رفت کے واسطے سڑکیں بنوائیں۔ کارواں سرائیں تعمیر کیں۔ ندی نالوں کے پُل بندھوائے۔ ان امور کو جب آج سے چار سو سال پہلے کی عینک لگا کر معائنہ کرتے ہیں تو ان کی قدر و قیمت ایک سے ہزار کو پہنچتی ہے۔ اور خواہ مخواہ ایسے عالی ہمّت بزرگوار کی مدح و ستایش کرنی پڑتی ہے۔ اس کا زمانہ ایران کے لئے فرخندگی و خوشحالی کا زمانہ تھا۔ وہاں کے باشندے ناز و نعم میں زندگی بسر کرتے تھے۔ آبادی بڑھتے بڑھتے بموجب ایک قول کے چار کروڑ نفوس کو پہنچ گئی تھی۔ اور اصفہان کو جو نصف جہان کہا گیا اس عہد مبارک کا ایک کرشمہ تھا۔ کہتے ہیں۔ کہ اس وقت اس کی آبادی دس لاکھ کو پہنچی تھی +

شاہ کی تدبیر ملکی

شمال مشرق کی سرحدیں ازبکوں کی آئے دن کی تاخت و تاز سے مخدوش رہتی تھیں۔ یہ حرام خور ہمیشہ خلقت کا ناک میں دم رکھتے تھے۔ شہر مشہد بھی ان کی لوٹ مار کا جولانگاہ بنا ہُوا تھا۔ صائب الرائے تاجور نے کردوں سی جنگجو قوم کو غربی اطراف سے اُٹھا کر جزوی سا خراج لگا کر خراسان کے شمال مشرق میں آباد کیا تھا۔ تاکہ اس شریر قوم کے سدّ راہ ہوں۔ کہتے ہیں۔ کہ ایک لاکھ قبیلے یا بقول لارڈ کرزن

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۸) رکھتے تھے۔ ان کے جواہرات بلا مبالغہ آگ کی طرح دہکتے تھے۔ تخت شاہی سنگ مرمر سفید کا جس کے اُوپر شال اور کمخواب کا فرش بچھایا گیا تھا۔ بادشاہ اپنے ملک کے طریقہ سے اس پر بیٹھا۔ اس کی پشت پر موتیوں کا جال اس کے پہلوؤں میں سنگین کٹہرے اور آگے پتھر کے ستون مگر سب سونے میں غرق۔ جا بجا آئینے اور تصویریں نصب تھیں۔ اور ہر جگہ بے انتہا جواہرات جڑے ہُوئے تھے۔ جس وقت بادشاہ دیوان خاص میں آتے۔ تو تمام حاضرین دربار جھک کر تسلیم بجا لاتے اور زمین بوس ہوتے تھے۔ اس وقت بادشاہی رعب سے ایک با اثر خاموشی طاری ہو جاتی۔ پس دربار کے عالم شاعر بآواز بلند القاب شاہی کے ساتھ بہت ادب سے اس کے تمام کارہائے نمایاں بیان کرتے۔ اس کے بعد سب لوگوں کی طرف سے ملک کے امن و امان و رحمت و اطمینان کی شکر گزاری کی جاتی تھی + ۱۲ المعارف

ایک لاکھ نفوس حسب الحکم نقل مکان کر کے وہاں آرہے ہے۔ اس تدبیر کا تیر ٹھیک نشانہ پر بیٹھا۔ اور اطراف و جوانب اس ارض اقدس کے ان قزاقوں کی آئے دن کی لوٹ مار سے بہت کچھ محفوظ ہو گئے۔ ادہر کردوں کے مختلف جرگے جو غزبی حدود پر دنگا فساد کرتے رہتے تھے ان کا بھی جتھہ ٹوٹ کر زور کم ہو گیا +

دینداری و خوش اعتقادی

جو مساعی حمیلہ اس بادشاہ ثریا جاہ نے ترویج مذہب حقہ اثنا عشریہ میں مبذول کیں ان کی تفصیل کو ایک دفتر درکار ہے۔ وہ مشاہد مقدسہ حضرات ائمۂ معصومین و حرمین شریفین کی نسبت یکساں اعتقاد رکھتا تھا۔ نجف اشرف کی عمارات روضۂ منورہ امیر المومنین و دیگر مکانات اس اولوالعزم دریادل کی بنائی ہوئی ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ جناب شیخ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ سے پہلے نقشے کھینچ کر بنائی گئی ہیں۔ لہذا نہایت قرینے سے منتظم ہی ہیں نادرشاہ نے قبۂ مبارک اور گلدستوں پر سونا چڑھایا۔ شاہ عباس روضۂ رضویہ کا بھی اپنے تئیں کمترین خادم جانتا تھا۔ اس نے مشہد سے خراسان تک کہ قریب دوسو فرسخ عجمی (چھ سو میل) کی مسافت ہوتی ہے سڑک درست کی۔ ہر ایک منزل پر چاہ پختہ آب انبار بنائے۔ وسیع وسیع سرائیں تعمیر کیں۔ جنہیں چونہ گچ سے پائدار کیا تاکہ زائرین راہگیروں کو آرام و آسائش ہو۔ آب شیریں و خوشگوار میسر آوے۔ چنانچہ آج تک یہ آثار خیر سرزمین ایران میں باقی اور اس کا ثواب اس کی روح پر فتوح کو پہنچتا ہے +

اہل علم کی قدردانی

شاہ کے علم دوست ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے۔ کہ جیسے کثرت سے کملاء اس زمانے میں جمع ہوئے، کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئے۔ کہتے ہیں۔ کہ کئی ہزار عالم اس کے دربار کی زینت ہوتا تھا۔ ایک روز آخوند ملا عبداللہ تونی سے ان کے مدرسہ میں ملنے گئے۔ مدرسہ میں کوئی طالب علم نہ تھا۔ اس کا سبب پوچھا۔ ملا نے کہا۔ پھر عرض کرونگا۔ اس کے کچھ بعد ملا بھی بادشاہ کی بازدید کو گئے۔ تو بعد تعارف رسمی بادشاہ نے کہا۔ کسی شے کی فرمائش کرو۔ ملا نے اعراض کیا۔ بادشاہ نے مکرر کہا۔ لابد اظہار خواہش کیا چاہیئے۔ تاکہ مہیا کی جا

اخوند نے کہا۔ یہ بات ہے۔ تو مَیں چاہتا ہُوں۔ کہ مَیں سوار ہوکر چلوں۔ جہاں پناہ میری سواری کے ساتھ پیادہ پا چلیں۔ کمال حسن عقیدت کہ اس خاندان کو اہل علم سے تھا۔ اس کے بموجب یہ درخواست قبول کی گئی۔ اور شاہ دین پناہ نے ایک معتد بہ مقدار راستے کی بازار میں پیادہ پا اخوند کی مشائعت میں طے کی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد پھر جو بادشاہ کا گزر مدرسۂ ملا عبد اللہ میں ہُوا۔ تو اس کو طلبہ سے بھرپور پایا۔ اسکی بابت سوال کیا۔ جواب ملا۔ کہ یہ بادشاہ کے اس عمل خیر کی برکت ہے۔ جو اس روز اس کمینہ درگاہ کی مشایعت میں شہنشاہ دین پناہ سے ظاہر ہُوا تھا۔ بادشاہ نے تحسین کی۔ اور بیش از پیش ترویج و نشر علوم دین میں سرگرم ہُوا +

ملّا احمد اردبیلی معروف بہ مقدّس اردبیلی نجف اشرف میں مجاور تھے۔ کسی سیّد کی سفارش میں بادشاہ کو رقعہ لکھا۔ اس کا القاب ایہا الاخ العبّاس تھا۔ خوش عقیدہ سلطان نے اس رقعہ کو حفاظت سے اپنے پاس رکھ چھوڑا۔ مرض الموت میں خواص سے ایک کو دیکر کہا۔ کہ اس کو میرے کفن میں رکھدینا۔ تاکہ فردا قیامت روبرو خداوند جل وعلا کے احتجاج کرسکوں۔ کہ جس شخص کو مجتہد نائب امام اپنا بھائی لکھے۔ وہ دوزخی کیونکر ہوسکتا ہے قِصص العلماء +

شاہ کی انتہا درجہ کی اقبالمندی اور بختوری سمجھنا چاہئے۔ کہ اس کو جناب میر باقر داماد الحسینی و شیخ بہاؤ الدین العاملی رحمہما اللہ جیسے بے مثل بے نظیر فاضل کامل ہاتھ آئے تھے۔ وکفی بہما فضلاً و شرفاً +

اصفہان سے مشہد تک کا پیادہ پا سفر

جو کوئی اس بادشاہ جنّت آرامگاہ کی بلند ہمّتی و وفاء عہد حسن عقیدت کو دیکھنا چاہے۔ وہ اس کا وہ کارنمایاں دیکھے جو سفر پیادہ پائے میں دار الخلافہ اصفہان سے مشہد خراسان تک اس سے ظاہر ہُوا۔ یہ مسافت جیسا کہ پہلے ذکر ہُوا۔ چھ   میل سے کسی طرح کم نہیں۔ مگر بادشاہ کے تحمل و دینداری کو دیکھئے۔ کہ اس نے پیادہ پا نہیں برہنہ پا اس دور دراز سفر کو طے کیا۔ اس سے پہلے کسی والئے ملک سے ایسا نہیں ہوسکا۔ نہ بعد میں ہی آج تک کہیں یہ سُنا گیا۔ اکبر بادشاہ ہندوستان کی نسبت کہا جاتا ہے۔ کہ آگرہ

سے اجمیر تک معین الدین چشتی کی قبر پر پیادہ گیا تھا۔ مگر آگرہ و اجمیر کا فاصلہ مشہد و اصفہان کے فاصلے سے بدرجہا کمتر ہے۔ نیز اکبر پادشاہ پیادہ پا تھا برہنہ پا نہیں تھا۔ دیگر یہ کہ اکبر پیادہ روی کا عادی تھا۔ ورزش کے طور پر ہمیشہ اس کو عمل میں لاتا۔ عباس کی نسبت ایسا سُنا نہیں گیا۔ نیز اس نے دشمنوں میں پرورش پائی تھی۔ سختی میں زندگی بسر کرنیکا خوگر تھا۔ یہ نازونعمت کا پلا ہوا تھا۔ لاجرم زحمت متواترہ سے پائے مبارک میں آبلہ پڑکر زخمی ہوگئے تھے۔ مگر وہ شیر بیشۂ اخلاص منزل بمنزل طے کر رہا تھا۔ اور ذرا ماتھے پر بل نہ آنے دیتا تھا۔ لاریب محبّت وولاء صادقہ سلطان العرب والعجم علی بن موسی الرضاؑ ہی وہ شے تھی۔ کہ اس کو کشاں کشاں لئے جا رہی تھی سچ کہا ہے۔ ؎

سفر دراز نباشد بنزد طالب دوست

بپاء خار مغیلاں حریر می آید

طرفہ یہ کہ اس محنت شاقہ کی بابت کبھی ایک حرف شکایت زبان پر نہ آیا۔ خدام سے ببشاشت وخندہ رُوئی پیش آتا۔ تند خوئی غیظ وغضب کو یکقلم ترک کر دیا تھا۔ اتنا بڑا فاصلہ اپنے ہاتھ سے گز ڈال ڈال کر ناپ ڈالا۔ تاکہ ہمراہیوں کی مشغولی کا باعث ہو۔ اور مسافت کا صحیح اندازہ ہاتھ آئے۔ ہر ایک کے ساتھ لطف ومدارا کرتا۔ نوکروں کو ہر ساعت نئی صورت سے نوازتا۔ کہ آزردہ نہ ہونے پائیں۔ اور اسے آزردہ خیال نہ کریں۔ عتبہ عالیہ کی زیارت سے مشرف ہؤا۔ تو جب تک وہاں قیام رہا۔ روضۂ مبارک کی خدمات میں خادموں پر سبقت کرتا۔ درگاہ ملائک سجدہ گاہ کی جاروب کشی باعث فخر جانتا۔ شمعدانوں کو اپنے ہاتھ سے صاف کرتا۔ رات ہوتی۔ تو مقراض لیکر شمعوں کے گل کترتا پھرتا۔ مولانا شیخ بہاؤالدین عاملی علیہ الرحمہ نے دیندار بادشاہ کی فتیلہ بُرندگی دیکھی۔ تو برجستہ یہ رباعی کہی۔ رباعی ؎

پیوستہ بود ملائکِ علیّیں | پروانۂ شمع روضۂ خلد بریں

مقراض باحتیاط زن اے خادم | ترسم نہ بُری شہپر جبرئیل امیں

مرزا ابراہیم بیگ کا بیان

مرزا ابراہیم بیگ اپنے سیاحت نامہ میں بعد بیان مذکورہ بالا کے لکھتے ہیں "غرض ہرچہ از اوصاف ایں بادشاہ دل آگاہ از پدرم مرحوم شنیدہ

بودم۔ ہمصدق و انندکے از بسیار آنہا بودہ است والد مرحوم در ایام حیات خود ہر ماہ مبارک رمضان چہار نفر از قراء معروفہ عرب را آوردہ۔ تلاوت قرآن مجید کردہ۔ ثوابش ہدیۂ روح پرفتوح این شہریار پسندیدہ کردار مینمودند۔ انشاءاللہ من ہم بعلاوہ آں احسان دیگرے از خود برائے آں بادشاہ مغفور مقرر خواہم نمود۔ کہ ہر سال در خیرات او صرف شود۔ و بر خود لازم دانستم۔ کہ اگر توفیق باری یاری کند بمثال بیمثال آں بادشاہ بزرگ عالی ہمت را پیدا کردہ در سیاحت نامہ خود بگزارم تا حق شناسان ملت تصویر بے نظیر او را دیدہ بدعاء رحمت پاداشش نمایند۔ ؎

گر بماند نام نیک از آدمی   بہ کہ زو ماند سرائے از نگار

ہر گاہ بخود قسمت نشد وصیت خواہم نمود۔ ہر کس تصور طبع این سیاحت نامہ داشتہ باشد چناں کند۔" الحمدللہ کہ جو اڈیشن سفر نامہ کا ہمارے سامنے ہے۔ اس میں تصویر اس بادشاہ فریدوں جاہ سکندر پاسگاہ کی موجود ہے۔ پھر کہتے ہیں "بلکہ خریطہ تمام ایران را بطوریکہ در زمان سلطنت او بود نیز ردیف آں تصویر نماید۔ تا اخلاف ملت را بسطت و وسعت خاک پاک وطن آگاہی حاصل آید و بدانند کہ در عصر آں شہریار شیر شکار حدود مملکت ما از بلخ گرفتہ تمامی سواحل دریاء خزر و جبال داغستان و کوہ ہائے قفقاز را گزشتہ از بغداد بخلیج بصرہ و عمان منتہی می شد۔" یہ خریطہ کہ ظاہر اس سے ملک ایران کی اس حالت کا نقشہ مراد ہے جو زمانہ شاہ غفران پناہ شاہ عباس میں تھی جس کی حد شمالی تمام جنوبی کنارہ بحر خضر کا اور جنوب میں خلیج فارس شرق میں بلخ غرب میں کوہ قاف و کوہستان داغستان تک پہنچا تھا۔ اس وقت کتاب میں موجود نہیں۔ غالباً اب تک ایسا نقشہ تیار نہیں ہو سکا ❊

القصہ اس بادشاہ عالیجاہ کے اوصاف بہت زیادہ ہیں۔ ان کے بیان کی نہ اس رسالے میں گنجایش ہے نہ اس کا ارادہ کیا گیا ہے۔ اس بارے میں علیحدہ مستقل کتابیں موجود ہیں جس کا جی چاہے وہاں مطالعہ کرے۔ یہاں مشہد مقدس کا بیان حال مقصود ہے۔ تو اس میں شبہ نہیں۔ کہ وہ اس بقعۂ مبارک کا دل و جان سے خادم تھا۔ اور نہ صرف اس کا بلکہ تمام مشاہد مقدسہ و مزارات متبرکہ حضرات ائمہ معصومین کا۔ ہر چند یہ ظاہر

ہے۔ کہ چونکہ یہ روضہ اس کی حدود سلطنت کے اندر واقع تھا۔ اس کی خدمت گزاری
کا اُسے زیادہ موقع ملا۔ اس لئے یہاں کی کل عمارتوں کی اس کے عہد مبارک میں تجدید
تعمیر ہوئی۔ اور بہت سی نئی عمارتیں بنائیں اور اضافہ ہوئیں۔ مشہد کے مضافات سے
خواجہ ربیع علیہ الرحمہ کا روضہ اسی کے مبارک عہد میں بنا ہوا شمالی سرحدوں پر اوزبکوں
کی لوٹ مار کا سدّباب ہوا۔ زائروں کے آرام و آسائش کے لئے سڑکیں اور سرائیں احداث
ہوئیں۔ کما مرّ النفائس اس مزید اہتمام کی جو بروئے خلوص اعتقاد اس درگاہ عالیجاہ کی
خدمات میں عمل میں لایا۔ کوتاہ بین نظریں متحمل نہ ہو سکیں۔ اور اسے تعصب مذہبی اور انتفاع

لارڈ کرزن بہادر کے ایرادات

دنیوی کے خیال پر محمول کیا۔ لارڈ کرزن اپنے سفرنامہ میں صفوی
خاندان کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ "مذہب شیعہ کو قومی مذہب
قرار دینے کے بعد نئے فرمانرواؤں کے لئے یہ امر نہایت
ضرور ہوا۔ کہ وہ کوئی ایسی متبرک زیارت گاہ مقرر کریں۔ جو اُن زائروں اور روپیہ کو جو مکہ
معظمہ کی طرف کھینچا ہوا چلا جاتا تھا۔ اپنی طرف کھینچ لائے۔ اور تمام شیعوں کی حرارت
دینی کا منبع و مصدر ہو۔ میں کہتا ہوں۔ کہ مشہد کو صفوی بادشاہوں نے زیارتگاہ مقرر
نہیں کیا۔ وہ روز اول سے متبرک زیارت گاہ تھا۔ انہوں نے کوئی کوشش اس مال و
رجال کے روکنے کی نہیں کی۔ جو مکہ معظمہ و مشاہد مقدسہ کو کھنچا چلا جاتا تھا۔ روکنے کی
کوشش کی۔ بجائے وہ خود ان مقدس مقامات پر حاضر ہو کر لاکھوں لگاتے اور لٹاتے
تھے۔ پھر لاٹ صاحب کہتے ہیں۔ کہ جس طرح جردلوم نے دان اور بسل میں طلائی گوسالے
اس غرض سے رکھے تھے۔ کہ اسرائیلی زائر یروشلم (بیت المقدس) سے منحرف ہو جائیں
اسی طرح اسماعیل و طہماسپ و عباس نے حضرت امام رضا؏ کی مسجد کو سیم و زر سے اور
اوقاف سے مالا مال کر دیا۔ حقیر مؤلف کہتا ہے۔ کہ یہ بات اس صورت میں صحت پذیر
ہو سکتی۔ جبکہ اُن غیر ملکی مقامات سے ان سلاطین کے تعلقات کشیدہ نظر آتے حالانکہ
یہ ان کے ویسے ہی گرویدہ تھے۔ جیسے کہ مشہد امام رضا؏ کے۔ ہم پہلے لکھ چکے کہ نجف
اشرف کی کل عمارتیں شاہ عباس کی تعمیر یا ترمیم کی ہوئی ہیں۔ وہ اس مقدس مقام سے

لارڈ کرزن کا یہ اعتراض کہ ایرانی مشہد کو مکہ جانتے ہیں

ایسا اعتقاد دلی رکھتا تھا۔ کہ مرنے کے بعد حسب وصیت وہیں دفن ہؤا۔ اس صورت میں ان بادشاہوں کا قیاس حرد لوم پر قیاس مع الفارق ہے۔ اور المرء یقیس غیرہ علی نفسہ کا مصداق۔ پھر کرزن صاحب کہتے ہیں۔ کہ غرض ان مساعی سے یہ مقام (مشہد) ایران کا مکہ بن گیا۔ اور ابتک ہے۔ وانا اقول مشہد مقدس نہ کبھی پہلے ایران کا مکہ بنا۔ نہ اب اس کا یہ رتبہ ہے۔ ایران کے رہنے والے ہمیشہ ہر سال ہزاروں و لاکھوں کی تعداد میں مکہ مدینہ کو جاتے ہیں۔ مشہد کو مکہ جانتے۔ تو کیوں وہاں جاتے۔ یہیں حج کر لیا کرتے۔ خدا جانے لاٹ صاحب کیا کہتے ہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں سوچ سمجھ کر کہتے ہیں۔ یا ویسے ہی جو جی میں آیا یا کسی سے سُنا سُنایا لکھتے چلے گئے۔ مکہ اپنی جگہ ہے۔ مشہد اپنی جگہ۔ کس ایرانی سے آپ نے سُنا۔ یا کونسی کتاب میں لکھا دیکھا۔ کہ ایرانی مشہد کو مکہ سمجھتے ہیں۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ رہا یہ امر کہ اس کی زیارت کا ثواب حج کے برابر بتایا گیا ہے۔ تو یہ کوئی صفوی بادشاہوں یا بیچارے ایرانیوں کی من گھڑت نہیں بلکہ یہ احادیث میں جن کو علماء شیعہ دربارہ حث و ترغیب بزیارت آنحضرت ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین سے روایت کرتے ہیں۔ اور ثواب کا مقابلہ مستحبی حج سے ہے۔ حجۃ الاسلام یا کوئی اور واجبی حج زیارت مشہد کرنے سے ہرگز ادا نہیں ہو سکتا۔ تھوڑی دور چل کر آپ فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں۔ کہ مَیں نے کربلا کے ایک شیعہ سیّد سے پُوچھا کہ مسلمانوں کے متبرک مقامات کے درجہ کا سلسلہ شیعی عقائد کے رُو سے کیا ہے۔ تو اس نے حسب ذیل جواب دیا۔ اوّل مکہ معظمہ دوم مدینہ طیبہ سوم نجف اشرف چہارم کربلائے معلّیٰ پنجم کاظمین شریفین متصل بہ بغداد ششم مشہد مقدس ہفتم سامرہ (سرمن رای) واقعہ کنار رود دجلہ ہشتم قم۔ لیکن اگر کوئی ایرانی شیعہ ہوتا تو وہ مشہد کا درجہ کربلا کے بعد رکھتا۔ مَیں کہتا ہُوں۔ کہ کوئی ایرانی شیعہ کربلا کے بعد مشہد کا درجہ نہ رکھتا۔ آپ نے کسی ایرانی سے پُوچھ کر دیکھ لیا ہوتا۔ یا اب سو دفعہ دریافت کر لیں۔ سب شیعہ نہ سب ایرانی ہوں یا تورانی۔ خواہ ہندوستانی ہوں۔ وہی کہینگے۔ جو کربلائی

سید شیعہ نے کہا۔ اور کربلا کے بعد کوئی ایرانی مشہد کا مرتبہ بتلاتا بھی۔ تو آپ کا مطلب تب بھی تو نہ حاصل ہوتا۔ آپ تو اس کو ایران کا مکہ کہہ رہے ہیں۔ پھر کربلا کے بعد ہونا کجا۔ مکہ ہونا کہاں۔ دیکھئے۔ آپ تو ایرانیوں کے نزدیک مشہد کو کعبہ کا بدل کہہ رہے ہیں۔ اور میں ایرانی مشہد کے رہنے والے اس کے مجاور ذی علم کی زبانی آپ کو یہ دکھاتا ہوں۔ کہ اس نے کربلا چھوڑ کاظمین و سامرہ کے بعد کے نمبر پر اس کو رکھا ہے۔ ملا نوروز علی بسطامی تحفہ رضویہ میں در بیان اسامی و القاب حضرت امام رضاؑ لکھتے ہیں۔ اما اینکہ آں بزرگوار را قبلہ ہفتم و امام ہشتم گویند ازیں جہت ست کہ چوں ہفت موضع کہ توجہ و اقبال خلایق بآنہا ست۔ لہٰذا اطلاق قبلہ بر آنہا نمودہ شدہ۔ اوّل مکہ معظمہ کہ قبلہ حقیقی است دوم مدینہ طیبہ کہ مرقد مطہر حضرت رسول خداؐ و امام حسنؑ و امام زین العابدینؑ و امام محمد باقرؑ و جعفر صادقؑ در آنجا ست۔ نجف اشرف کہ مدفن امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب است چہارم کربلاء معلےٰ کہ محل قبر امام مظلوم حضرت حسینؑ شہید است۔ پنجم کاظمین کہ امام موسی کاظمؑ و امام محمد تقیؑ آنجا مدفونند۔ ششم سامرہ مرقد مبارک امام علی نقیؑ و حسن عسکریؑ و محل غیبت حضرت صاحب الامرؑ می باشد۔ ہفتم مشہد مقدس و مرقد منور امام رضاؑ ایں شش موضع آخریں را من باب المجاز می نامند۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ تمام شیعوں کا دوازدہ امام کی نسبت ایک سا عقیدہ ہے۔ ایرانی و غیر ایرانی ہونے کو اس میں دخل نہیں۔ اور گو مدارج ترتیبی میں امام رضاؑ کا مرتبہ کاظمین کے بعد اور سامرہ کے قبل تھا۔ مگر یہاں قبلہ حقیقی یعنی مکہ معظمہ کے قرب و بُعد کے اعتبار سے درجے لگائے گئے۔ اس میں مشہد ساتویں نمبر پر چلا گیا۔ یعنی اس سے بھی جو کربلائی سید نے بتایا تھا ایک درجہ اور پیچھے ہو گیا پس اس سے ظاہر ہے۔ کہ ایرانیوں کے خاص تعصب مشہد مقدس پر اس لئے نہیں۔ کہ وہ ان کے ملک میں واقع ہے۔ نہ صفوی بادشاہوں کا ایسا خیال تھا۔

شاہ عباس پر ایک اور افترا آگے چل کر لاٹ صاحب شاہ عباس مرحوم کی طرف سے ایسے بدظن ہوئے۔ کہ ان پر ایک فرانسیسی پادری سٹیس نام کے کہنے سے

یستم کا طوفان اٹھایا۔ کہ شاہ نے بہت سے جھوٹے معجزے بنا کر اس مزار کو شہرت
دی۔ یعنی دیدہ و دانستہ ایسے آدمیوں کو جو اندھے نہ تھے وہاں اس غرض سے متعین
کیا۔ کہ پہلے اپنے تئیں اندھا ظاہر کریں۔ پھر آنکھیں کھول کر دفعۃً پکار اٹھیں۔ کہ
حضرت کی کرامت سے ہم بینا ہو گئے۔ اے آخرالمنولیات۔ ہم اس کے مقابلے میں
کیا عرض کریں۔ جبکہ حضور نے اپنی تحقیقات کی بنا پادریوں جیسے سادہ لوح اور
متعصّب فرقہ کے بیانوں پر رکھ چھوڑی۔ تو پھر بھلا کسی کو بولنے کا کیا موقعہ رہا۔ تعجب
ہے۔ کہ آپنے فرانس کے رہنے والے ایک پادری کی من گھڑت بات کا تو اعتبار
کر لیا۔ اور اس کا ذرا لحاظ نہ فرمایا۔ کہ مشہد میں ہر ایک زمانے میں علماء و فضلاء کا مجمع
رہتا ہے۔ وہ ہر ایک واقعہ کی پورے طور سے چھان بین کرتے ہیں۔ اور جب تک
کہ ثقہ اور سچے لوگوں کی شہادت سے بطور شرعی ثابت نہیں کر لیتے۔ کسی معجزے کی
اشاعت و اعلان کی اجازت نہیں دیتے۔ وہاں کا معمولی قاعدہ ہے۔ کہ تمام مدارج
طے ہو چکنے کے بعد جس شخص پر معجزہ واقع ہوتا ہے۔ آخرکار اس کو سرکار سے خلعت
پہنایا جاتا اور نقارخانے میں نوبت بجائی جاتی ہے۔ اور یہ سب باتیں تب ہوتی ہیں
جب کہ بڑی احتیاط سے تحقیقات ہو لیتی ہے۔ اگر کہو۔ کہ یہ سب مسلمانوں کے
کام ہیں۔ تو ادھر پادری بھی تو عیسائی دشمن اسلام ہے۔ کوئی وجہ نہیں۔ کہ ایک محقق
حکیم مؤرخ ایک فریق کا کہنا مان لے۔ دوسرے کی بات پر ذرا لحاظ نہ کرے۔ آپنے
تو پادری کی بات مان لی۔ مگر دنیا میں کوئی ان کا اعتبار نہیں کرتا۔ ابھی تھوڑے ہی عرصہ کا
ذکر ہے۔ کہ ایک پادری صاحب نے شائع کیا تھا۔ اور اخبار کے ذریعہ سے ہم تک
پہنچا تھا کہ مکہ میں خانہ کعبہ کے اندر محمد صاحب کا بُت موجود ہے۔ چونکہ مقناطیس کا[۱]

[۱] اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے۔ کہ جان ملکم اپنی تاریخ ایران میں جعفر علی خاں کی تقریر کے
ضمن میں بیان کرتے ہیں۔ کہ انگلستان والے یہ بھی خیال کرتے ہیں۔ کہ آنحضرتؐ کی قبر مدینہ میں آسمان و زمین کے
درمیان مقناطیسی کشش سے ٹھہری ہوئی ہے۔ غنیمت ہے۔ کہ پادری صاحب کی خانہ کعبہ کی بجائے انگلستان
میں آپکی قبر اور دفن کا مکان مدینہ کہا جاتا ہے۔ جو آپ کا محل ہجرت ہے۔ نہ کہ مکہ معظمہ جس سے دفن کا کوئی

بنا ہؤا ہے۔ اور کعبہ کی چاردیواری میں لوہے کی چادریں لگی ہوئی ہیں۔ اس لئے درمیان میں معلق ہے۔ بھلا جب کعبہ جیسے مقام کی نسبت جہاں ہر سال لاکھوں آدمی جمع ہوتا ہے۔ یہ لوگ ایسی بے پر کی اُڑاتے ہیں۔ تو مشہد کی نسبت جو چاہیں سو کہیں ان کی زبان کو کون روک سکتا ہے +

مذہب شیعہ پر لاٹ صاحب کا ایک اور حملہ

اسی طرح سے لاٹ صاحب نے غریب شیعہ مذہب پر ایک اور حملہ بیان حال کوچاں میں یہ کیا ہے۔ کہ "وہاں تاکستان کی کثرت ہے۔ اور اہل کوچاں شراب بنانے میں بڑی دستکاری و صنعت کام میں لاتے ہیں۔ اور جس قدر شراب وہاں بنتی ہے۔ اس کے استعمال پر بھی کچھ کم توجہ مبذول نہیں کی جاتی"۔ پھر فرماتے ہیں۔ کہ "بادہ پرستی کے بارے میں اہل سنت و جماعت نے جس قدر شدید رہبانیت کو مرعی رکھا ہے۔ اس سے شیعہ فرقہ کے مسلمانوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ مستثنےٰ قرار دیا ہے"۔ اس ریمارک میں آپ کسی حد تک معذور بھی ہیں۔ کیونکہ جہاں تک دیکھا گیا۔ عموماً یورپین حضرات کے ایشیائی معاملات میں تحقیقات کی یہی صورت ہؤا کرتی ہے۔ کہ جو رطب و یابس کہیں سے دریافت ہؤا۔ یا کسی سے سُنا سُنایا۔ آنکھیں بند کر کے لکھ لیتے ہیں۔ آپکی ایسی باتوں کی بنا بھی اکثر مقامات میں ایسی ہی روایات پر رکھی گئی ہے۔ خواجہ ربیع کی نسبت کسی عامی نے آپ سے کہدیا۔ کہ امام رضاؑ کے اُستاد تھے۔ حضور نے وہی قلمبند کر لیا۔ دیگر دو شبی ترکمان سوار ایک رمضان علی افغانستان کا رہنیوالا دوسرا دفعدار حسن کو مشہد کے

بقیہ حاشیہ نمبر ا صفحہ ۷۷) کوئی تعلق نہیں پھر اسی تقریر میں ہے کہ انگلستان کے لوگ کہتے ہیں کہ ایک کبوتر کو پیغبر کے کان میں سے دانے نکالنا سکھا دیا تھا۔ اور اس تعلیم سے یہ مراد تھی کہ جاہل لوگ سمجھنے لگیں کہ آنحضرتؐ کے پاس آسمانی فرشتہ آتا ہے۔ کیوں حضور اب تو جناب کو اپنے اہل وطن کا حال معلوم ہو گیا کہ وہ اتنی دور بیٹھے بیٹھے مذہبی تعصب کے چھاجے میں کیسی کیسی باتیں تراشتے ہیں اور کس طرح بے پر کی اُڑاتے ہیں۔ ایسے حضرات سے عباس بیچارے پر کوئی افترا گھڑ دینا کون سی بڑی بات ہے + ۱۲ منہ

ٓ۲ لاٹ صاحب نے اپنے ملازموں اور اردلی کے سواروں سے خیابان کے صفحہ ۲۴۹ پر ہمارے ساتھ تعارف کرایا ہے۔ ہم بھی ناظرین کو ان سے آگاہ کرتے ہیں ان لوگوں کا سرگروہ رمضان علی افغانستان کا رہنے والا ہندوستانی فوج کا ریسالدار (دیر اول)

انگریزی سفیر نے آپ کی ہدایت و رہبری کو بھیجا تھا۔ انہوں نے بہت کچھ شیعہ مذہب کی تکذیب آپ سے کی ہے۔ انہوں نے ہی متعہ کے مسئلہ کا ذکر آپ سے چھیڑ کر اس کی تصویر کا الٹا رخ آپ کو دکھایا ہے۔ انہوں نے ہی شیعوں کو شرابخوار بتایا ہے۔ آپ ان کے بیانات کو قلم بند کرتے چلے گئے۔ یہ نہیں تو فرمائیے۔ کہ سُنّیوں کی شدید رہبانیت شراب سے آپ کو کہاں سے دریافت ہوئی۔ اور شیعوں کا اس کی تحریم سے مستثنےٰ رہنا حضرت نے کس کتاب میں پڑھا۔ آپ کا یہ ارشاد کہ شیعوں نے آپ کو ترک شراب سے ہمیشہ مستثنےٰ قرار دیا ہے"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابتدا تشیّع سے آج تک شیعوں کی مسلسل تاریخ آپ کی زیر نظر ہے۔ اس کو دیکھ کر آپ لکھ رہے ہیں۔ مَیں آپ کو یہ بتلانا نہیں چاہتا۔ کہ فی الواقع امر بالعکس ہے۔ کہ سُنّیوں کے ہاں تو بعض اقسام شراب اعنی نبیذ (جو کی شراب) کی حلت کا فتوے ہے۔ لیکن شیعہ اس کی تمام اقسام کو نجس و حرام جانتے ہیں۔ یہاں پر آپ کے اس ریمارک کی تردید کو خود آپ کے اردو مترجم سُنّی المذہب منشی ظفر علی خاں بی۔ اے کا فٹ نوٹ جو انہوں نے عبارت مذکورہ بالا کے نیچے لکھا ہے نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔ وہ یہ ہے:۔

(بقیہ حاشیہ نمبر ۲ صفحہ ۷۸) کا دفعہ دار جو انگریزی قونسل جنرل کے ہمراہ ہندوستان سے آیا تھا۔ لاٹ صاحب اس کی بہت مدح و ثنا کرتے ہیں۔ کہ وہ ایشیائی قوم کا عمدہ نمونہ اور جرأت حکمت عملی، شہسواری، اور شریفانہ عادت کے گونا گوں اوصاف سے متّصف تھا۔ پھر خوش اعتقاد ایسا۔ کہ اس کے نزدیک کوئی قوم دُنیا میں انگریزوں کی ہمسر نہیں۔ وہ ترکمان سوار ایک رسالے کے جواہرات و مشہد کے درمیان انگریزی ڈاک کے علاوہ پہنچانے پر مامور تھا۔ سرحد کے سارق ترکمانوں کے قبیلے سے تھے۔ ان میں سے بڑا سوار نوباد گلدی نام صاحب نے اسکی اور اس کے گھوڑے کی تصویریں کھی کتاب میں درج کی ہیں۔ اس کے ساتھ آپ ہنسی مذاق بھی کیا کرتے تھے چوتھا شخص اس کا رہنے والا اگر جی گھدی نام قونسل صاحب کا ذاتی ملازم۔ انہوں نے براہ عنایت لاٹ صاحب کو بھیجدیا تھا۔ اس کو انگریزی بقدر ضرورت اور فارسی اچھی آتی تھی لہٰذا صاحب ممدوح کیلئے ترجمانی کا کام بوجہ احسن انجام دیتا تھا۔ نیز ایک باورچی ایک سائیس یہ سب لوگ روسی و ایرانی سرحد کے درمیان حضور لاٹ صاحب کی خدمت میں پہنچ گئے تھے ۱۲ منہ عفی عنہ۔

فٹ نوٹ مترجم

اہل تسنن اور فرقہ اثنا عشریہ میں جو اختلافات مذہبی پائے جاتے ہیں۔ ان کو ماکولات و مشروبات کی حلت و حرمت سے چنداں تعلق نہیں۔ اور شراب کی قطعی حرمت دونوں فریق کے نزدیک مسلم ہے اس میں شک نہیں۔ کہ ایران میں شراب کا رواج ذرا زیادہ ہے۔ لیکن اس کا باعث زیادہ تر وہاں کے لوگوں کی رنگین مزاجی قرار دی جا سکتی ہے۔ نہ مذہبی اجازت۔ غالباً اسی کثرت رواج کو دیکھ کر مصنف ممدوح نے شیعوں کے متعلق یہ عام رائے قائم کی ہے۔ ورنہ ہندوستان میں جہاں کی آب و ہوا رحجان میخواری کے منافی ہے۔ شیعوں میں شراب کا ایسا عام استعمال نہیں۔ اور یوں پینے کو سبھی پیتے ہیں۔ احکام مذہبی کے لحاظ سے اس میں کسی فرقہ کی تخصیص نہیں۔ انتہی۔ اس سے صاف عیاں ہے۔ کہ محشی کے نزدیک مصنف کی تحقیقات کے برخلاف سُنّی شیعہ مذہباً مساوی طور سے شراب کو حرام جانتے ہیں۔ اور اگر کسی خاص مقام میں کثرت شراب دیکھ کر جیسا کہ مترجم کا خیال ہے آپ نے شیعہ مذہب میں بھی حلت شراب کی رائے قائم کی ہے۔ تو یہ حضور کا طرفہ استدلال ہے۔ جیسا کہ مترجم کا یہ کہنا عجیب ہے۔ کہ ایران کے لوگ رنگین مزاج ہیں۔ اس لئے ان میں شراب کا رواج زیادہ ہے ایرانیوں کی رنگین مزاجی کے معنی ان کی شعر و شاعری کا ذوق شوق ہے۔ استعارے کے طور سے اس میں شراب کا بھی ذکر آ جاتا ہے۔ نہ کہ وہاں شراب سازی اور میخواری کی کثرت ہے۔ ایران میں رواج شریعت اور علماء کا غلبہ ہے۔ منہیات پر شدید مواخذہ کیا جاتا ہے۔ اس کی کثرت کیونکر ممکن ہے۔

شیعہ مذہب پر آپ کا ایک اور اعتراض

اسی کوچیاں کا حال لکھتے لکھتے ذرا آگے چل کر اسکی عمارات کے ذکر میں لاٹ صاحب مذہب شیعہ پر ایک اور چرکا دے گئے ہیں۔ کہ چونکہ فرقہ شیعہ کے مسلمان کافروں کو اپنی مساجد کے دروازوں میں بھی داخل نہیں ہونے دیتے۔ اور اس لحاظ سے اس خاص بارے میں حرارت دینی کے اظہار کے ساتھ دوسرے مذہبی احکام کی تعمیل سے

نمایاں طور پر پہلو تہی کر کے ایک عجیب خبط کا ثبوت دیتے ہیں۔ (چونکہ عموماً اہلسنت اپنے تئیں نماز وغیرہ مذہبی احکام کا زیادہ پابند ظاہر کرتے ہیں۔ لہذا یہ فقرہ نمایاں طور سے بتلا رہا ہے۔ کہ تیں رمضان علی افغان کا تلقین کردہ ہوں)۔ اس لئے تو یہاں اور نہ کہیں اور نہ مجھے اس سے زیادہ موقعہ ملا۔ کہ عربی وضع کے محراب دار دروازہ میں سے مسجد کے اندرونی صحن کو ایک نظر دیکھ سکوں"۔ عبارت مذکورہ سے تین امور دریافت ہوئے۔ ایک مسلمانوں کا کافروں کو اپنے معابد میں نہ گھسنے دینا۔ دوسرے خاص شیعوں کا اس بارے میں حرارت دینی کا اظہار کہ اُن کو مساجد کے دروازوں میں بھی داخل نہیں ہونے دیتے۔ تیسرے ان کا دوسرے مذہبی احکام کی تعمیل سے نمایاں طور پر پہلو تہی کر کے ایک عجیب خبط کا ثبوت دیتا ہے ۔ پہلے امر کی بابت اس قدر گزارش ہے۔ کہ کوئی شخص اپنے احکام مذہبی کی بجاآوری میں ملوم و ملزم نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اس سے دوسروں کی ضرر رسانی مقصود نہ ہو۔ دوسرے امر میں سُنی و شیعہ متساوی الاقدام آخر الذکر کوئی ایسی حرارت ظاہر نہیں کرتے۔ جس کو سُنی نہ کرتے ہوں۔ کیا کیا جاوے۔ لاٹ صاحب کو ان کے افغانی و ترکمانی اردلی نے یہ امور کچھ اس طرح تلقین کئے ہیں۔ جس میں خواہ مخواہ شیعہ مذہب کی مذمت کا پہلو نکل سکے۔ ورنہ حضور جیسے محقق جہاندیدہ حلیم الطبع ہرگز ایسی اناپ شناپ باتیں نہ لکھتے۔ دوسرے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایران میں قدم رکھنے کے ساتھ وہاں کے باشندوں کا کچھ ایسا خوف حضور دل میں بیٹھ گیا ہے یا بٹھلا یا گیا ہے۔ کہ بلاوجہ انکو ہوا سمجھ لیا ہے۔ ہرچند بعد کو رفتہ رفتہ ان کا طرز معاشرت دیکھ کر یہ وحشت کم ہوتی چلی گئی ہے۔ چنانچہ اسی کتاب میں تھوڑی دور آگے چل کر "اجنبیوں کے ساتھ برتاؤ کا طور" کی سُرخی کے نیچے آپ لکھتے ہیں۔ کہ اہل یورپ و عیسائیوں کو جس متعصبانہ عداوت کی نظر سے دیکھنے میں مشہد ہمیشہ مشہور رہا ہے۔ وہ اب بالکل رفع ہو گئی"۔ اس سے ذرا اور آگے بڑھ کر لکھتے ہیں "۔ اگر میں چاہتا۔ تو جہاں میری مرضی ہوتی۔ بلا روک ٹوک کے پیدل بھی جا سکتا تھا"۔ خواجہ ربیع کے مزار کے بیان میں لکھتے ہیں "۔ کہ مجھ کو وہاں سے چلے جانے کے لئے

معلوم ہؤا۔ کہ مقبروں پر خاص و عام کو جانے کی اجازت ہے۔ ان بیانات سے ظاہر ہے
کہ ایسے مقامات میں اندر جاتے جھجکنے کا بڑا سبب حضرت کا وہ ظنّی توہّم تھا۔ جو از خود
بیچارے ایرانیوں کی طرف سے دل میں بٹھا کر آپ ان کے ملک میں داخل ہوئے تھے۔
یا یہ کہ ضرورت سے زیادہ احتیاط و خودداری ملحوظ خاطر تھی۔ پس مقابر پر نہ جانا اور
مساجد کے بیرونی دروازوں کے اندر قدم رکھتے تھرّانا طبع زاد اندیشہ کا نتیجہ تھا۔ نہیں
تو مسجدوں میں بھی کم از کم مقام کفش کن تک تو بے کھٹکے جا سکتے تھے۔ خیر شکر ہے۔ کہ آپکا
وہ توحّش دن بدن کم ہوتا گیا۔ یعنی خود اپنے پہلے بیان کی نیچے سے تردید کرتے گئے۔
روضۂ منوّرہ کے حالات میں ان یورپینوں کو جنہوں نے اندر جا کر روضہ کی زیارت کی۔
شمار کراتے کراتے آپ لکھتے ہیں۔ کہ "سنہ ۱۸۳۰ء میں کولونی نے مسجد کے تمام حجروں کو باستثنا
اس حجرے کے جس میں مزار ہے دیکھا اور صحن میں اس کی آمد و رفت روزانہ رہتی تھی۔
اور گو اس کو پہچان لیا گیا۔ لیکن اس سے تعرّض نہیں کیا گیا"۔ اب فرمائیے۔ اس سے
آپ کا ارشاد کہ شیعہ کافروں کو اپنی مساجد کے دروازوں میں بھی داخل نہیں ہونے دیتے۔
مضمحل ہو گیا یا نہیں۔ تیسرا امر یعنی شیعوں کا دوسرے مذہبی احکام کی تعمیل سے نمایاں طور
پر پہلو تہی کرنا۔ اس سے اگر حضور کا اشارہ اپنی اسی بیان سابق کی طرف ہے۔ کہ ایرانی شیعہ شراب سے
پرہیز نہیں کرتے۔ تو اس کی حقیقت وہیں ظاہر کر دی گئی۔ کہ یہ شیعہ اور شیعہ مذہب پر ناحق کا بہتان
ہے۔ شیعہ شراب سے بچنے میں سُنّیوں سے بڑھ کر نہیں۔ تو ان سے کم بھی نہیں۔ اور
حضرت کے مترجم سُنّی المذہب کی شہادت بھی گزران چکے +

صفوی خاندان کے باقی فرمانروا مرحوم شاہ عباس اوّل کے بعد اس خاندان کی عرصۂ دراز تک ایران میں
حکومت رہی۔ اس میں اس مرحوم کا پوتا شاہ صفی[۱] عباس دوم[۲] سلیمان صفوی

[۱] شمالی صحن روضۂ منوّرہ کے جنوبی ایوان پر ایک کتبہ ثبت ہے جس میں لکھا ہے کہ اسے شاہ عباس ثانی نے سنہ ۱۰۵۹ھ میں تعمیر کرایا۔ ؎ خیابان۔

[۲] سلیمان کے زمانے میں روضۂ مبارکہ کے قبۂ زرین کی مرمت کی گئی۔ اور زر کثیر اس پر صرف ہوا۔ آگے ذکر آئیگا۔ نیز اصفہان میں ایک
عمارت ہشت بہشت نام اس سے یادگار ہے۔ اور قدم گاہ امام رضا جسکا مجمل بیان جلد اوّل میں گزرا مفصل جلد ہذا میں آئندہ اپنے موقعہ پر
آئیگا۔ بروایت صحیح اس کی عمارت اس بادشاہ کی بنائی ہوئی ہیں +

سلطان حسین صفوی ۔ شاہ طہماسپ ثانی ترتیب وار معتدبہ زمانوں تک ایران کے بادشاہ رہے ۔ مگر چونکہ ان کے زمانہائے سلطنت موضوع رسالے کا زیادہ تر سامان نہیں بہم پہنچا سکے ۔ لہذا قلم نیاز رقم ان کی تفصیل حالات سے قاصر رہا ۔ آخر بفحوائے ہر کمالے را زوالے چونکہ ہر ایک ابتدا کی ایک انتہا ہے ۔ اس بابرکت سلطنت میں ضعف آنے لگا تھا کہ اس خاندان کے آخری بادشاہ شاہ طہماسپ ثانی کے عہد میں نادر قلی نے جو بعد کو نادرشاہ مشہور ہوا ۔ قبیلہ افشار سے سر نکالا ۔ اور رفتہ رفتہ ۱۷۳۲ء میں طہماسپ اور اس کے خاندان کا اس کے ہاتھ پر خاتمہ ہو گیا ۔ البقاء للملک المعبود +

ملہ سلطان حسین صفوی کو یہ فخر حاصل ہے ۔ کہ جناب اخوند ملا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ جیسے فاضل کامل مقدس و متورع نے اس کے سر پر تاج شاہی رکھا یعنی جیسا کہ شاہ سلیمان صفوی کو ملا آقا حسین خوانساری طاب ثراہ نے بادشاہ بنایا تھا سلطان حسین کو مجلسی رہ نے تاج بخشی کی ۔ مرحوم شاہ طہماسپ اول کے زمانے سے جبکہ انہوں نے شیخ علی بن عبد العالی کرکی کو جبل عامل سے بلا کر اصفہان میں شیخ الاسلام مقرر کیا ۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا صفوی خاندان کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ ملک و بادشاہی کو اصل ملک امام غائب عجل اللہ فرجہ جانکر جو عالم اس زمانے میں علم و عمل کی رو سے سر آمد علما ہوتا اس کو نائب امام جان کر اس کے فتاوے ملک میں رائج فرماتے ۔ اور اپنے تئیں اس کا کارندہ و سپاہ سالار گنتے تھے ۔ سلطان حسین کے عہد میں مجلسی علیہ الرحمہ اصفہان میں شیخ الاسلام و نائب امام تھے ۔ اور ہر چند بادشاہ کی غفلت اور عیش و عشرت میں مصروف رہنے سے سلطنت میں ضعف آ گیا تھا مگر اخوند کے وجود ذیجود اور حسن تدبیر اور صلاح نیک سے انکی زندگی میں کاروبار بادشاہی اچھی طرح چلتے رہے ۔ انکی وفات پر بادشاہ پکڑا ۔ اور بابت بیدردی سے مارا گیا +

سلاطین مذکورہ کی مدت ہائے سلطنت کا نقشہ

نمبر	نام بادشاہ	کس سنہ سے	کس سنہ تک بادشاہی کی
۱	شاہ صفی	۱۶۲۸ء ″	۱۶۴۱ء ″
۲	عباس دوم	۱۶۴۱ء ″	۱۶۶۶ء ″
۳	سلیمان صفوی	۱۶۶۶ء ″	۱۶۹۴ء ″
۴	سلطان حسین صفوی	۱۶۹۴ء ″	۱۷۲۲ء ″
۵	طہماسپ دوم	۱۷۲۲ء ″	۱۷۳۲ء ″

رسالہ معارف

روضۂ مقدسہ کی نادری خدمات

نادر شاہ ترکمانی قبیلہ افشار سے تھا۔ ۲۸ محرم سنہ ۱۱۰۰ ہجری کو بمقام قلعہ دستجرد قریب کلات جو بعد کو کلات نادری کے نام سے مشہور ہوا پیدا ہوا۔ بہادری پشت بہ پشت آباؤ اجداد سے میراث چلی آتی تھی۔ ہوش سنبھالتے ہی تلوار ہاتھ میں لی۔ اور ملک گیری کے شوق میں تیغ زنی اور سر افشانی کی مشق کرنے لگا۔ حتےٰ کہ شدہ شدہ جہاں پہنچنا تھا پہنچ گیا۔ نادر شاہ کی ابتدا ہی تھی۔ کہ صفوی خاندان کے اقبال کا آفتاب ڈھلنا شروع ہو گیا۔ اس لئے اس کو اپنی مردانگی کے جوہر دکھانے کے لئے کھلا میدان مل گیا۔ کچھ عرصہ سے اسی ضعف سلطنت کی وجہ سے علاقہ مشہد مقدس ملک محمود ایک سیستانی سردار کے قبضۂ اقتدار میں آ گیا تھا۔ نادر کو اس مبارک بقعہ سے دلی تعشق اور مذہبی ارادت تھی۔ لہٰذا وہ اس کی فتح کے واسطے شروع سے بے چین ہو رہا تھا۔ آخر کشش و کوشش بسیار کے بعد ۱۱۳۹ھ میں شاہد مقصود سے ہمکنار ہوا۔ یعنی ارض اقدس پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ اور ملک محمود منہزم ہوا۔ اس کا وکیل مطلق کہ مایۂ فساد تھا مارا گیا۔ ملک محمود نے ترک دنیا کر کے فقیری اختیار کر لی۔ نادشاہ نے نہایت شوق و کمال اشتیاق سے خواجہ ربیع کے مزار سے احرام طواف حرم و زیارت ضریح محترم کا باندھا اور پیادہ پا وہاں پہنچ کر شرائط زیارت روضۂ مقدسہ بجا لایا۔ آرزوئے دیرینہ حاصل ہوئی۔ شکر خدا کیا۔ جب ارض اقدس پر پورا تسلط ہو گیا۔ تو حسب خواہش قدیم اس شہر لطافت بہر کو اپنا دار الخلافہ قرار دے کر ایک جماعت افشار و ساکنان ابیورد کو ہر چہار طرف اس کی حفاظت کے لئے تعین فرمایا۔ اور با طمینان رضا قلی مرزا اپنے فرزند دلبند کو مع اہل حرم اس شہر میں لا کر آباد کیا۔ اور موافق اپنے مرتبہ و مقام کے ایک حرم سرائے عالی شان تعمیر فرمائی۔ چونکہ ابتدا سے مرکوز خاطر تھا۔ کہ روضۂ عرش رتبہ میں ایک مینارہ مرتب کر کے دین و دنیا میں ثواب اندوز و سرافراز ہو۔ اس کا باحسن الوجوہ انصرام فرمایا۔

مرزا مہدی نادر شاہی مؤرخ اپنی کتاب تاریخ جہاں کشائی نادری میں لکھتا ہے۔ "چوں از مبادی حال منوی و مقصود ضمیر اقدس آں بود۔ کہ بعد از تسخیر ارض فیض نمود صفہ و منارہ آستانہ مقدسہ رضویہ مذہب و مرابدو دشود۔ لہذا حکم والا بانجام امر خیر فرجام صادر گشتہ۔ منارہ گنبد مبارک چوں بے قرینہ بود۔ منارہ دیگر در محاذات آں باوج عیّوق افراختند۔ کہ قبۂ چرخ بریں را عمود و دیدۂ مہر و ماہ را میل زراندود باشد انتہی +

نادر شاہ کا مذہب بعض مؤرخوں نے نادر شاہ کے عقیدے اور مذہب کی بابت کہا ہے۔ کہ وہ واقع میں کوئی مذہب نہ رکھتا تھا۔ نہ شیعہ تھا نہ سُنّی۔ اس کا مذہب فقط خود پرستی تھا۔ جس میں اپنا نفع دیکھتا اُسی مذہب کا اظہار کرتا۔ جب تک خاندان صفویہ سے متوسّل رہا۔ اور فتح ملک ایران مدّنظر تھا۔ اس وقت تک اپنے تئیں شیعہ کہتا۔ بلکہ اس میں تعصّب ظاہر کرتا تھا جب یہ مدّعا حاصل ہوگیا۔ اور ممالک عجم سے نکل کر افغان و ہندوستان و تاتار و روم و عرب کا قصد کیا۔ تو سُنّی مذہب کے اختیار کرنے میں مصلحت دیکھی۔ تو اس کی طرف رغبت کا اظہار کیا۔ مؤلف اوراق کہتا ہے۔ کہ کوئی مذہب اس کا ہو۔ اس میں شک نہیں۔ کہ روضۂ مبارک حضرت غریب الغربا کا اپنے تئیں کمترین خادم جانتا تھا اور آخر عمر تک اس عقیدے پر مستمر رہا۔ جب شاہ طہماسپ ثانی نے خراسان۔ مازندران سیستان و کرمان اُسے دیکر التماس کیا۔ کہ نام بادشاہی اپنے اُوپر قرار دے۔ تو نادر نے قبول نام سے انکار کیا۔ لیکن اپنا سکّہ جس میں نام نامی حضرت علی بن موسےٰ الرضا صلوات اللہ علیہ منقوش تھا۔ ملک میں جاری کر دیا۔ اس کے سوا روضۂ مبارکہ امام المشارق والمغارب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام پر جاکر گنبد اقدس و ایوان شریف کو مطلا کرایا۔ نیز دیگر نیک آثار اس بقعہ مبارک میں اس سے یادگار ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ جب زیارت کے لئے روضۂ اقدس میں آیا۔ تو حکم دیا۔ کہ زنجیر طلائی جو ایوان طلائی میں آویزاں ہے اس کے گلے میں ڈال کرلے چلیں۔ اس ہیئت سے حاضر حضرت ہوا +

نادر شاہ کا دخیل ہونا - جب کوئی عرب بادیہ نشین بیمار ہوتا ہے۔ تو وضات

مقدسہ سے کسی میں حاضر ہو کر دخیل ہوتا ہے۔ یعنی پناہ چاہتا ہے مرض سے۔ جناب عباس کے روضۂ مطہرہ میں دیکھا گیا۔ کہ ایک آدمی کی گردن میں رومال یا کوئی اور کپڑا لگا کے خدام لئے آتے تھے۔ پُوچھا تو معلوم ہُوا۔ کہ وہ شخص دخیل ہُوا ہے۔ بادیہ نشین عرب زیارت وغیرہ کم پڑھتے ہیں۔ دخیل دخیل کہتے آتے ہیں۔ مَیں خیال کرتا ہُوں۔ کہ نادر شاہ کا اس طرح آنا گناہوں سے پناہ چاہنے کے لئے دخیل بننا تھا کہتے ہیں کہ زنجیر طلا ایوان[1] کی اور ایک اور زنجیر جو ضریح اقدس پر آویزاں ہے۔ اور دونوں میں قندیلیں باندھی جاتی ہیں۔ نادر شاہ کی چڑھائی ہُوئی ہیں۔ اس سے مقصود یہ تھا۔ کہ جب روضۂ مطہرہ کی طلاکاری کی مرمت منظور ہو۔ تو اسی سونے سے ہو سکے۔ از رفیق الزائرین ملقب بہ تبصرۃ المومنین +

صاحب رسالۂ معارف کہتے ہیں۔ کہ نجف و کربلا کی زیارت کے بعد بغداد میں ٹھیر کر نادر نے شیعہ اور سُنّیوں کے معزز آدمیوں کو بُلوایا اور چاہا۔ کہ ان دونو فرقوں میں ایسا اتحاد قائم کرے۔ کہ آئندہ کسی قسم کا کوئی فساد پیدا نہ ہونے پائے۔ اور ہزارہا بندگان خدا کی جانیں جو اس تعصّب مذہبی کی نظر ہوتی ہیں محفوظ رہیں۔ مگر کچھ اثر ہُوا۔ مجبور سلطان رُوم سے اس بارہ میں خط و کتابت شروع کی۔ ان تمام تحریروں کا خلاصہ یہ تھا۔ کہ شیعہ بھی مسلمان سمجھے جائیں۔ آزادی سے حج کرنے پائیں۔ نیز خواہش کی۔ کہ سلطان بطور پیشوا، مذہب کے افغانستان و ترکستان کے حاکموں کو مذہبی تعصب دور کرنیکی تاکید فرمائے۔ اور کہے کہ آئندہ شیعوں کے فروخت کرنے کا وحشیانہ طریقہ موقوف کر دیا جائے۔ مگر کچھ نفع اس تمام دردسری پر مترتب نہ ہُوا۔ ایلچی جو پیام لے کر گئے تھے۔ ناکام واپس آئے۔ نادر شاہ کے آخر دم تک اپنے اعتقاد پر قائم رہنے کی ایک یہ بھی دلیل ہے۔ کہ اس نے اپنے اور اپنے بیٹے رضا قلی بیگ کے دفن ہونے کے لئے ایک مقبرہ حرم رضویہ کے اندر ایک ممتاز مقام پر بنوایا۔ اور ایک ضریح فولادی تیار کرائی تھی

---

[1] حقیر مؤلف اوراق ہذا مظہر الحسن الموسوی کہ سنہ حال یعنی سنہ ۱۳۳۳ھ میں زیارت عتبات عالیات سے مشرف ہُوا۔ تو مَیں نے نجف اشرف میں ایک زنجیر طلائی ایوان پیش رُوئے مبارک میں آویزاں دیکھی + ۱۲

چنانچہ اسی مقبرہ میں مرنے کے بعد دفن ہوا۔ مگر دشمنوں نے اس کی لاش وہاں رہنے نہ دی۔
اس کی ہڈیاں نکلوا ڈالیں۔ جیسا آگے آتا ہے۔ اس کی راسخ الاعتقادی یہاں تک بیان
کی جاتی ہے۔ کہ جب ہندوستان فتح کیا۔ اور وہاں سے تخت طاؤس بناکردہ شاہجہان
بادشاہ دہلی جس پر چھ کروڑ اور کئی لاکھ روپیہ خرچ ہوا تھا ہاتھ لگا۔ تو وہ تخت لاکر روضۂ
مبارکہ رضویہ پر چڑھا دیا۔ ہاں آخر میں مزاج متغیر ہوکر غصہ اس پر غالب ہوگیا تھا۔
چنانچہ اسی جوش غضب میں سب سے بڑے بیٹے رضا قلی مرزا کی آنکھیں نکلوالیں۔
پھر بہت سے امرا کو اس جرم میں کہ کیوں اس حرکت سے اُسے باز نہ رکھا مروا ڈالا۔
بڑھتے بڑھتے اس کی یہ حالت قریب بہ جنون پہنچ گئی تھی۔ ایرانیوں سے بالکل بد ظن
ہوگیا تھا۔ حتےٰ کہ ایک بار جس قدر ایرانی لشکر میں تھے۔ ایک طرف سے اُن کے
مار ڈالنے کا ارادہ کر دیا۔ لاجرم وہ لوگ جان کے خوف سے رات کو اکٹھے ہوئے
اور صلاح کر کے خیمۂ شاہی پر ٹوٹ پڑے۔ اور قبل اس کے کہ وہ انہیں قتل کرے
انہوں نے اُس کے ٹکڑے کر ڈالے۔ اور اس طرح فاتح ایران و ہندوستان وغیرہ
شجاع و اولوالعزم بادشاہ کا ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۱۶۰ھ میں خاتمہ ہوگیا۔ البقاء للہ
الودود۔ اس کے ساتھ ہی کچھ تھوڑے عرصہ بعد قبیلہ افشار کی سلطنت بھی تمام
ہوگئی۔ نادرشاہ کا بھتیجا محمد علی خاں اس کی اولاد کو قتل کر کے علی شاہ کے نام سے بادشاہ
ہوا۔ مگر ایک سال بھی نہ رہنے پایا تھا۔ کہ اس کے پوتے شاہرخ مرزا ابن رضا قلی مرزا
کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں ان لوگوں نے جنہوں نے شاہرخ کو بادشاہ
بنایا تھا۔ اسے بھی اندھا کر دیا۔ اس شاہرخ کے انتقال پر خاندان افشار بھی تمام ہوگیا۔
درحقیقت افشار قبیلہ کی سلطنت نادر ہی سے شروع ہوئی تھی اسی پر تمام ہوگئی۔

قبیلۂ قاجار

قاجار ترکوں کی ایک شاخ ہے۔ یہ لوگ غالباً شاہ عباس اوّل کے زمانے میں شیعہ
ہوئے۔ ان میں سے فتح علی خاں قاجار نے دو ہزار سواروں کے ساتھ سلطان حسین صفوی کی

امداد کی۔ اور شاہ طہماسپ دوم کی طرف سے افغانوں کے لڑکر مردمی و مردانگی کی داد دیتا رہا۔ حتےٰ کہ نادر شاہ نے اس کی زندگی کا خاتمہ کیا۔ اس کا بیٹا محمد حسین قاجار کہ نادر کے خوف سے جنگلوں میں مارا مارا پھرتا تھا۔ اس کے مرنے پر اس نے استراباد اور ایران و ترکستان کے چند صوبے فتح کرکے تاج شاہی سر پر رکھا۔ مگر کریم خاں زند نے قابو پاکر اس کو قتل کیا۔ محمد حسین کا بیٹا آقا محمد خاں بہت عرصہ تک کریم خاں کے پاس نظر بند رہا۔ اس کے مرنے پر رہا ہوکر خاندان زند کو جو تھوڑے عرصہ سے ایران پر مسلط ہوگیا تھا قتل و قمع کرکے بالاستقلال بادشاہ ہؤا۔ آقا محمد خاں کی وفات پر اس کا کوئی بیٹا وارث تخت و تاج نہ تھا۔ لہٰذا تاج شاہی اس کے بھتیجے فتح علی شاہ قاجار کے سر پر رکھا گیا۔ جو خاندان ہٰذا کا ایک مشہور معتبر فرمانروا گزرا ہے۔ اس نے قریب چالیس سال بڑے جاہ و جلال سے ایران کی بادشاہی کی۔ روضۂ مقدسہ کا طلائی دروازہ جس پر بیش قیمت جواہر جڑے ہیں۔ اس کا بنوایا اور نذر کیا ہؤا ہے اس کے علاوہ دیگر آثار خیر بکثرت اس کے یادگار ہیں +

عمارات چشمۂ علی

شاہ مبرور کے آثار سے عمارات چشمۂ علی وسط راہ مشہد و طہران میں بقریب شہر دامغان کے معروف و مشہور ہیں۔ کہ انہیں بناکر بنام حضرت صاحب الامرؑ وقف کیا ہے۔ چشمۂ علی ایک چشمۂ آب صاف و شفاف کا ایک بلند مقام سے نکلتا ہے۔ اس کے مخرج پر ایک مسطح سنگین چبوترہ اس کے اوپر ایک پتھر نصب ہے۔ جس میں نشان سم اسپ ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ یہ نشان سم اسپ امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ ہے۔ اس لئے لوگ دور دراز فاصلے سے اس کی زیارت کو آتے ہیں۔ اور نشان سم کی گہرائی میں پانی ڈال کر اس کو صحت جسم و دیگر اغراض و مقاصد کے لئے نوش جان فرماتے ہیں۔ شاہ مبرور یعنی فتح علی شاہ قاچار ۱۲۱۷ ہجری میں ازبکوں کی سرکوبی کو ماوراءالنہر کی طرف جارہا تھا۔ اثناء راہ میں اس مقام پر منزل گزیں ہؤا۔ اور چند عمارتیں شاہانہ شکوہ کی بنوائیں ازاں جملہ ایک حوض عظیم ہے۔ کہ چشمۂ مذکور کا پانی اس میں سے ہوکر جاری ہوتا ہے۔

اس کے گرد بڑے بڑے درخت چنار صنوبر بید کے لگے ہیں۔ اس کے مغرب کی جانب ایک عمارت عالی رفیع البنیان شامخ الارکان اس کے پہلو میں نہایت خوش قطع حجرے اس قرینے سے بنائے گئے ہیں۔ کہ امراء نامدار و سلاطین کامگار کے منزل و مقام کے کام آسکے۔ اس کے جنوبی سمت ویسی ہی رفعت و شان کی مسجد بنی ہے۔ اور ایک باغ دلکشا و دیگر عمارات اس سے یادگار ہیں۔ بزرگ عمارت مذکور کے ایک جانب پتھر پر یہ عبارت کندہ ہے "در حینیکہ رایات ظفر آیات والویۂ نصرت علامات بادشاہ عدالت پناہ و شہنشاہ گردون بارگاہ قہرمان الماء و الطین ظل اللہ فی الارضین المؤید بتائیدات الجبار فتح علی شاہ قاجار خلد اللہ ملکہ بعزم تسخیر و تدمیر فرقۂ ضالہ ازبکیہ باوراء النہر دارالخلافہ طہران شقہ کشا گردید۔ این مکان دلفروز مخیم خیام ظفر انجام بادشاہی شد رائے صواب نمائے بادشاہی تعلق پذیر گردید۔ کہ دراین منزل ارم مماثل عمارتے ساختہ آید۔ کہ راہروان آزار از تاب آفتاب پناہ و از رنج راہ آرام گاہ باشد۔ و وقف صحیح شرعی نمودند۔ این عمارت دلکشا را بسر کار فیض آثار حضرت صاحب الامر علیہ السلام صلوات اللہ علیہ و علےٰ آبائہ الطاہرین فی سنہ ہزار و دویست ہفتدہ ہجری ۱۲۱۷ +

پھر ایک قطعہ تاریخ مصنفہ مرزا صادق ہروی تخلص ہما لکھا ہے جس کے چند شعر یہاں نقل ہوتے ہیں ؎

خسرو انجم حشم فتح علی شہ آنکہ ہست	آسماں او را مطیع و روزگار او را دلیل
آں شہنشاہے کہ در نظم جہانداری ندید	چشم گردونش نظیر و دیدۂ عقلش عدیل
چوں بعزم ماوراء النہر شد از رے سوار	پادشاہے دل قوی از یاری رب جلیل
کرد منزل اندریں فرخندہ جائے باصفا	شد ز فیض مقدمش این چشمہ رشک سلسبیل
گشت برپا در نکو وقتے و زیبا ساعتے	از ہمایوں حکمش این دلکش بنائے بے بدیل
جست اتمام و رقم زد بہر تاریخش ہما	این بنا قصر جناں و این چشمہ آب سلسبیل

علاوہ اس مسجد میں بھی ایک قطعہ تاریخ اسی شاعر بے نظیر کا کندہ ہے۔ اس کا

آخری شعر مادہ کا یہ ہے۔ ؎

غرض چوں شد تمام از بہر تاریخش ہما گفتہ زام قبلۂ عالم نبا شد کعبۂ دیگر

سفر نامۂ شاہ ایران

الغرض فتح علی شاہ مرحوم نے ۴۶ لڑکیاں اور ۵۹ لڑکے یعنی کل ۱۰۵ اولاد صلبی چھوڑ کر ۱۸۳۴ء میں داعی اجل کو لبیک اجابت کہا۔ اس کے بعد اس کا پوتا محمد شاہ قاجار پسر مرزا عباس ابن فتح علی شاہ مذکور سر بر آرائے سلطنت ایران ہوا۔ یہ محمد شاہ ناصر الدین شاہ قاجار کا باپ تھا۔ اس نے ۱۴ سال حکومت کر کے مشہور اور نامور بیٹے کے واسطے جگہ خالی کی ۱۸۴۸ء میں شاہ کجکلاہ ناصر الدین شہید نے تخت شاہی پر قدم رکھا۔ ہکذا فی المعارف *

(تبصرہ) مشہور یہی ہے۔ کہ فتح علی خاں قاجار کو نادر شاہ نے قتل کیا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ مگر نادر کا مؤرخ مرزا مہدی کہتا ہے۔ کہ نادر نے نہیں شاہ طہماسپ کے نوکروں نے اس کے اشارے سے اُسے قتل کیا ہے۔ اور چنانچہ فارس میں بذیل ذکر مقبرہ خواجہ ربیع لکھتے ہیں۔ کہ اس کے قریب ہی حکمران خاندان کے بانی آغا محمد شاہ کے باپ فتح علی خاں قاجار کا مقبرہ ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ فتح علی خاں محمد شاہ کا باپ نہیں۔ کیونکہ محمد شاہ کا باپ آقا محمد حسن خاں تھا۔ جو کریم خاں زند کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے آگے لاٹ صاحب کہتے ہیں۔ کہ "نادر شاہ اس کا دشمن ہو گیا تھا۔ اسی کے حکم پر آغا محمد شاہ کی گردن ماری گئی"۔ یہ طرفہ خبط ہے۔ آغا محمد شاہ کی وفات ۱۷۹۷ء میں ہوئی۔ نادر شاہ اس سے پچاس سال پہلے ۱۷۴۷ء میں مر چکا تھا۔ پھر آغا محمد شاہ کی گردن مارنے کو کہاں سے زندہ ہو گیا۔ اسی نے تو بقول لاٹ صاحب نادر شاہ کی ہڈیاں نکلوائیں۔ پھر نادر شاہ کیونکر اسے مار سکتا تھا۔ ایک دوسرے مقام پر آپ اسی محمد شاہ قاجار کو وحشی خواجہ سرا آغا محمد خاں قاجار لکھ گئے ہیں۔ نہ معلوم ایسی اغلاط مصنف کی ہیں یا مترجم کی *

خاندان زند

نادشاہ کے مرنے سے لے کر اس وقت تک جب تک کہ خاندان قاجار کو سلطنت ایران پر پورا تسلط ہوا۔ اس فترات کے زمانے میں ایران کا ایک خانہ بدوش خاندان زند نامی کوئی چالیس سال تک ملک پر قابض رہا۔ فرد کامل ان کا ایک بیدار مغز بنجی۔ بُردبار شخص کریم خاں ہُوا ہے۔ گو کہ بڑا حصہ ایران کا اس کے تصرّف میں آگیا تھا۔ مگر اپنے تئیں بادشاہ نہ کہلایا۔ وکیل الرعایا اپنا لقب مقرر کیا تھا۔ اگر احیاناً کوئی بروئے خوشامد بادشاہ کہدیتا۔ تو اُس کو فہمایش کی جاتی۔ کہ آئندہ اس خطاب کا استعمال نہ کرے۔ اس کا ایک مزدور کریم خاں نام کو اس شکایت پر کہ خداوندا میرا بھی وہی نام ہے جو امیر کا ہے پھر ہمارے درمیان اتنا تفاوت مدارج کس لئے ہے بیس ہزار کا مالیتی حُقّہ جو اس وقت پی رہا تھا بخش دینا ایک مشہور و معروف قصہ ہے۔ اور الف لیلہ کے سندباد و ہندباد والی حکایت سے بہشت مشابہ ہے +

ناصر الدین شاہ کا مشہد مقدّس کی زیارت کو آنا

شاہ کامگار نے آخر ۱۲۸۴ھ میں معہ حذم و حشم و بیگمات نامدار و شاہزادگان عالی تبار و وزراء و امراء لشکر زیارت روضۂ مقدسہ امام رضا کا عزم کیا۔ اور دارالخلافہ طہران سے روانہ ہو کر منزل بمنزل سیر کناں دوشنبہ ۱۴ صفر ۱۲۸۴ھ کو کوئی دو مہینے بعد مشہد میں پہنچے۔ اہل خراسان نے بڑی دھوم سے موکب شاہی کا استقبال کیا۔ منزل طرق سے کہ دیڑھ فرسخ جانب جنوب مغرب مشہد واقع ہے۔ اور مشہد سے اصفہان و طہران کے مسافر کی پہلی منزل ہے۔ تمام راستہ میں دونو طرف آدمی ہی آدمی تھا۔ شاہی سواری جس گروہ کے نزدیک سے گزرتی۔ تو نعرۂ درود و صلوات محمدؐ و آل محمدؐ و دعائے دولت بادشاہی اس زور سے بلند ہوتا۔ کہ زمین و آسمان گونج جاتے۔ سلامی کی توپیں جو قلعۂ مشہد سے سر ہو رہی تھیں دل ہلائے دیتی تھیں۔ شہر میں داخل ہوئے۔ تو مرکان۔ دکانات۔ بازار۔ خیابان جملہ مزین و آراستہ تھے نیچے اور اُوپر کی منزل میں آدمیوں کا اس قدر ہجوم تھا۔ کہ شاہی سواری کا اس کے

درمیان سے گزرنا مشکل ہوگیا تھا۔ نقارخانۂ اعلےٰ واقدس کا شور چرخ اطلس کے پار ہوا جاتا تھا۔ لبست کے باہر خدام سرکار فیض آثار علم و بیرق ہاتھوں میں دعاء دولت برزبان صف بستہ کھڑے تھے۔ بادشاہ کسرِ نفسی سے گھوڑے سے پیادہ ہوگئے۔ اور اعلام کو بوسہ دیتے اور عہدہ داران سرکار فیض آثار سے ہر ایک کے ساتھ لطف و مدارا کرتے ہوئے صحن مبارک میں داخل ہوئے۔ جوں ہی کہ اندر قدم رکھا۔ تاج شاہی کہ مکلّل بالماس تھا سر سے اُتار کر نثار حضرت فرمایا۔ اور ایک معمولی ٹوپی زیب سر کئے آگے بڑھے۔ اور بکمال خضوع و خشوع صحن مبارک سے گزر کر آستانہ قبلۂ دین و دُنیا امام دوسرا حضرت غریب الغرباؑ پر بوسہ دیا۔ اس وقت عجب طرح کا وجد اور حالت رقّت طاری ہوئی۔ جس کا بیان طاقت قلم سے باہر ہے۔ لہذا بہتر ہوگا۔ کہ جو عبارت خود بادشاہ اس موقع پر اپنے قلم سے زیب رقم فرمائی۔ اور روزنامچہ شاہی میں درج ہے۔ نقل کردی جائے۔ وہی ہذا "بعد از برداشتن جیقہ (تاج) و تقدیم آں داخل صحن گشتیم۔ از انجا صحن بصحن و طاق بطاق تا برواق و روضۂ مطہرہ مشرف شدیم۔ حالتے روی داد کہ بوصف نمی آید۔ خداوند انشاء اللہ نصیب ہمہ مسلمین فرماید۔" اس سے ظاہر ہے۔ کہ روضۂ اقدس کی زیارت نے کس درجہ مرحوم کی طبیعت پر اثر کیا تھا۔ آخر کار بعد تقدیم مراسم زیارت و دُعا مسجد گوہرشاد آغا کا معائنہ کرتے ہوئے دروازۂ خیابان سے نکل کر محلہ سراب کی راہ ارگ (قلعہ شاہی) میں تشریف فرما ہوئے۔ حاجی قاسم طہرانی و حاجی جبار تبریزی و دیگر تاجران مشہد نے دروازہ کلاں سے اس جگہ تک جہاں فروکش ہوئے راہ میں اور اس کے دونو جانب شال کشمیری و مشہدی کا فرش بچھوا دیا تھا۔ میرزا مینا ملک الشعراء نے تہنیت ورود موکب مسعود میں بارض فیض قرین قصیدہ غرا تصنیف کیا جس کو محمد حسن خاں محقق نے بادشاہ کے حضور میں خوش الحانی کے ساتھ پڑھا۔ تمام قصیدہ سیاحت نامۂ حکیم الممالک میں درج ہے۔ یہاں انتخاب کے طور کسی قدر اشعار اس سے نقل ہوتے ہیں:۔

اے خراساں یکجہاں جان بایدت بہر نثار ‌‌ ‌ در درود موکب مسعود گیہاں شہریار

اے خراساں جہد کن ہی جاں بنفشان در رکاب ‌ شاہ گیہاں را کہ بودی سالہا در انتظار

موکب شاہنشہ فزاید خرمی بر خرمی ‌ گرچہ خود خرم بہشتے اے روان پرور دیار

تو بہشت جاودانی شاہ یک فردوس جاں ‌ اے بہشت جاوداں خوش دار شہ را شاد خوار

شاہ پوید در تو تا ساید زمین بندگی ‌ بر در شاہنشہ دیں شافع روز شمار

خسرو اقلیم امکاں مظہر یزداں رضا ‌ کز ہمایوں ذات او فر خدائے آشکار

نور حق طور تجلی زادۂ موسے کہ ہست ‌ آستانش عرش و جبریل امینش پردہ دار

سودہ بر پاک آستانش سر اعظم جبیں ‌ رفتہ از عالی رواقش خازن جنت غبار

ملک امکاں بے وجود او نیامد منتظم ‌ حصن ایماں بے ولائے او نگردد استوار

پاک یزداں پیش ازاں ایجاد ہفت اختر کند ‌ کرد جاری حکم او بر خاک و باد و آب و نار

با تولایش بساحل رفت و باعونش بحج ‌ موسئ عمراں ز دریا عیسی مریم ز دار

ہر کہ را او غمگسار اندر دو گیتی شادکام ‌ ہر کہ را او دستگیر اندر دو عالم رستگار

او خداوند است و شاہان جہانش بندہ اند ‌ خاصہ خورشید ملوک و سایۂ پروردگار

شہریار کشور ایران شہنشاہ جہاں ‌ ناصر الدین شاہ غازی خسرو خیبر شکار

شاہ جم خرگاہ و کسرے تاج و کیخسرو کمر ‌ میر کشور گیر و انجم جیش و گردوں اقتدار

آبروی خطبہ و خاتم طراز تاج و تخت ‌ کز وجودش جاوداں باشد جہاں را افتخار

باسموم قہر او گیتی خزاں اندر خزاں ‌ با نسیم لطف او عالم بہار اندر بہار

کین او زہریست جانفرسا کہ دردش بے دوا ‌ مہر او را چیست روح افزا کہ سکرش بے خمار

فارغ ست از فاقہ ہر مسکیں کہ او را در کنف ‌ ایمن ست از جور ہر عاجز کہ او را در جوار

اے طراز تاج و تخت اے خسرو فیروز بخت ‌ اے شہنشاہ جہاں اے شہریار روزگار

آستان شاہ را آفتاب آسا ببوس ‌ تا ببوسد آسماں پایۂ سریرت بندہ وار

جو دکن بر خانہ زادان ضعیف بوالحسن

خاصہ بامنیا کمیں مدحت سرائے ہشت و چار

القصہ بادشاہ ۴؍صفر ۱۲۸۳ ہجری سے ۱۷؍ربیع الاول سنہ مذکور تک ایک مہینے سے کچھ زیادہ اس ارض تقدس قرین میں مجاور و مقیم رہا۔ اس عرصہ میں اکثر اوقات روضۂ منورہ میں حاضر ہو کر شرائط زیارت بجالاتا۔ بعض اوقات نماز ہائے واجبہ پنجگانہ وہیں ادا کرتا۔ کبھی کبھی اہل حرم بیگمات شاہی زیارت کو جاتیں۔ تو حرم محترم زنانہ ہو جاتا مرد رہنے نہ پاتا۔ نیز ہنگام قیام چونکہ اصل متولی روضۂ اقدس اور راس و رئیس خادمان درگاہ کا بادشاہ ہوتا ہے۔ جملہ عمارات و مکانات درون و بیرون کا معائنہ کیا چند عمارتوں کی ترمیم و تعمیر کا حکم دیا۔ مثلاً مدرسہ مرزا جعفر کہ بے مرمت پڑا تھا۔ اس کی بابت متولی باشی کو حکم ہوا کہ اس کی آمد و خرچ منقح کر کے رقم فاضل مرمت میں لگائی جائے۔ زائد کی ضرورت ہو۔ تو خزانہ عامرہ شاہی سے برآمد کرائے ✤

بازار پہلوئے صحن مبارک کا جہاں سے شاہی سواری گزرتی تھی مضبوط سقف نہ رکھتا تھا۔ پتلی پتلی لکڑیاں ڈال کر زرسلوں سے پاٹ رکھا تھا جس سے آئندہ رونده کے لئے خطرہ سے خالی نہ تھا۔ نیز بازار کی رونق کم ہو رہی تھی۔ حکم ہوا کہ چوبی چھت دُور کر کے خشت پختہ کی محکم و استوار چھت بنائی جائے۔ علیٰ ہذا مقبرۂ خواجہ ربیع پر جہاں کہ جد مرحوم شاہ فتح علی خاں دفن تھا جا کر فاتحہ پڑھا۔ اور حکم محکم صادر ہوا کہ اس کی مرمت کرائی جائے ✤

دیگر قدیم الایام سے دستور چلا آتا تھا۔ کہ بہت سے اشخاص شاہزادگان والاتبار و امراء کامگار حتےٰ کہ چاکران دربار سے آستانہ مقدسہ کی از روئے فخر یا تبرکاً تیمناً کسی خدمت پر سرفراز ہو کر سرکار فیض آثار سے تنخواہ مقرر کراتے۔ اور چونکہ خود وہاں حاضر نہیں رہ سکتے تھے۔ تو اپنی طرف سے نائب مقرر کر کے وہ مال واگزار کراتے۔ اس طریق سے بہت سا روپیہ خزانہ سرکار کا صرف میں آتا۔ بادشاہ نے اس بیمعنی صرف کو بند کیا۔ اور صاف الفاظ میں کہدیا۔ کہ آئندہ جو کوئی یہ فخر یا برکت حاصل کرنی چاہے۔ تو اپنے نائب کی تنخواہ کا خود کفیل ہو۔ مال امام میں ہرگز یہ اسراف جائز نہ رکھا جائے۔ اور جو مال اس خرچ کا بچے۔ وہ کسی اور ضروری مصرف میں لگایا جائے ✤

بادشاہ بعض اوقات حرم محترم میں حاضر ہو کر عام خادموں کی طرح روضہ کی خدمات بجالاتا۔ اور اس کو عین اپنی سعادت جانتا۔ ایک روز شام کا وقت تھا۔ خدام شمعیں اور فانوس روضۂ ورواق وایوانات میں لے جا رہے تھے۔ معمول یہ تھا۔ کہ تھوڑی تھوڑی دور پر خادم کھڑے ہو جاتے۔ اور ہاتھوں ہاتھ چراغ پہنچاتے تھے۔ بادشاہ بھی ان کے درمیان کھڑا ہوا۔ اور بکمال عقیدت وانکسار چراغ ایک سے لیکر دوسرے کو دینے لگا۔ حتے کہ تمام چراغ اپنے اپنے محل ومقام کو پہنچ گئے۔ اس وقت خطیب نے ایک خطبہ غرا بنام سلطان اقلیم ارتضا حضرت علیؑ بن موسیٰ الرضاؑ اور بادشاہ ذیجاہ پُرشکوہ الفاظ میں پڑھا۔ اس کے خاتمہ پر تمام حاضرین سجدے میں جھک گئے۔ بادشاہ نے بھی ان کے ساتھ سجدۂ شکر ادا کیا۔ کہ سعادت عظمےٰ وموہبت کبرےٰ پر فائز ہوا۔ اور نماز مغرب و عشا پڑھکر ارک مبارک کو آیا +

ناصرالدین شاہ کوئی ۴۹ سال کافی عظمت وعزت کے ساتھ حکومت کرکے ۱۸۹۶ء میں جب کہ اس کی پچاس سالہ جُبلی کے جلسہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ دفعۃً قتل ہو گیا۔ اس کو ایک شخص محمد رضا بابیُ المذہب نے بمقام شاہزادہ عبدالعظیم جہاں وہ اکثر زیارت کو جایا کرتا تھا۔ بضرب تفنگ شہید کیا۔ اس نے فرنگستانی ملکوں میں دو تین بار سفر کرکے وہاں کے حالات معلوم کئے۔ اور زمانہ حال کی طرز ملکداری وترقی تجارت ورفاہیت ورعایا پروری کے مفید سبق لئے۔ اس نے بقول لارڈ کرزن بہادر اس نازک زمانے میں ایران کی گرتی ہوئی حالت کو بڑی پامردی سے سنبھالا۔ اور ملک کی اندرونی خرابیاں نہایت بیدار مغزی سے دور کیں۔ حق یہ ہے۔ کہ ایران میں ناصرالدین شاہ روم میں سلطان عبدالحمید اس گئے گزرے زمانے میں بہت غنیمت تھے۔ ان کی اقبالمندی وحسن تدبیر سے دونوں ملک تھمے رہے۔ وہ فرنگیوں کے روز افزوں نرغوں کی روک تھام کی۔ خاصی قابلیت رکھتے تھے۔ اب ان کے بعد ان ملکوں کا اللہ بیلی ہے۔ ناصرالدین ہی کی تربیت وتعلیم کا اثر تھا۔ کہ مظفرالدین اس کے جانشین نے بلاکسی اجبار واکراہ کے کھُلے دل سے پارلیمنٹ یعنی جمہوری سلطنت

قائم کردی۔ کہ وکلاء رعایا جمع ہو کر وضع قوانین و ملکی اصلاحیں کریں۔ مگر اس بلند حوصلہ بے نفس بادشاہ کی قبل از وقت موت نے کام بگاڑ دیا۔ اس نے ۱۹۰۷ء میں جہان فانی سے کوچ کیا۔ اگر اس ملّی حکومت کے قائم کرنے کے بعد مظفر الدّین کچھ عرصہ زیادہ قائم رہتا۔ تو یہ مجلس نشوونما پا کر اپنی مراد کو پہنچتی۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ محمد علی اس کے بیٹے کو جو اس کے بعد فرمانروا ہوا۔ جوان پا کر مفسدوں نے بہکایا۔ اور اس مجلس شوریٰ کا جانی دشمن بنایا۔ بہت سے جنگ و جدل باہم ہوئے۔ اور چیدہ اشخاص ہر طبقہ و گروہ کے ان مفسدوں میں کام آئے۔ مسجدیں مسمار ہوئیں۔ مجتہد قتل ہوئے۔ حتیٰ کہ بانی بیداد محمد علی مرزا معزول السلطنت ہو کر ملک بدر ہوا۔ اس کا صغیر السّن بیٹا احمد شاہ کے نام بنام نہاد سلطنت مشروطہ طہران میں بادشاہ بنایا گیا۔ مگر ہنوز حکومت ملّی کیل کانٹے سے درست نہیں ہوئی۔ محمد علی آئے دن روسیوں کی شہ سے حدود ایران پر حملے کر رہا ہے۔ اس کے طرفدار ملک میں سر اُٹھا رہے ہیں۔ خود روسی شمال کی جانب سے برسر فساد ہیں۔ اُدھر برٹش گورنمنٹ بھی اپنا حق ایران میں روس سے کم تر نہیں جانتی۔ اس کے جنگی جہاز خلیج فارس میں تیار ہیں۔ سب سے بڑا دشمن جو اس نوزائیدہ مجلس کو ستا رہا ہے۔ وہ بغلی گھونسا اُن کا افلاس ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ محمد علی مرزا جاتے وقت خزانہ خالی کر گیا۔ ان جواہرات کا جن کی چار دانگ عالم میں دھاک تھی اب خزانہ ایران میں نشان باقی نہیں رہا۔ مجلس حکومت خالی گھڑے میں چوہے کی طرح حیران ہے۔ لیکن ملک کی عام رائے ان کے ساتھ ہے۔ اور علماء کا ہاتھ ان کے سر پر۔ اس سے امید ہوتی ہے۔ کہ کامیابی کا سہرہ آخر کار ان کے سر پر بندھیگا۔ بشرطیکہ روس منحوس اس کا پیچھا چھوڑے۔ کاش وہ دن آئے اور جلد آئے۔ کہ ایران بھی جاپان کی طرح اپنی حالت سدھارنے اور روس کے پیچوں سے رہا ہونے میں کامیاب ہو۔ اللّٰھمّ اٰمین +

مشہد مقدّس پر بیرونی حملات

خراسان ملک ایران کا شمال مغربی سرحدی صوبہ ہے۔ اس کے شمال مشرق میں افغان

تاتاری۔ ترکمان۔ ازبک جیسے درشت خو پرخاشجو قومیں آباد ہیں۔ کہ خونریزی اور لوٹ مار کرنا ان کی جبلّی عادت ہے۔ اور بوجہ سُنّی المذہب ہونے کے خراسانی شیعوں سے قلبی عداوت ان کی خلقت میں مرتکز۔ لاجرم یہ صوبہ قدیم سے ان کی جولانگاہ اور ان کے قتل وغارت کا تختۂ مشق بنا رہا ہے۔ خاص کر جب سے سلاطین صفویہ انار اللہ برہانہم نے مشہد کی آبادی و رونق کی طرف توجہ مبذول کی۔ اور روضہ کے اندر باہر در و بام پر سونے چاندی اور جواہرات کی کنگل ہوگئی۔ تو اس فاقہ مست قلاّش قوم کی آتش جوع و حرص اور بھی بھڑک اُٹھی۔ شاہ عباس نے بمقتضائے اپنے جبلی دانشمندی اور اولوالعزمی کے جیساکہ گزرا مغربی کردوں کو ان اطراف میں لاکر آباد کیا۔ تاکہ حتے المقدور ان کی روک تھام ہو۔ ہرچند اس تدبیر سے سردست کسی قدر اُن کے حملوں کا انسداد ہُوا۔ مگر اس شورہ پشت مفسد فرقہ کا پُورا استیصال نہ ہوسکا۔ جتھے باندھ باندھ کر پہاڑی دروں اور گھاٹیوں سے بلاء ناگہانی کی طرح نازل ہوتے۔ اور جو کچھ سامنے آتا۔ اُس کو پھُونکتے۔ پامال کرتے۔ لُوٹتے مارتے۔ اور جس سرعت اور بیباکی سے آتے تھے۔ اسی طرح واپس چلے جاتے تھے۔ صفوی خاندان کے بعد نادرشاہ نے بھی ان کی آتش فتنہ کے بجھانے میں کوتاہی نہیں کی۔ اُن کے ملک کے اندر جاکر بہت کچھ ان کی سرکوبی کرتا رہا۔ مگر ان کی فتنہ انگیزی کم نہ ہُوئی۔ موجودہ شاہی خاندان کے زمانوں میں بھی وہ بدستور برسر فساد ہے۔ لارڈ کرزن بہادر اپنے سفرنامے میں لکھتے ہیں۔ کہ انیسویں صدی کے آغاز میں شمالی سرحد اپنی لڑائیوں کی وجہ سے ویران ہوجانے اور سرکش سرداران قبائل اور جنگ جُو جرگوں کے موجود ہونے اور ہرات کی سیاسی حالت بدل جانے کے باعث خراسان شاہان قاجار کے علاقہ کا کمزور ترین اور زد میں آنیوالا حصّہ ہوگیا۔ مسٹر اسٹوک نے ۱۸۶۲ء میں حسب ذیل رائے قلمبند کی ہے۔ خراسان میں جنگ و جدل ہر وقت برپا رہتا ہے۔ لُوٹ مار قتل وغارت۔ فساد و بغاوت پانچ دس بیس ڈاکوؤں کی گردن زنی ایسے واقعات ہیں۔ جو ہر ہفتے پیش آتے رہتے ہیں۔ اور قلعوں یا قصبوں کا محاصرہ

سال میں ایک دفعہ ضرور کرنا پڑتا ہے۔ اور پانچ دس سال بعد ایک بڑی جنگ پیش آیا کرتی ہے۔ انتہی +

واقعی اس بدمعاش مفسد فرقے کی یہی کیفیت رہی ہے۔ حکومت کو ہمیشہ ان کی سرکوبی کی دردسری اُٹھانی پڑی۔ اور بہت کچھ مال و رجال صرف کر کے وہاں کا انتظام درست کرنا پڑا ہے۔ آفرین ہے شاہ شہید ناصر الدین شاہ قاجار کو کہ اس نے اپنی حسن تدبیر و قہر غلبہ ان کے مقابلے میں صرف کر کے خراسان کا ایک حد تک انتظام درست کر لیا تھا۔ چنانچہ خیابان فارس میں اس کے بارے میں مندرجہ ذیل نوٹ دیا ہے "خراسان کا پورا الحاق و انضمام ممالک محروسہ شاہ کجکلاہ کے دُوسرے علاقوں کے ساتھ دس یا پندرہ سال سے عمل میں آنا بیان کیا جا سکتا ہے۔ موجود شاہ (ناصر الدین) میں گو اور کچھ عیوب سہی۔ لیکن اس امر میں تو وہ ضرور سزاوار تحسین ہے۔ کہ اس نے بلا شبہ و شک اپنے کاہیدہ مگر ابھی تک متحدہ ممالک کو خوب سمیٹا ہے۔ خاندان قاجار کے سابق کے ہر بادشاہ کے مقابلے میں اس کی گرفت صوبۂ خراسان پر زیادہ مستحکم ہے۔ اور مشہد میں اس کی ویسی ہی حکومت ہے جیسی کہ طہران میں +

تاتاریوں کے حملے

امیر تیمور گورگاں اور اس کی اولاد و احفاد کے عہد سلطنت میں چونکہ چغتائی خاندان خود تاتاری نسل تھا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ مشہد مقدس کی طرف بُری آنکھ سے بھی دیکھ لے۔ مگر سلطان حسین آخری گورگانی تاجدار کی رحلت پر کہ سنہ ۹۱۱ ہجری میں واقعہ ہوئی۔ اس کی اولاد اس عظیم سلطنت کو سنبھال نہ سکی۔ اور شیبانی خاں ازبک برابر ان سے جنگ و جدل کرتا رہا۔ حتّٰی کہ سنہ ۹۱۶ھ میں اس نے گورگانی شاہزادوں پر کامل فتح پائی۔ اور مقام فتح یابی پر مابین قلات نادری و مشہد ایک پہاڑی کے اُونچے پتھر پر حال اس فتح کا کندہ کرا دیا۔ لارڈ کرزن بہادر قلات نادری کے سیر سے واپس آتے ہوئے اس مقام سے گزرے۔ اور وہ کندہ عبارت پڑھی۔ چنانچہ منزل کاردہ کی سرخی کے نیچے آپ

لکھتے ہیں۔ کہ کچھ دُور آگے چل کر بائیں طرف کو راستے سے بیس فٹ بلند ایک بہت بڑی چُونے کے پتھر کی چٹان کی ترشی ہُوئی سطح پر بزبان عربی و فارسی ایک کتبہ ہمارے پڑھنے میں آیا۔ جس میں اس فتح کا حال مندرج ہے۔ خوشیانی محمد خاں ازبک فاتح بخارا نے کفار ایران پر ۹۱۶ھ میں حاصل کی۔ دیکھو خیابان فارس صفحہ ۲۹۴ ایران والوں کو کفار غالباً ان کے شیعہ ہونے کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ اور بہت غالب ہے۔ کہ لاٹ صاحب کا یہ اپنا لفظ نہیں۔ جو متعصب ازبک نے پتھر پر کھدوایا۔ انہوں نے وہی نقل کر دیا +

عبد المومن خاں ازبک

یہ یقینی امر ہے۔ کہ تاتاری لٹیرے مشہد مقدس پر دست تعدی دراز کیا کئے۔ اور انہوں نے خراسان کے حاکم اور رعایا کو آرام سے بیٹھنے نہیں دیا۔ مگر ترکستان کی تاریخ نہ ہونے یا کم از کم ہمارے پاس نہ ہونے سے ہم ان واقعات کو تفصیل وار نہیں لکھ سکتے۔ تاہم تحفہ رضویہ وغیرہ سے اس قدر معلوم ہوتا ہے۔ کہ گورگانی بادشاہوں کے عہد سلطنت کے جس نے پہلے مشہد میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ وہ مذکورۂ بالا عبد المومن کا فرکیش تھا۔ کیونکہ انہوں نے اس واقعہ کو بعض کتب معتبرہ سے اس طرح نقل کیا ہے۔ کہ سلاطین نامدار و خواقین کامگار اس روضۂ مقدس اور شہر اقدس کی آبادی و ترقی کے اسباب میں ساعی و سرگرم رہے ہیں۔ تا اینکہ عبد المومن خاں کافر مذہب والی بخارا نے ازبکوں کی ایک جماعت اپنے ہمراہ لے کر ۱۵۸۷ء میں ارض اقدس پر چڑھائی کی۔ اور روضۂ مبارکہ کو اس قدر غارت کیا۔ کہ شمعیں اور قندیلیں تک وہاں کی لوٹ لیں۔ اور ظروف اور فرش فروش تک نہ چھوڑے۔ شہر کو تباہ و خراب شہر والوں کو قتل کیا۔ بقیہ کو اسیر کر کے اپنے ساتھ ترکستان کو لے گیا۔ مگر حق تعالےٰ نے جلدی ہی اس کا بدلہ اُسے دیا۔ کہ عذاب عظیم سے واصل جہنم ہُوا +

نقل ہے۔ کہ جب اس مردود نے شہر میں داخل ہو کر قتل عام کا حکم دیا۔ تو اکثر لوگ حرم محترم امام رضاؑ میں پناہ گزین ہوئے۔ مگر اس کے سپاہیوں نے اندر جا کر

ان کو قتل کیا۔ بعض اشخاص نے ضریح مبارک کو ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ تو ان ملاعین نے ان کی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ کہتے ہیں۔ کہ اس وقت بعض اشراف شہر و سادات نے اس مردود کے پاس جاکر کہا۔ کہ ہم پر رحم کرو۔ اور بطفیل امام صاحب قبر بخش دو۔ تو اس نے کہا۔ ایک شیشہ پُر زآب یا گلاب گلدستہ پر لے جاؤ۔ اور وہاں سے نیچے کو چھوڑ دو۔ اگر زمین پر آکے نہ ٹوٹے اور ثابت رہے۔ تو جان لونگا۔ کہ تمہارے امام برحق ہیں۔ قتل عام بند کرونگا۔ لاجرم ایک شیشہ پانی بھر کر اوپر لے گئے۔ اور نیچے کو ڈال دیا۔ اس طرح زمین پر آیا۔ کہ ایک مقام سے لگ کر اچٹا۔ اور اُچھل کر دوسری جگہ گرا۔ مگر نہ پانی گھنڈا نہ شیشہ ٹوٹا۔ یہ معجزہ ضریح دیکھ کر قتل عام سے دست کش ہوا۔ مولانا شمس الدین محمد بدیع رضوی وسیلۃ الرضوان میں باسناد خود روایت کرتے ہیں۔ کہ جس زمانے میں ازبک شوم مشہد مقدس پر متصرف ہوئے۔ اور اموال ساکنان مشہد لوٹ لے گئے۔ تو سر طوق گنبد امام رضا بھی اُتار کر اپنے ہمراہ لیتے گئے۔ مگر جس شہر میں اس کو لے جاتے۔ بقدرت خدا و اعجاز امام رضا وہاں طاعون و وبا ہو جائے۔ جب ان شریروں کو تحقیق ہو گیا۔ کہ یہ ہماری گستاخی کی سزا ہے۔ تو سر طوق کو واپس لاکر اس کے مقام پر لگا گئے۔

افغانوں کی چھیڑ خانیاں

یہ بقعہ مبارکہ تاتاری گھوڑ دوڑوں کا دل آویز میدان بنا رہا ہے۔ تو اس کے دوسرے ہمسائے افغان بھی اس کے بارے میں اپنی طرف سے کبھی کوتاہی کے روادار نہیں ہوئے۔ وہ بھی اس درگاہ عرش پائے گاہ اور اس کے خادموں کے موذی مزاحم ہونے میں اپنے ترکستانی بھائیوں سے کچھ برابر سرابر ہی رہے ہونگے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ تاتاری ہوں یا افغان۔ ان کو وہاں کی لوٹ سے جیبیں پُر کرنے کا اتنا لالچ نہیں تھا۔ جتنا کہ اس دُور دراز حصۂ ملک میں اولاد رسول اللہؐ سے ایک شخص کی تربت کا یہ جاہ و جلال دیکھ کر ان کے سینوں پر سانپ لوٹتا تھا۔ لامحالہ یہ لوگ بار بار ہما کر اس کی بیخکنی کے لئے چڑھائیاں کرتے رہتے تھے۔ مگر

چراغے را کہ ایزد بر فروزد ✦ اگر کس پُف زند ریشش بسوزد
آج ہم دیکھتے ہیں۔ کہ تاتاری فتنہ پردازوں کا رُوسی سلطنت نے گلا گھونٹ
دیا ہے۔ اور افغانوں کا انگریزوں کے زیر اثر آجانے سے دم بند ہو گیا۔ بس
اب یہ لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔ اور روضۂ شاہ غریباں ہے
کہ اپنی اُسی آن بان سے بلکہ روز افزوں شوکت و شان سے وندنا رہا ہے۔
ہزاراں ہزار خلق خدا ہر ایک حصۂ عالم سے اُس کی ناصیہ سائی کو اُمڈی چلی آرہی ہے
سچ ہے۔ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ۔ ہم تھوڑا سا حال ان کے
حملات کا اس مقام پر تحفۂ رضویہ سے نقل کرتے ہیں:۔

شیبر غازی کا محاصرہ

۱۱۲۷ھ ہجری میں اس مردود نے اس شہر مقدس
پر حملہ کیا۔ اس کے لشکروں نے چاروں طرف سے
اس کو گھیر لیا۔ اہل شہر دروازوں کے باہر جا کر ان کا مقابلہ کرتے۔ چند مرتبہ اس کے
لشکروں نے ان کو پسپا کر کے دروازوں تک پہنچایا۔ مگر وہ پھر تازہ دم ہو کر آتے
اور جنگ کرتے۔ آخر لاچار ہو کر راہ فرار اختیار کی۔ اور بے نیل مرام واپس ہوا۔
خود شیبر غازی کا بیان ہے۔ کہ ایک مرتبہ میری سپاہ نے فشون عایا وقزلباش
کو جگہ سے ہٹا کر دروازوں تک پہنچایا۔ اور قریب تھا۔ کہ میں داخل شہر ہوں۔ کہ
ناگاہ غیب سے آواز آئی "بس کر بس کر۔ اب اپنے مقام کو واپس ہو" سُننے سے
اس صدا کے اس قدر وہم مجھ پر غالب ہوا۔ کہ اپنے تئیں ضبط نہ کر سکا۔ اور
بے اختیار واپسی کی راہ لی ✦

اسد ابدالی کا حملہ

یہ افغان سنہ ۱۱۳۰ ہجری میں فراہ وہرات کو تسخیر کر کے اس
شہر مقدس کی طرف بڑھا۔ اہل شہر تاب مقابلہ نہ لا کر شہر
کے دروازے بند کر کر شہر نشین ہو گئے۔ ایک مہینے اور پانچ روز تک محاصرہ کئے
رہا۔ اس عرصہ میں بہت سے معجزات روضۂ مقدس سے ظاہر ہوئے۔ وبا اس
کے لشکر میں پھیل گئی۔ اکثر اشخاص کے پاؤں ورم کر گئے۔ اور وہ مردود ناکام اپنا

لشکر لے کر واپس ہُوا ✦

محمد خاں افغان کی یورش

یہ یورش ۱۱۳۴ھ ہجری میں ہُوئی۔ اس بدبخت نے بہت ساز و سامان کے ساتھ ہرات سے بعزم تسخیر مشہد مقدس لشکر کشی کی۔ اور وہاں پہنچ کر دو ماہ کامل ارض اقدس کا محاصرہ کر کے اہالیٔ شہر کو طرح طرح کی ایذائیں دیتا تھا۔ قریب دروازہ نوغان باغوں اور احاطوں کے درمیان فروکش تھا۔ اور شہر سے اتنا نزدیک تھا کہ جو لوگ دروازہ اور برجوں پر تعینات تھے افغانوں کی بول چال کو بخوبی سُنتے تھے۔ غنیم برابر شہر پر گولہ باری کر رہا تھا۔ اور اس کے گولے حصار شہر سے گذر کر شہر کے اندر جاتے مگر کمتر کسی کے لگتے تھے۔ اور جو لگتے تھے ضرر نہیں پہنچاتے تھے۔ جب اس طرح کشود کار نہ ہُوا۔ تو لکڑی کے زینے بنوائے۔ اور دیوار شہر سے لگا کر ان کے ذریعہ سے شہر میں داخل ہونا چاہا۔ مگر اس میں بھی ناکامی رہی۔ متعینان برج و بارہ نے اس کی سپاہ کو مار مار کر گرا دیا۔ اس محمد خاں نے ایک دفعہ نہیں مکرر کوششیں کیں۔ مگر شہر اس سے فتح نہیں ہو سکا۔ ایک مرتبہ نردبان بنوا کر اپنے ساتھ لایا تھا۔ اور رات کو دیوار شہر پناہ سے لگا کر اس کے آدمیوں نے چڑھنا چاہا۔ اُوپر والوں نے بندوقیں سر کیں۔ اور پٹھان نیچے گر گئے۔ اس وقت وہ خود سوار ہو کر اپنے آدمیوں کو ترغیب و تحریص کرتا تھا۔ خاص کر تنکہ و یموت قبیلہ کے لوگوں کو کہ اس کے ساتھ آئے تھے ان کو بہت عتاب سے خطاب کیا۔ مگر انہوں نے کہا۔ اہل حصار بیدار ہیں اور بندوقیں مارتے ہیں۔ کیونکر اُوپر جائیں۔ پس خائب و خاسر اپنے مقام کو گیا۔ اور پیرونی ایذا رسانیوں پر قناعت کی ✦

شاہان ایران کا ان کی سرکوبی کرنا

یہی نہیں کہ فرقہ اشرار ہی ہمیشہ ایران کو دق کرتا رہا ہے۔ بعض اوقات جب ایرانیوں کو موقعہ ملا۔ تو انہوں نے بھی ان سے بدلا لینے میں کمی نہیں کی۔ ان کے معرکے رستم و اسفندیار کے وقتوں سے زبان زد خاص و عام ہیں۔ متاخرین میں نادر شاہ

نے ماوراء النہر پر فوج کشی کر کے اس کو زیر کیا۔ اور اس قدر مجبور کیا۔ کہ ابو الفیض خاں والئے بخارا نے خیمہ نادری میں آ کر تاج شاہی اس کے پاؤں پر رکھ دیا تب تاج بخشی ہوئی۔ ایسا ہی اولو العزم عالی ہمت بادشاہ نے افغانوں کو بھی خوب سبق دئے ہیں۔ ملاحظہ ہو تاریخ ملکم حال نادر شاہ۔ آغا محمد خاں قاجار نے یموت فرقے کے ترکمانوں پر جو استر آباد کے قرب و جوار کے میدانوں میں آباد ہیں زوردار حملے کئے۔ اور ان کے مسکنوں سے واقف ہو کر ان میں سے سیکڑوں کو تہ تیغ کیا۔ بہت سے اسیر ہوئے۔ جو عورات و اطفال ہاتھ آئے اُن کو لونڈی غلام بنایا +

عباس مرزا کا انتقام لینا

فتح علی شاہ قاجار کے عہد میں اس کے ولیعہد عباس مرزا نے کہ محمد شاہ کا باپ اور ناصر الدین شاہ کا دادا ہوتا ہے۔ ان پر چڑھائی کی۔ اور شہر سرخس کا کہ اس وقت ان لٹیروں کا مسکن تھا محاصرہ کر لیا۔ انہوں نے دو لاکھ تومان تاوان دے کر نجات چاہی۔ مگر سیر چشم شاہزادے نے بکمال حقارت اس رقم کے لینے سے انکار کیا۔ اور مصمم ارادہ کر لیا۔ کہ ہو سو ہو۔ میں اس قتل و غارت کے کمینگاہ کو خاک میں ملا کر رہونگا۔ پھر ایک حملہ کیا۔ اور ایک دن کے اندر اندر اس کو سر کر لیا۔ اور حکم دیا۔ کہ شہر کو لوٹ کر اس میں آگ لگا دیں چنانچہ غارتگری کے بعد زمین کے ہموار کر دیا گیا۔ بہت سے باشندے مارے گئے۔ باقی تین ہزار قیدی بنائے۔ مال غنیمت کا کچھ عد و حساب نہ تھا۔ آج کل کے کسی بادشاہ کو ایسی بیش قیمت لوٹ ہاتھ نہ آئی ہو گی۔ سونے کے بورے کے بورے بھرے ہوئے تھے۔ اور انواع و اقسام کی قیمتی اشیاء کے انبار لگ رہے تھے۔ درحقیقت یہ قزاقوں کی بڑی کمیں گاہ تھی۔ جو مال یہاں سے دستیاب ہوا۔ اور جو سپاہیوں نے علیحدہ لوٹا اس کی یہ کیفیت تھی۔ کہ صرف سونا ہی چار لاکھ پونڈ کے قریب تھا۔ یہ بیان ایک انگریز سیاح لی فریزر نام کا ہے۔ لارڈ کرزن اس کو کسی قدر مبالغہ آمیز گنتے ہیں۔ لیکن بدیں لحاظ دلچسپ سمجھے گئے ہیں۔ کہ اُسی زمانہ کے قریب کا ہے۔ یعنی ۱۸۳۴ء میں لکھا گیا +

ناصر الدین شاہ کے عہد کا ایک واقعہ

شاہ شہیدؒ کی پچاس سالہ حکومت کی مفصل تاریخ ہمارے پاس نہیں۔ لہذا نہیں بتا سکتے۔ کہ اس وقت کن کن موقعوں پر ان نابکاروں نے خراسان میں لوٹ مار مچائی۔ اور کتنے بے گناہوں کو پکڑ کر لے گئے۔ اور نہ یہ معلوم ہے۔ کہ کتنی مرتبہ ان کے ساتھ افواج شاہی کی مونڈ بھیڑ ہوئی۔ اور کس طرح ان کی سمتوں کا بدلا لیا گیا۔ صرف ۱۲۸۳ہجری کا ایک واقعہ جبکہ بادشاہ چونتیس روز متواتر ارض اقدس اور مشہد مقدس میں ٹھیرنے کے بعد عازم مراجعت ہوئے۔ سفرنامہ شاہی سے نقل ہوتا ہے۔ واضح ہو۔ کہ شاہ کجکلاہ بجائے اس کے کہ راہ سابق سے جس سے آئے تھے رجعت قہقری فرماتے دراشمال کی طرف آگے بڑھے۔ پھر مغرب کو گھوم کر سرحدی صوبۂ ایلخانی[1] کا دورہ کیا۔ اوّل ضلع قوچان متعلقہ امیر حسین خاں شجاع الدولہ کا معائنہ ہوا۔ پھر اس کے مغربی علاقہ بجنورد کی طرف کہ حیدر قلی خاں سہام الدولہ ایلخانی کے زیر حکومت تھا عنان عزیمت منعطف ہوئی۔ بجنورد ابھی ایک منزل پر تھا۔ کہ اثناء راہ میں سنا۔ کہ فرقہ سفاک نے شجاع الدولہ ایلخانی کی غیبت کو جبکہ وہ بادشاہ کی مشایعت میں اپنے دار الحکومت سے جدا تھا غنیمت جان کر ان اطراف میں دست درازی کی اور وہاں کے چند اشخاص کو قید کر کے لے گئے۔ اس خبر کے سننے سے غیرت سلطانی حرکت میں آئی۔ قلق و سحاب لاحق حال ہوا۔ سہام الدولہ مامور ہوا۔ کہ شجاع الدولہ والی قوچان کو معہ ایک دستہ فوج شاہی ہمراہ لے کر اس طرف متوجہ ہوا۔ اور اس قوم مورد لوم کو چار طرف سے اس طرح دباوے۔ کہ راہ فرار ان پر مسدود ہو جائے۔ لاجرم نام بردگان

[1] پہلے گزرا۔ کہ شاہ عباس نے مغربی اطراف کے کردوں کو لا کر خراسان کی سرحدوں پر آباد کیا تھا۔ انہی کردوں کی آبادکی ہوئی بستیوں میں دو بڑے قصبے کوچان اور بجنورد ہیں۔ کوچان میں زعفران لو قبیلے کے اور بجنورد میں شادلو فرقہ کے کرد آباد ہیں۔ ان پر ایک ایک خان حکومت کرتا ہے۔ جسے ایلخانی کہتے ہیں۔ ان کا تقرر ہر چند بادشاہ کے حکم سے عمل میں آتا ہے۔ مگر عموماً اسی سلسلہ سے اس کا انتخاب ہوتا ہے۔ شاہ کے سفر کے زمانہ میں کوچان میں امیر حسین خاں الملقب بہ شجاع الدولہ و بجنورد میں حیدر قلی خاں سہام الدولہ ایلخانی تھے + ۱۲

بمقام بجنورد کیمپ شاہی سے جُدا ہو کر ہ شب میں ۵۳ فرسنگ راہ طے کر کے دہنہ گرگاں پر منزل گزیں ہوئے۔ اس جگہ تمام امرا، سرداران لشکر کو جمع کر کے بادشاہ کے حق نمک کا واسطہ دیکر عہد واثق لیا۔ کہ کل موقعہ جنگ پر حمیت و شجاعت سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرینگے پھر سوار ہو کر شبا شب چار فرسنگ مسافت کر کے بوقت طلوع صبح صادق ترکمانی پڑاؤ کے نزدیک جا پہنچے۔ پہلے ایک مقام پر ٹھہر کر فریضہ صبح ادا کیا۔ پھر ان جفا کاروں کے خیموں میں جہاں وہ مثل بخت خفتہ خود بے خبر سوئے ہوئے تھے۔ داخل ہو کر اسیر و غارت میں مصروف ہوئے۔ ابھی بہت تھوڑا کام کرنے پائے تھے۔ کہ وہ لوگ بیدار ہو کر ان کے مرد بھاگے۔ اور نالہ پار ہو کر اکٹھے ہونے لگے۔ اتنے میں دیگر ترکمان کہ رات کو راہ زنی کرنے گئے تھے۔ واپس آکر ان میں شامل ہوتے گئے۔ حتےٰ کہ چار سے مرد جنگی بلکہ مسلح و مکمل ہو کر لشکر منصور کی طرف بڑھے۔ سرداران ایلخانی شجاع الدولہ و سہام الدولہ نے کہ چند سوار ار دلی میں لئے علیحدہ کھڑے تھے۔ یہ صورت دیکھی۔ تو کمین گاہ سے نکل کر پکارا۔ کہ بہادر و کیا لوٹ پر پڑے ہو خیموں سے نکلو۔ اور دشمن کے ساتھ مصروف کا ازار ہو۔ پس لڑائی شروع ہو گئی۔ اور ساڑھے چار گھنٹے برابر گیر و دار میں گزرے۔ ہنوز دو پہر نہ ہوئی تھی۔ کہ میدان حرب دشمنوں سے صاف ہو گیا۔ دو سے مردان کے مارے گئے۔ اور ایک ہزار زن و مرد و اطفال سر پنجہ اسیری میں قید ہوئے۔ اور مال بے حساب از نقد و جنس لشکر نصرت اثر کے ہاتھ آیا۔ بادشاہ نے اثنا راہ میں یہ خبر سُنی۔ تو شگفتگی خاطر و سرور قلب سے سجدہ شکر بدرگاہ خدا ادا کیا۔ ادھر سے سرداران ایلخانی مظفر و منصور اسیر دل اور مقتولوں کے سروں کو ہمراہ لے کر متوجہ خدمت ہوئے۔ تا اینکہ منزل کاشی دار پر قبل اس کے کہ دائرہ دولت وہاں پہنچے ورود ہو کر تمام قیدیوں کو سر راہ جہاں سے کہ شاہی سواری گزرنے والی تھی صف بستہ کھڑا۔ تاکہ ملاحظہ اشرف سے گزریں۔ اور دیکھنے والوں کے لئے باعث عبرت ہوں۔ جب موکب منصور اس جگہ پہنچا۔ تو مذکور الصدر سرداروں کو قریب طلب کر کے لطف و عنایت بے غایت مبذول فرمایا۔ اور منزل پر پہنچ کر سب کو انعام و اکرام بے پایاں سے بہرہ ور کیا۔ اور حکم عالی نافذ ہوا۔ کہ جس قدر

طلاء و نقرہ و دیگر اسباب کہ لوٹ کے موقعہ پر غازیان لشکر کے ہاتھ آیا ہے۔ سب
ان کو واگزار کیا جاوے۔ کوئی شخص حتّٰی کہ ان کے افسر بھی ان سے متعرض نہ ہوں
اور فرمان در بارہ حاضر کئے جانے اسیروں کے یُوں صادر کیا۔ کہ جس نے
جس قدر اسیر گرفتار کئے۔ اتنا ہی اس کے عہدہ و منصب میں ترقی کی جاوے۔
ایک گھنٹہ دن باقی رہے ترکمانی عورات و لڑکے لڑکیاں خرگاہ سلطانی میں حاضر
کئے گئے۔ چونکہ طبع اشرف رحم و رافت پر مجبول ہے۔ اور دوست و دشمن کے
ساتھ مروّت و احسان سے پیش آنا آپ کی عادات سے ہے۔ وہ لوگ جماعت
امراء و وزراء و خدام حرم پر منقسم ہوکر تاکید اکید کی گئی۔ کہ ان کے ساتھ رفق و مدارا
کریں۔ اور سلوک و احسان سے پیش آویں۔ اور حوائج زندگی خورش و پوشش میں
ان کو اپنے برابر جانیں +

ان قیدیوں میں ایک عورت ہندی نژاد تھی۔ جس کو چند سال قبل ان ظالموں نے
عباس آباد کے راستے میں گرفتار کیا تھا۔ اس کے سب آدمی مار دئے گئے تھے تنہا
وہ ان کے سرپنجۂ ظلم میں اسیر رہی۔ اور بنہایت کرب و مشقت میں زندگی بسر کرتی تھی۔ اس
کے ظاہر حال سے کمال تقدس و [illegible] ہی عیاں تھی۔ اپنے رہا ہونے پر اس طرح
وجد و سرور کا اظہار کرتی تھی۔ کہ باد[illegible] کو اس کی وضع و حالت بہت ہی پسند خاطر
ہُوئی۔ اس کو انیس الدولہ (ہندوستان میں دولہ کا لقب مردوں سے مخصوص ہے۔
ایران میں ظاہراً مرد و عورت دونوں کے اُوپر یکساں طور سے استعمال ہوتا ہے) کو کہ
بیگمات شاہی میں امتیاز خاص رکھتی تھی عطا کیا۔ کہ ان کے سایۂ عاطفت میں امن و
آرام پا کر دُعاء دولت میں مصروف ہو۔ غرض ترکمان قیدی امراء و خدام شاہی کے
پاس رہ کر زحمت و خستگی سے آزاد ہو گئے۔ اتنا احسان و محبّت ان کے ساتھ برتا
جاتا تھا۔ کہ ننگ اسیری کو بالکل فراموش کر گئے۔ تعجّب کرتے تھے۔ کہ ان کی حالت
ایرانی قیدیوں سے جو ترکمانوں کے دست تعدّی میں پھنسے ہُوئے ہیں کیسی متضاد ہے
وہاں بالکل رنج و مصیبت ہے تو یہاں تمام راحت و آسائش + روزنامۂ حکیم الممالک +

مشہد مقدّس پہنچنے کے راستے

یُوں تو ارضِ اقدس اور بقعہ مقدّس کی زیارت کو آنے والے بہت سے راستوں سے آتے رہتے ہیں۔ مگر بڑی اور معروف سڑکیں تین چار سے زیادہ نہیں۔ سب میں اعظم اور آباد وہ سلطانی راستہ ہے۔ جو دار الخلافہ طہران وغیرہ سے اس طرف کو آتا ہے۔ اس سڑک کو جیسا پہلے ذکر ہُوا۔ شاہ عباس اوّل نے بہت کچھ درست کیا مسافروں کی آسائش کے لئے کارروان سرائیں پانی لینے کو کوئیں کاریز جابجا تعمیر کرائیں۔ جن سے خلق خدا آج تک نفع اُٹھاتی ہے۔ ایران کے چند قدیم و معروف شہر نیشاپور سبزوار۔ شاہ رود دامغان۔ سمنان وغیرہ اس راستے میں پڑتے ہیں۔ بڑا حصّہ اہل ایران کا اور جملہ قافلہ ہائے زوّار جو کربلا و نجف وغیرہ کی زیارت سے فارغ ہو کر مشہد مقدس کا قصد کرتے ہیں۔ بلکہ حجّاج حرمین شریفین بیشتر اسی راستہ سے گزرتے ہیں۔ مرحوم ناصر الدّین شاہ قاچار کا سنہ ۱۲۸۴ ہجری کا مشہور سفر مشہد جس کی بابت سفر نامہ لکھا گیا اسی راستہ سے ہُوا۔ پھر لارڈ کرزن بہادر سنہ ۱۸۹۰ء مطابق سنہ ۱۳۰۷ھ اس کے ۲۳ سال بعد۔ پھر مرزا ابراہیم بیگ تاجر مصری مشہد ہو کر اسی راہ سے طہران گئے۔ لہٰذا ان سفر ناموں میں بہت کچھ اس راستے کے حال درج ہیں۔ اخوند مرزا قاسم علی نے زاد الزائرین میں لکھا ہے۔ کہ کاظمین علیہما السّلام سے چل کر چودہ منزلیں علاقہ سلطان رُوم میں طے کر کے خالقہ میں پہنچتے ہیں۔ اور وہاں سے پچاس منزلیں مملکت ایران میں کرمان شاہ اور قم و طہران کو ہوتے ہُوئے مشہد تک گی ہیں۔ یعنی تمام منزلیں مابین کاظمین و مشہد چھپّن ۵۶ ہیں۔ مگر قافلہ چونکہ راہ میں جابجا ایک ایک دو دو روز قیام کرتا ہے۔ لہٰذا اڑھائی پونے تین مہینے میں منزل مقصود کو پہنچتا ہے۔

چونکہ ایران میں سال کے اکثر حصّہ میں گردباد اندھیاں چلتی رہتی ہیں لہٰذا مسافروں کو بہت تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے۔ علاوہ ازیں زیادہ راہ کوہستان ہونے سے سڑک برائے نام ہے۔ ورنہ اکثر مقامات پر ہمارے ملک کی بٹیا اور گوہر سے زیادہ وقعت

نہیں رکھتی۔ پیچ در پیچ لہردار پہاڑوں کے گرد چکر کاٹتی کہیں اونچی کہیں نیچی جگہ کو اس طرح گئی ہے۔ کہ شتر۔ گھوڑا۔ خچر۔ گدھا ہی اس کو طے کر سکتے ہیں۔ گاڑی کا گزرنا دشوار بلکہ بعض مقامات پر ناممکن ہے۔ اور گو جب سے ماوراالنہر کے ملکوں پر روسی قبضہ ہوا ہے۔ ازبک و ترکمانوں کا ویسا اندیشہ نہیں رہا۔ جیسا کہ پہلے تھا۔ تاہم شاید ایسا امن و اطمینان نہ ہوگا۔ جیسا کہ ہمارے ملک ہندوستان میں بزیر سایہ گورنمنٹ انگلستان ہم کو حاصل ہے۔ آگے قافلوں کے ساتھ شاہی سپاہ کے دستے جایا کرتے تھے۔ تب راستہ طے ہوتا تھا۔ مگر مرحوم ناصر الدین شاہ نے اس مفسد قوم کو سنگین سزائیں دیں۔ اب ان امور سے بہت کچھ اصلاح ہوئی۔ غرض یہ راستہ قدیم ہے۔ کہ ہمیشہ سلاطین کبار و خواقین نامدار کا جائے مرور و عبور رہا ہے۔ اور حجاج و زوار صبح و شام اس سے آتے جاتے ہیں۔ وہ نہ بادہائے مخالف کی پروا کرتے ہیں۔ نہ سیدھی اور ہموار سڑکیں ڈھونڈتے ہیں۔ جو زحمت کہ اس راہ میں ہوتی ہے۔ اس کو کسب حسنات کے لئے صبر و تحمل سے برداشت کرتے ہیں۔ ہندوستانی زائر بھی جو کہ دورہ کی زیارات کے بعد حضرت غریب الغرباء کی زیارت کے شیدا ہوتے ہیں انہی قافلوں میں ملے جلے مشہد کو جاتے ہیں۔

قافلوں کی ہیئت

لارڈ کرزن بہادر اس سڑک سے اپنے سفر کا حال لکھتے لکھتے افادہ فرماتے ہیں۔ کہ روزمرہ کے سفر میں زائروں کی جو تعداد اکثر میرے دیکھنے میں آئی۔ اور جنہوں نے مشہد کی سڑک گویا اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے۔ ان کی یاد مجھے شوق دلاتی ہے۔ کہ ان کی کیفیت اضافہ کرنے سے اپنے بیان میں نرالا پن پیدا کروں۔ زائروں کی جماعتوں کے سفر کا رخ اس سمت کے مقابل تھا جس میں سفر کر رہا تھا (آپ کا سفر مشہد سے طہران کو تھا۔ قافلے اس طرف کو آتے تھے) بعض اوقات میلوں سے کوئی کارواں پہنائے وسیع پر آہستہ آہستہ حرکت کرتا ہوا نظر آتا تھا۔ جب یہ کارواں قریب تر پہنچتا تھا۔ تو زائروں میں کسی متقی یا خوش الحان شخص کی آواز قرآن کی کوئی آیت پڑھتے ہوئے سنائی دیتی تھی۔ یا کوئی زیادہ زندہ دل مسافر کسی ایرانی استاد کے اشعار گاتا ہوا سننے میں آتا تھا۔

جب اس قافلہ کا سب سلسلہ بالکل پاس آجاتا تھا۔ تو اس میں گوناگون راکب انواع واقسام کے مرکب نظر آتے تھے۔ متموّل اور خوش حال لوگ گھوڑوں پر سوار قلیان کا دم لگاتے جاتے تھے۔ کچھ لوگ اُونٹوں پر سوار تھے۔ خچر بھی بہت تھے۔ جن پر کجاوے لدے ہوئے تھے (سفرنامے میں کجاوے دار خچروں کی عکسی تصویر بھی ہے)۔ لیکن بوجھ اُٹھانے میں عام طور سے گدھا ہی دیکھا جاتا تھا۔ غریب زائروں کے لئے یہ معمولی بات ہے۔ کہ پیدل سفر کرتے ہیں۔ اور جب تھک جاتے ہیں۔ تو کچھ دُور کے لئے گدھے پر سوار ہو جاتے ہیں۔ ہر ایک قافلہ کا ایک کارروان باشی یعنی قافلہ سار ہوتا ہے۔ جس کی علامت اکثر یہ ہوتی ہے۔ کہ ایک پرچم سُرخ جو ایک نیزہ پر لہراتا ہے اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ مرد اپنے بڑے بڑے رُوئی دار فرغلوں میں جس سے ان کا سر تک ڈھکا تھا اور جن کی خالی آستینیں دونوں طرف بغلوں پر سے بڑے بڑے کانوں کی طرح سے نکلی ہُوئی تھیں لپٹے ہُوئے جارہے تھے۔ اور بسا اوقات اُن کے چہروں کا پہچاننا مشکل تھا۔ اگر مَردوں کا پہچاننا مشکل تھا۔ تو ان نیلے سوت کے ہیولائی تودوں کا پہچاننا جو گدھوں کی پیٹھ پر لدے ہُوئے تھے۔ اور بھی زیادہ مشکل تھا۔ اور میری حمیّت مجھے اجازت نہ دیتی تھی۔ کہ مَیں ان کا انسانی الاصل ہونا باور کروں؂

لاٹ صاحب کا چھچھوراپن

اس جگہ جوانی کے الھڑپنے میں آکر آپ نے اپنی خویشتن داری متانت سنجیدگی بلکہ پرہیزگاری و پاکدامنی تک کو خیرباد فرما دیا۔ چنانچہ بیان مذکورہ بالا کے بعد ہی اپنی سرگزشت اس طرح زیب تن فرماتے ہیں۔ کہ "ایک بار دو موقعہ پر جب ایک اس طرح کے قافلے کے پاس سے مَیں گزرا۔ تو مَیں نے جان بُوجھ کر گھوڑے کو مہمیز لگائی۔ اور سرپٹ دوڑایا کیونکہ گدھوں کا اپنے پیچھے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سُنکر دولتیاں جھاڑتے ہُوئے راستے سے کترا کر بھاگ جانا اور جو بیڈول پودے (پردہ نشین عورتیں) ان پر لدے ہُوئے تھے ان کا ہلنا اور ڈگمگانا اور آخر میں چیخیں مارنا اور نقابوں کا ان کے چہروں سے اتر جانا اور اپنی سواری پر سے نیچے گر پڑنے کے خطرے میں مبتلا ہو جانا ایسا سماں تھا۔ کہ کوئی

دیکھے۔ اور ہنسی کے مارے جس کی اشد ضرورت تھی۔ اور جس سے لطف اُٹھانے کیلئے
اس قدر محنت کی تھی۔ پیٹ میں بل پڑ پڑ نہ جائیں۔ انتہی۔ ضعیف اور کم زبان فرقۂ اناث
پر اس طرح جابرانہ حملہ کر کے ان کو جان جوکھوں میں ڈالنا اور اس پر قہقہے لگانا مردان اولو
الابصار کے نزدیک پرلے سرے کی بزدلی اور کمینہ پن ہے۔ اور حضور اعلے کی متانت و
وقار سے بمراحل دور۔ اور پردہ دار مستورات کے چہروں سے نقاب کو کوشش اور
محنت کر کے ہٹانا اور اس پر لطف اُٹھانا بہت کچھ حضور کی عفت و پاکدامنی میں بٹہ لگاتا
ہے۔ اگر میرے سامنے جناب کی اس حرکت کا کوئی اور ذکر کرتا۔ تو بنظر آپ کی شائستگی و
سنجیدگی اور ایک پرفیکٹ جنٹل مین (مرد کامل الشرافت) ہونے کے مَیں اس کے باور
کرنے میں بہت کچھ پس و پیش کرتا۔ بلکہ عجب نہیں۔ کہ راوی کی تکذیب اور جھٹلانے
میں سعی وافر بجالاتا۔ مگر اب جب کہ یہ واقعہ خود اپنے قلم سے حضور تشریح فرما رہے ہیں۔
تو بجز افسوس اور کیا کیا جاوے۔

دوسرا راستہ سڑک مذکور کے مقابل کی جانب کا

وہ یہ ہے۔ جو مشہد مقدس سے شمال مغرب کی طرف شہر کوچان کو ہوتا ہوا سرحد ملک
ایران سے گزر کر روسی ماوراء النہری ریلوے کے ایک معتبر سٹیشن عاشق آباد سے جا ملتا ہے
روس نے ترکمانوں سے لڑ کر ۱۸۸۱ء میں ان کا ملک فتح کیا۔ تو اسی وقت سے وہاں ریل
نکالنے کا ڈول ڈالا۔ تا اینکہ بہت جلد دشوار گزار مقامات سے ایک لمبا سلسلہ ریل کا تیار
کر لیا۔ یہ سلسلہ بحر خضر کے مشرقی ساحل کی بندرگاہ اذن ادا باد وزون ادا سے شروع
ہو کر ایران کے شمال مغربی سرحد کے متوازی تین سَے میل تک چلا گیا ہے۔ اور عاشق آباد
سے گزر کر سمرقند و بخارا تک پہنچتا ہے۔ مملکت روس کو اس ریل کے اجراء سے عظیم نفع پہنچا
اس کے وسط ایشیا کے مقبوضات پر اس کے ذریعہ سے پورا تسلط ہو گیا۔ اور ان ملکوں میں

اس کی تجارت وسیع پیمانے پر جاری ہوگئی۔ کیونکہ تمام یورپ اور ایشیا کا بڑا حصہ اس کی وجہ
سے ان ملکوں سے پیوستہ ہوگیا۔ لارڈ کرزن بہادر نے ۱۸۹۰ء میں ایران کا سفر کیا۔ تو
اسی ریلوے کے ذریعہ عاشق آباد تک۔ اور وہاں سے اس سے اُتر کر مشہد پہونچے۔
یہ راستہ بڑا آباد اور دُور دُور کے مسافروں کی گزرگاہ ہوگیا ہے۔ کیونکہ بلخ۔ بخارا سمرقند۔
تاشقند وغیرہ وغیرہ کے مسلمان حج کے لئے اس ریل سے براہ استنبول و مصر عرب پہنچتے
اور پھر اسی راستہ کو واپس آتے ہیں۔ پس ان تمام اطراف کے شیعہ زائروں کے لئے
بھی جو ان ملکوں سے آئیں یہ راستہ کارآمد ہے۔ عاشق آباد ترکمانی رُوسی علاقہ ۱۳ میل
تک ہے۔ اس کے بعد ایران کی قلمرو میں داخل ہوتے ہیں۔ جو کوچاں تک پچپن ۵۵ میل
اور وہاں سے مشہد تک ۹۶ میل پس کُل فاصلہ مشہد سے عاشق آباد تک ۱۶۴ میل
ہے۔ ترکمانی حد تک روس نے سڑک بنائی ہے۔ آگے مشہد تک شاہ ایران کی طرف سے
بنی ہے۔ لاٹ صاحب کے سفر کے زمانے میں وہ صرف گھوڑے خچر کا راستہ تھا۔ مگر
بعد کو اس کی حالت زیادہ سُدھری۔ کہ گاڑیاں چلنے لگیں۔ چنانچہ مرزا ابراہیم بیگ نے یہ
مسافت گاڑی چہار اسپہ میں طے کی۔ جس وقت یہ ملک کا فدائی وطن کا عاشق زار سرحد
ایران میں داخل ہوا۔ تو کوچان سے کہکر گاڑی کو ٹھہروایا۔ اور نیچے اُتر کر ایک مشت خاک
وہاں کی اُٹھائی۔ اس کو بوسہ دے کر آنکھوں سے لگایا۔ اور اس طرح اس سے خطاب کیا۔
اے تربت پاک و اے کحل الجواہر دیدہ نمناک شکر خدائے راکہ دیدارت بمن روزے شد و
دیدہ بدیدار تو ام روشنائی گرفت تو ئی کہ در مہد ناز خود مارا پروردی۔ و نیاز و عزت نشو و نما
دادی۔ ہنجار و ورزش محبت تو حق ترا ادا نتوانم کرد۔ چہ آں حق بسیار عالی و بزرگ است۔
ایں است کہ شارع مقدس اسلام علیہ و آلہ افضل الصّلوٰۃ و اکمل التحیات در میزان حق شناسی۔
حُبّ ترا ہم سنگ ایمان قرار داد۔ دیگر من وصفِ تو چہ گویم کہ در خور قدر بلند تو باشد۔

اخوند مرزا قاسم علی لکھنوی اس کے بعد کے زمانے کا حال اپنے سفرنامہ میں یوں
رقم طراز ہیں۔ کہ عاشق آباد سے مشہد تک اُرادہ گاڑی ایرانی چلتی ہے۔ یہ مسافت پانچ
روز میں طے ہوتی ہے۔ اس راہ میں ہر منزل پر کارواں سرائے پختہ تاجران ایرانی کی بنا کردہ

موجود ہے۔ بعض مسافر قاطروں پر بھی آتے جاتے ہیں +

عاشق آباد

اس کے حال میں فرماتے ہیں۔ کہ شہر خوب آباد ہے۔ زیادہ تر اہل عجم بستے ہیں۔ جن کی زبان فارسی ہے۔ اور مجالس عزاداری عمدہ ہوتی ہیں

مرزا صاحب نے گاڑی و قاطر کا کرایہ مابین مشہد و عاشق آباد بھی درج کیا ہے۔ مگر چونکہ شرح کرایہ ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔ ہم نقل نہیں کرتے +

ہندوستانیوں کا تعلق راستہ مذکورہ سے

ہندوستانی زائروں کے لئے یہ راستہ اس وقت کارآمد ہو سکتا ہے۔ جب کہ بغیر مشرف ہونے زیارت عتبات عالیات کے براہ راست مشہد مقدس جائیں۔ یعنی یہ دور دراز مسافت صرف جہاز و ریل میں طے کریں۔ وہاں سے جہاز میں سوار ہو کر براہ عدن و سویس پورٹ سعید کو پسینجر جہاز سے ۱۷ روز میں ڈاک سے گیارہ روز میں پہنچینگے۔ بمبئی سے عدن تک بحر ہند ہے۔ اور عدن سے سویس تک بحر قلزم سویس آبنائے ہے۔ جو پیشتر براعظم ایشیا و افریقہ کے درمیان خاکنائے ہوتی تھی۔ اس کو کھود کر آبنائے بنائی گئی ہے۔ نہایت پُر لطف سیرگاہ ہے۔ بڑی صنعت سے اس میں جہاز مرور کرتا ہے۔ شب کو نہایت عمدہ روشنی کی جاتی ہے۔ اس آبنائے کے پرے شمالی کنارے پر پورٹ سعید بحیرہ روم کا ایک معروف مصری بندرگاہ ہے۔ یہ شہر خوب آباد و بارونق ہے۔ عموماً عربی و ترکی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ پورٹ سعید سے استنبول دارالخلافہ روم تک رومی جہاز جاتا ہے۔ جو پندرہ یوم میں وہاں پہنچتا ہے۔ یہ مسافت اس کے ذریعہ سے طے کرے۔ استنبول سے بحیرہ اسود میں مختلف فرنگستانی کمپنیوں کے جہاز چلتے ہیں۔ باطوم کا ٹکٹ لیکر ان سے کسی ایک جہاز میں سوار ہو۔ باطوم پہونچنے میں پانچ شب و روز صرف ہونگے۔ باطوم سے باکو تک خشکی کا راستہ ۵۶۰ میل لمبا ہے۔ اسی رو سے ریلوے کے ذریعہ قطع کرے۔ درمیان میں طفلیس قدیم و مشہور شہر واقع ہے۔ چاہے تو ٹھہر کر اس کی سیر کرے۔ باطوم اور باکو مٹی کے تیل کی تجارت کے لئے مشہور ہیں۔ اس کی بڑی بھاری تجارت ہوتی ہے۔ باکو سے بحیرہ

خضر عبور کرنے کے لئے پھر جہاز میں سوار ہو تقریباً ۲۴ گھنٹہ میں یہ مسافت بحری طے ہو کر اذن ادا کے بندرگاہ پہونچتے ہیں۔ اذن ادا سے عاشق آباد تک روسی ماوراء النہری ریل میں جو ساڑھے تین سے میل تک ایران کی شمال مغربی سرحد کے برابر برابر چلی گئی ہے۔ لارڈ کرزن نے ۱۸۹۰ء میں یہ فاصلہ ۱۹ گھنٹہ میں طے کیا تھا۔

تیسرا راستہ غالب جنوبی سمت کا ہے

مشہد سے چل کر بندر عباس واقع ساحل خلیج فارس پر ختم ہوتا ہے۔ اسکی دو شاخیں ہیں۔ ایک کرمان۔ رہوار۔ نہند اور تون سے ہوتی ہوئی گزرتی ہے۔ اور ۹۴۰ میل لمبی ہے۔ قاطروں پر چالیس اور شتر پر چھتر یوم میں طے ہوتی ہے۔ دوسری راہ یزد میں سے ہو کر گزرتی ہے۔ کبھی کبھی سوداگر لوگ اس لئے یہ راہ دور اختیار کرتے ہیں کہ ان کو بار برداری حاصل کرنے میں ادھر آسانی ہے۔ اور یزد کے پُر رونق بازار میں انہیں موقعہ مل جاتا ہے۔ کہ اپنا مال نفع سے فروخت کریں۔ ہندوستانی زائر بھی اس راہ سے جاتے ہیں۔ اس طرح پر کہ اپنی جائے سکونت سے ریل میں سوار ہو کر کراچی بندر اور وہاں سے جہاز کے ذریعہ سے بندر عباس میں پہونچتے ہیں وہاں سے اس راستہ سے مشہد کو جاتے ہیں بخلاف ان کے جو پہلے عتبات عالیات کا قصد کریں۔ وہ کراچی سے سوار ہو کر بصرہ میں جہاز سے اُترینگے۔ اور وہاں دوسرے چھوٹے جہاز میں سوار ہو کر دجلہ کی راہ بغداد پہونچیں گے۔ اور وہاں سے کاظمین سامرہ۔ کربلا و نجف اشرف کی زیارت سے مشرف ہونگے۔ اور وہاں سے قم اور طہران کے راہ جیسا پیشتر لکھا گیا۔ مشہد مقدس پہونچ جائینگے۔ بہر کیف یہ راستہ ہموار مگر بعض مقامات میں دشوار گزار ہے۔

چوتھا راستہ مشہد سے ہرات کا ہے

ہرات مشہد سے جانب مشرق براہ تربت شیخ جام و غوریان کوئی سوا دو سے

میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مومنین افغانستان اہل بربر۔ بنگش۔ قزلباش اور بعض کشمیری اس راہ سے مشہد آتے ہیں۔ اگلے وقتوں میں جب ہرات گورگانی بادشاہوں کا پایہ تخت ہونے کی وجہ سے ترقی کے معراج پہنچا ہوا تھا۔ اور ان لوگوں کا کیا بنظر انتظام ملکی اور کیا اعتقاد مذہبی کی رو سے ارض اقدس سے گہرا تعلق تھا۔ تو یہ راستہ بجید آباد اور رونق دار تھا۔ اب بھی ہزاروں زائر ان اطراف کے اس سے آتے رہتے ہیں۔ اور گاہ بیگاہ کوئی ہندوستانی ہمت والا قافلہ بھی اس سے جا نکلتا تھا۔ بموجب تحریر مرزا قاسم علی صاحب لکھنوی کے کہ وہ ہنگام واپسی از مشہد اب سے ۲۳ سال پہلے اس راہ کو آئے تفصیل منازل حسب ذیل ہے۔ مشہد سے ہرات تک ۱۰ منزل اور ہرات سے قندھار ۲۰ منزل اور قندھار سے قلعہ عبداللہ ۴ منزل۔ قلعہ عبداللہ تک ریل ہندوستانی گئی ہے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اگر چروہ دار و شتربان کاہلی نہ کریں اور تبدیلی حصول راہداری و پرمانجات میں تاخیر و تعطل نہ ہو۔ تو ایک ماہ بارہ یوم میں یہاں قافلہ پہونچے۔ مگر معمولی طور سے سوا دو مہینے کا توقف ہو جاتا ہے۔ حقیر مؤلف کہتا ہے۔ کہ اگر امیر کابل کا تعصب مذہبی اور افغانوں کی مزاحمت سدّ راہ نہ ہوتی۔ تو پشاور سے براہ کابل سیدھی ہرات پہنچ سکتے تھے۔ لیکن سرکار انگریزی نے کچھ عرصہ سے راستہ مذکورہ کے جنوب کی طرف کو ایک اور راستہ نکالا ہے۔ جسے ہم راہ جدید سے تعبیر کرتے ہیں +

راہ جدید مشہد بنا کردۂ سرکار انگریزی

یہ راستہ کوئٹہ اور مشہد کے درمیان ۱۸۹۷ء کے شروع میں کھولا گیا۔ کل فاصلہ ۱۱۰۰ میل کا اس طرح پر ہے۔ کہ کوئٹے سے نوشکی تک ۹۰ میل۔ نوشکی سے قلعہ رباط تک جہاں سے ایران کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ ۴۷۳ میل۔ قلعہ رباط سے نصرت آباد تک ۳۰ میل اور نصرت آباد سے مشہد تک ۵۰۵ میل۔ یہ سڑک پختہ ہے۔ اس پر گاڑیاں چل سکتی ہیں۔ ہر منزل پر مناسب فصل سے مسافروں کے آرام کے لئے جا بجا کنوئیں موجود ہیں۔ اور کارواں سرائے اور دوکانیں ہیں۔ اور راہ میں لٹیروں اور ڈاکوؤں وغیرہ کی طرف سے کسی قسم کا اندیشہ نہیں۔ کوئٹہ اور مشہد کے درمیان ہفتہ میں دو مرتبہ ڈاک آتی جاتی ہے

قیمت طلب پارسل کا طریقہ بھی جاری ہے۔ کوئٹہ سے نشکی۔ چاغی۔ نصرت آباد ہر چند ان مقامات پر انگریزی افسر متعین ہیں تاجروں اور سیاحوں کی آسانی کے خیال سے۔ نوشکی نصرت آباد بر چند اور مشہد میں سرکار انگریزی کی طرف سے بینک کے ایجنٹ مقرر ہیں۔ اور روپیہ بینک کے ذریعہ سے کوئٹہ سے مشہد کو بھیجا جا سکتا ہے۔ اس راستہ کے کھلنے سے ہندوستانی تجارت کو بہت فروغ ہو رہا ہے ✤ از خیابان فارس ✤

شہر مشہد مقدس

اب ہم اس مشہد مقدس عالی شان شہر کے بیان پر پہونچتے ہیں۔ جس کے وسط میں وہ مقناطیسی طاقت (روضۂ مطہرہ امام ضامن ثامن) موجود ہے۔ جو ہمیشہ اور ہر وقت خلائق کو چاردانگ عالم سے اپنی طرف کھینچتی رہتی ہے۔ پروفیسر ویمبری ساکن ہنگری کہتا ہے۔ کہ روضہ کے سنہری گنبد اور مینار اس کے گرد و نواح کے سبزۂ زار دور سے ایسے معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے شہر ایک روشن نگینہ ہے۔ جو سبز رنگ کی حلقہ انگشتری میں جڑا ہوا ہے۔ مجھ کو جب اس خوب صورت نظارہ کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ تو اس میں ایسا محو ہوا۔ کہ اپنے تئیں بھول گیا۔ دیکھو سفرنامہ ویمبری ✤

شہر کی فصیل

دیوار خام جو شہر کو محیط ہے۔ بقدر بیس فٹ بلند جس کی موٹائی جڑ میں نو فٹ مگر اوپر پہونچتے پہونچتے گاؤدم ہو کر چار فٹ سے زیادہ عریض نہیں رہی۔ اس کے اوپر ایک فٹ کی منڈیر۔ اس کے اوپر تھوڑی تھوڑی اور برابر فاصلے سے برجیاں۔ گوشوں پر آگے کو نکلے ہوئے برج۔ مگر کہنگی کے آثار نمایاں۔ دیوار کے نیچے بیرونی جانب خندق پایاب پانی کی۔ اس کے باہر یعنی محاصرہ کرنے والوں کی طرف ایک چھوٹی سی دیوار خام کھنچی ہوئی۔ اس کے باہر اول سے اور پوری دوسری خندق لیکن امتداد زمان۔ اور مرمت کے نہ ہونے سے دونو یکساں کہنہ ہو کر اکثر مقامات میں باہمدگر متمائز نہیں رہتیں۔ اس دیوار کے طول کے بیان میں مختلف اندازے لگائے گئے ہیں کسی نے ۳½ میل کہا کسی نے ۴ میل بتایا ہے ✤ خیابان فارس۔

دروازہ ہائے شہر شہر پناہ کے پھاٹک جن میں سے گزر کر شہر کے اندر داخل ہوتے ہیں کُل چھ ہیں۔ دو دروازے مقابل یکدگر معروف بہ دروازۂ بالا خیابان و پائین خیابان۔ یہ بازار خیابان نام کے جو شہر کو دو حصوں میں منقسم کرتا ہے۔ دونوں سروں پر واقع ہیں۔ ایک شمال مغرب دوسرا شہر کے جنوب مشرق میں ہے۔ تیسرا دروازہ نوقان بسمت قریہ نوقان بسمت قریہ نوقان قدیم کے۔ چوتھا عیدگاہ کا۔ پانچواں دروازہ سراب۔ چھٹا ارک (چھوٹا قلعہ) کا کہ جنوب مغربی دیوار کی طرف واقعہ ہے +

ارک مشہد یہ چھوٹا قلعہ صوبۂ خراسان کا حاکم نشین شہر کے غرب میں ہے۔ جس کی دو دیواریں شہر کی طرف دو صحرا کی سمت میں دو دروازے رکھتا ہے۔ وسعت اس کی کچھ زیادہ نہیں۔ طہران کے قلعہ سے ایک تہائی ہوگا۔ اس کے اندر کی عمارات ایک سرباز خانہ (فوجی سپاہیوں کے رہنے کا مکان) ایک قورخانہ (سلاح خانہ) اور میدان مشق۔ لیکن توپ خانہ بیرون قلعہ اس کے متصل ہے۔ فوج کی قواعد اس جگہ ہوتی ہے۔ دیوانی عمارات درون قلعہ مرحوم ولی محمد میرزا اور نائب السلطنت طاب ثراہ کے زمانہائے حکومت میں بنائے گئے۔ اور بعد کو دیگر حکام اس میں تصرفات کرتے رہے۔ اس میں دو دیوان خانے ہیں۔ ایک بڑا کہ تبریز کے دیوانخانے سے بہت مشابہ گویا دونوں ایک معمار کے بنائے ہوئے ہیں۔ دوسرا کوچک اس میں ایک تالار اور حوضخانہ سقف دار جس کی ہوا نہایت خوشگوار۔ ناصر الدین شاہ ہنگام قیام بلدہ مشہد وں کو اسی حوض خانہ میں رہتے تھے۔ اس دیوان خانے کے اوپر ایک بالاخانہ سہ منزل کا جس کے اوپر چڑھ کر عمارات شہر اور صحرا بیرون شہر نظر آتا ہے۔ اس دیوان خانہ سے آگے بڑھ کر عمارات اندرونی بیرونی نظارہ عالی۔ دو خلوت اور حمام اس کے پہلو میں ایک برج جس کو کلب حسین خاں امین نظام نے تعمیر کیا۔ اور نظر انداز رکھتا ہے + سفرنامہ شاہ ایران۔

قونسل خانہ انگریزی دار الحکومت کے نزدیک ہی غرب کی طرف کو ایک بڑا

احاطہ ہے۔ جس کے صدر دروازے پر گورنمنٹ برطانیہ کا سرکاری نشان اور فوجی
جھنڈے کا پھریرہ لہراتا ہے۔ اندر کا مکان بھی انگریزی روش کا ہے۔ اس احاطہ
میں ایک وسیع باغ قسم قسم کے پھلوں پھولوں سے لدا ہوا ہے۔ یہ جدید عمارت ہے۔ لارڈ
کرزن بہادر کے سیاحت کے زمانے یعنی ۱۸۹۱ء میں روسی قونسل خانہ تو بیرون شہر
ایک فراخ اور خوشنما عمارت کی صورت میں تھا۔ مگر برٹش قونسل خانہ کوئی شاندار نہ تھا۔
شہر کے اندر وار ایک مبتذل مکان میں ہوتا تھا۔ لاٹ صاحب اسے دیکھ کر بہت زچ وپیچ
ہوئے۔ اور فوراً انہوں نے ٹائمز آف لنڈن انگریزی اخبار کو جس کے نامہ نگار ہو کر
آپ ایران گئے تھے مراسلہ لکھا کہ "یہ امر نہایت نازیبا ہے۔ کہ برطانوی قونسل جنرل
ایسے پست رتبہ و ذلیل مکان میں بود و باش رکھے۔ گورنمنٹ کا فرض ہے۔ کہ اپنے سفیر
کی شان اور حیثیت کے موافق فوراً ایک ایسے مکان کا انتظام کرے۔ جس سے یہاں
کے باشندوں کے دلوں میں ایک عظیم الشان اور دولت مند طاقت کا رعب بیٹھ
سکے"۔ اس تحریر کا یہ اثر ہوا۔ کہ ایک معقول رقم اس کے واسطے منظور ہوئی۔ اور ایک قطعہ
زمین خرید ہو کر اس پر موجودہ عمارت بنائی گئی۔ روسی قونسل خانہ چونکہ ابتدا ہی سے اچھی
حالت میں تھا۔ بدستور ہے +

بازار خیابان

یہ ایک فراخ اور طولانی بازار ہے۔ جس نے شہر کو دو حصوں
میں تقسیم کیا ہے۔ کوئی اسّی ۸۰ فٹ کا چوڑا دو میل کا لمبا شہر کے
شمال مغرب سے شروع ہو کر اس کے جنوب مشرق کی طرف کو چلا گیا ہے۔ اس کے
بیچوں بیچ ایک نہر ۱۲ فٹ یعنی ۴ گز چوڑی بہتی ہے۔ جو پانی لینے اور نہانے اور کپڑے
دھونے کے کام آتی ہے۔ اس کے کناروں پر دونوں طرف شہتوت اور چنار کے
سایہ دار درخت لگے ہوئے ہیں۔ نہر اور سڑکوں کے درمیان فصل کے لئے چھوٹی
چھوٹی دیواریں۔ پہلے یہ دیواریں اور نہر کے پل پختہ پتھر کے بنے ہوئے تھے۔ مگر
امتداد زمانہ سے کہنہ ہو کر حال میں بجائے دیواروں کے لکڑی کے کٹھرے اور تختوں
کے پل ڈالے گئے ہیں۔ غرض یہ بازار بلحاظ اپنی وسعت اور درمیانی نہر اور دو طرفہ

راستوں کے بہت کچھ دلّی کے چاندنی چوک سے مشابہ ہے۔ اس کی دوکانات اکثر دو منزلہ ہیں۔ اُوپر کی منزلوں میں زیادہ تر درزی مشینوں سے کپڑے سیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ عمارات روضۂ مقدسہ چونکہ وسط شہر میں ہیں۔ لہذا بازار کے دو حصّے ہوگئے ہیں۔ شمال مغربی حصّہ کہ سر اقدس کی سمت ہے۔ اسے بالا خیابان اور جنوب مغرب کا حصّہ کہ پائیں پائے مبارک ہے پائین خیابان کے نام سے نامزد ہے۔ جو مومنین راہ نیشاپور سے گزر کر راہ سلطانی سے آتے ہیں۔ خیابان بالا سے اور کابل۔ قندھار و ہرات کے آنے والے پائین خیابان سے آتے ہیں۔ حرم روضہ کہ بست کہلاتا ہے۔ بازار سے اس میں داخل ہونے کو دو پھاٹک دو طرف لگے ہوئے ہیں۔ اُن سے گزر کر بست کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ دونوں پھاٹکوں کے درمیان نہر کو پاٹ کر ایک مربع مکان بنادیا گیا ہے۔ یہ بازار جس قدر روضۂ اقدس سے نزدیک ہوتے گئے ہیں۔ اسی قدر ان کی رونق بڑھتی گئی ہے۔ ان میں ہر قسم کے میوے۔ انگور۔ سیب بہی۔ انجیر۔ زرد آلو۔ خربوزے۔ تربوز گلابی وغیرہ غرض ہر فصل کے میوے ان کی فصلوں میں خوش سلیقگی سے دوکانوں پر چُنے رہتے ہیں۔ دوکاندار ایک خاص صدا کے ساتھ ہر چیز کو پکار پکار کر بیچتے ہیں ترکاری بیچنے والے اپنی آوازیں الگ لگاتے ہیں۔ انگور مشہد میں انواع و اقسام کا ہوتا ہے۔ بوجہ کثرت اس کو عام پھلوں کی طرح ٹوکروں میں بھر کر بیچتے ہیں۔ یہ میووں اور ترکاریوں کا بازار زیادہ تر بست کے اندر کے حصّہ میں ہے۔ متفرق دوکانیں بزازی اور پرچون و پنساری وغیرہ کی کچھ اندر زیادہ باہر دُور تک چلی گئی ہیں۔ یہ پُرانا بازار سب کھُلا ہوا ہے ؎

بازار جنب مسجد گوہر شاد یہ مسجد کے دہنی جانب کا خاص بازار ہے۔ جو تقریباً میل بھر لمبا ہوگا۔ تمام عمدہ دوکانیں علے الخصوص کپڑے کی اس بازار میں بہت ہیں۔ اور روسی ساخت کی اشیاء ہر ایک ضرورت کی دستیاب ہوتی ہیں۔ دوکاندار اپنی دوکانیں عمدہ طریقہ سے سجاتے ہیں۔ کپڑے اعلےٰ قسم کے ریشمی و غیر ریشمی۔ آرائش مکان کی چیزیں۔

شیشہ آلات وغیرہ ساخت روس انبار در انبار موجود رہتی ہیں۔ ان کے علاوہ مشہد کی مقامی ساخت کی اشیاء جن کو زوار تبرک کے طور سے خرید کرتے ہیں مثلاً تعویذ انگوٹھیاں۔ چھلے۔ فیروزے کندہ وغیر کندہ یہاں بکثرت فروخت ہوتے ہیں۔ اور بہتات سے خرید ے جاتے ہیں۔ اور پہلے گزرا کہ اس بازار کی چھت چوبی کہنہ تھی۔ شاہ غفران پناہ ناصر الدین قاجار نے ۱۲۸۳ ہجری میں اس کی بجائے پختہ اینٹوں کی مضبوط بنوائی۔ اس بازار سے مسجد کے اندر دو دروازے کھلتے ہیں*

بازاروں کی رونق اور ہجوم

ان بازاروں میں عام اہل شہر اور روضہ کے خادموں اور بیرونی زائروں کی ایسی کثرت رہتی ہے۔ کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ اور راستہ چلنا دشوار ہوتا ہے۔ سودے والوں کی چیخ پکار اور آدمیوں کی بول چال سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔ مختلف قوموں اور ملکوں کے مختلف حیثیت کے لوگ یہاں دیکھنے میں آتے ہیں۔ بقول لارڈ کرزن بہادر کہیں سفید عمامہ باندھے شاندار مولوی کسی طرف مفلوک و پریشان حال درویش لحیم شحیم سوداگر۔ مفلس پھٹے پرانے کپڑوں والے زائر۔ سبز عماموں والے سید۔ دہکا دکا ایکا دوکا کوئی سنی۔ ورنہ سب جھڑان شیعہ۔ امام کی محبت و اعتقاد کے جام سرشار کے نشہ میں چور۔ سیاہ ابرو افغان ہے تو خوشرو جوان ازبک۔ دولت مند عرب۔ تندخو وحشی بدو ہندوستانی تاجر۔ کوہستانی زاہد۔ تاتاری مغل۔ غرض ہر قسم اور ہر انداز کے آدمی بازاروں میں دکھائی دیا کرتے ہیں*

وہاں کی شائستگی

پروفیسر ویمبری کہتے ہیں۔ کہ امام رضاؑ کے مزار مقدس کے گرد کئی سو قدم تک بہت زیادہ رونق رہتی ہے۔ مگر لطف یہ ہے۔ کہ باوجود ہجوم آدمیاں کیا مجال ہے۔ جو کسی کو کسی قسم کا نقصان پہونچے۔ اس بھیڑ میں بھی ایک قسم کی باقاعدگی پائی جاتی ہے۔ جس کو یورپین آنکھ محسوس نہیں کر سکتی۔ چنانچہ اس جھگڑے میں انسان بلاخوف و خطرہ جہاں جانا چاہتا ہے۔ وہیں پہنچ جاتا ہے۔ اور درون روضۂ مقدسہ کے حال میں کہتے ہیں " ایک اور عجیب بات میں نے یہاں

دیکھی۔ کہ اس خانقاہ (روضۂ مبارکہ کو خانقاہ کہنا اس لفظ کا صحیح استعمال نہیں۔ کرزن صاحب نے بھی ہر جگہ اس کو خانقاہ ہی کہا ہے) میں بڑے امراء خان زادے اور کردجو دُور دُور سے آئے تھے۔ اور غریب کسان سب برابر تھے۔ رتبہ یا درجہ کی کوئی تمیز نہ تھی۔ اصفہانی شیرازی پاک باطن ترک اور خونخوار بختیاری اور کرد سب خوش عقیدت والوں پر یکساں حالت طاری تھی +

بازار بزرگ بالا خیابان و پائیں خیابان کے سوا دیگر بازاروں کے یہ نام ہیں۔ بازار بزازاں۔ بازار کفاشاں۔ بازار کلاہ دوزاں۔ زرگراں۔ حجّاراں (سنگ تراش) وغیرہ وغیرہ +

بسنت پہلے گزرا۔ کہ عمارات روضۂ مقدسہ بازار خیابان کے درمیان حائل ہیں۔ اندر جانے کے واسطے راہ بزرگ پھاٹک ہے۔ پس یہ چار دیواری اور اس کے درمیان کا رقبہ سب حریم یا حرم اور فارسی میں بسنت کہلاتا ہے۔ اس کے ایک پھاٹک سے دوسرے جنوب مشرقی پھاٹک تک جو تھائی میل سے کم فاصلہ نہ ہوگا۔ مغربی دروازہ پر نقار خانہ رہتا ہے۔ اسی کی چوٹی پر ایک گھنٹہ کلاں انگریزی ساخت کا نصب ہے۔ جو اہل شہر و حرم والوں کو ٹھیک وقت بتلاتا ہے۔ بسنت کے احکام سے ایک یہ ہے۔ کہ جو مجرم[1] اس کی حدود کے اندر داخل ہو جائے۔ پھر کسی کی مجال نہیں۔ کہ اس کو وہاں سے

---

[1] لارڈ کرزن بہادر اس مقام کے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ کہ ایران میں متبرک مقامات و مساجد کے سوا اور مواقع بھی محل امان ہیں۔ مثلاً شاہ یا شاہی خاندان کے اراکین کے اصطبل۔ بعض نے کہا ہے۔ کہ شاہی محل کا دروازہ اور بادشاہ کا مطبخ بھی جائے امان ہے۔ گھوڑے اور اصطبل کی خصوصیت کی وجہ حد سے زیادہ توجہ ہے۔ جو اس ملک میں اس جانور پر مبذول کی جاتی ہے۔ اس کو بڑے شوق سے پالتے اور اچھی نسلیں نکالتے ہیں۔ بنا بریں ہر شخص شہسواری میں دخل رکھتا ہے۔ لاجرم والئے ملک کے نزدیک بھی وہ سب سے زیادہ شے ہے۔ ایران میں ایک ضرب المثل ہے۔ کہ وہ گھوڑا جس کے سوار نے اس کی حرمت کا لحاظ نہ رکھا ہو۔ اپنے سوار کو کبھی فتح و نصرت کا منہ نہ دکھائیگا۔ سلامتی کا مقام گھوڑے کا سر ہے۔ اگر کھلی ہوا میں بندھا ہے۔ تو پناہ گیر اس کے نکتے کے چھونے سے امن میں

پکڑ سکے۔ یا کسی اور طرح سے ایذا پہنچا سکے جب تک کہ آپ اس سے باہر نہ آئے۔ آدمی تو آدمی جانور تک وہاں مامون ہیں۔ یعنی ہر شخص وہاں ٹھیر کر اپنے دشمن سے مخلصی کے لئے از تاوان وغیرہ کی شرائط طے کر سکتا ہے۔ قاآنی شاعر حرم محترم رضوی اور صاحب حرم کی شان میں کہتا ہے۔ ؎

امام ضامن ثامن حریمش چوں حرم امن + زمیں از خرم او ساکن سپہر از عزم او پویا

دُوسرا حکم لاٹ صاحب کے نزدیک اس حرم کا یہ ہے۔ کہ کفار و مشرکین کو اس کی حدود کے اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ اِلّا یہ کہ بہ تبدیل لباس مسلمان بن کر جائیں۔ حتیٰ چنانچہ اسی وجہ سے چونکہ آپ کی حمیّت اور مذہبی غیرت نے مصنوعی طور پر بھی مسلمان بننے کی اجازت نہ دی۔ وہ اندر نہیں گئے۔ صرف ایک رہنما کی مدد سے جس مقام تک بازار کی چھتوں پر سے ہوتے ہُوئے گئے۔ وہ آپ کے خیال میں بست کے اندر واقع تھا۔ جہاں سے اس متبرکہ عمارت کو بخوبی دیکھ سکتے تھے۔ اس کے بعد آپ کہتے ہیں۔ کہ اگر مجھے کوئی خاص امتیاز خاص ہُوا۔ تو وہ یہ کم مایہ امتیاز ہے۔ کہ جہاں تک میرا علم ہے مشہد کی چاردیواری کے اندر جو پہلا انگریز ممبر پارلیمنٹ داخل ہُوا۔ وہ مَیں ہُوں۔ یہ عبارت متن کی ہے۔ مترجم صاحب نے اس کے حاشیے میں لکھا ہے۔ کہ اس وقت تو مصنّف ممدوح ممبر پارلیمنٹ

(بقیہ حاشیہ نمبر ا صفحہ ۱۲۰) ہو جاتا ہے۔ جب سے توپخانے کا رواج ہُوا۔ اس وقت سے اس کا احاطہ بھی یہی حکم رکھتا ہے۔ اور توپ کے چھونے سے بھی امان ملتی ہے۔ انتہی۔ واضح رہے۔ کہ یہ خیالات خواہ کسی حد تک حتمی اور واجب العمل ہوں۔ مگر حرم کعبہ و روضات رسول خدا و ائمہ ہدیٰ صلوات اللہ علیہم کی حرمت ان خیالی منصوبوں سے بالاتر ہے۔ ایران وغیر ایران کی ملکی رسوم کو اس میں دخل نہیں۔ ان مقدس مقاموں میں امان ملنے کا ماخذ فقط مذہبی محترمات کی معتقدانہ تعظیم اور احکام خدا کی خود بارہ تعمیل ہے + ۱۲ منہ عفی عنہ۔

ل ایک مقام پر آپ لکھتے ہیں۔ کہ فریزر صاحب ۱۸۳۲ء میں درگاہ کے اندر داخل ہُوا۔ اور مزار تک پہنچ گیا کیونکہ اس نے ایک بار سے زیادہ کلمۂ شہادتین دُہرایا۔ اور ملاؤں کے آگے کہا۔ کہ مَیں نے مذہب اسلام قبول کر لیا ہے۔ لہٰذا اس کو صحن کے اندر ایک حجرے میں رہنے کی اجازت مل گئی۔ اس وقت اس نے اندر کا نقشہ کھینچ لیا۔ مگر اس کا یہ طرزِ عمل نہایت ہی قابل اعتراض تھا + ۱۲

ہی تھے۔ مگر اب یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ مشہد کی چاردیواری کے اندر اگر کشور ہندوستان کا کوئی
وائسرائے و گورنر جنرل داخل ہؤا ہے۔ تو وہ لارڈ کرزن ہیں ٭

تیسرا۔ امر حدود بست کے اندر کا لاٹ صاحب نے یہ اور لکھا ہے "چونکہ زمین
بست امام صاحب کی جائداد سمجھی جاتی ہے اس کے متعلق اس قدر تقیّد ہے۔ کہ اگر اتفاقاً
کوئی جانور کسی کا اس کی حد میں چلا آتا ہے۔ تو وہاں کے عہدہ دار فوراً اس پر قبضہ کر لیتے
ہیں" ظاہر اس کا ماخذ یورپین سیاحوں کی اناپ شناپ بیانات ہیں۔ کہ بلا تحقیق و تنقیح
جو چاہتے ہیں لکھ ڈالتے ہیں۔ اور وہی ان کے ہم قوموں کے نزدیک وحی آسمانی سمجھا
جاتا ہے۔ نہیں تو ابتدا سے آج تک ایک واقعہ بھی ایسا نہ ملیگا۔ جس میں کسی جانور
پر اس طرح سے قبضہ کر لیا گیا ہو۔ وہاں کا داخل ہونے والا مامون ہوتا ہے۔ نہ کہ
مملوک۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو ہماری کتب فقہیہ باب خصائص ائمہ میں سب سے پہلے اس
مسئلے کا ذکر ہوتا۔ برخلاف اس کے ہم تحفۂ رضویّہ سے ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔ جس
سے آپ کے اس ریمارک کی لغویّت اچھی طرح ظاہر ہو جائیگی۔ وہ یہ ہے۔ واقعہ
سی وپنجم۔ در ابتداء سن حقیر جامع ایں رسالہ اشترے پناہ بہ بست امام رضاؑ آورد در
زمان حکومت الیاس خاں حاکم مشہد کہ در خیابان پائین از شدّت تعب و بسیاری بار از
انصاحبش گریختہ خود را بچوب بست رسانیدہ۔ چونکہ چوب بست بسیار پست
خوابیدہ و از زیر چوب سر خود را بہ اندرون بست رسانید و برخاستہ دواں دواں
بہ پنجرۂ فولادی کہ در عقب پشت آں سرور نصب است و ضریح مبارک از انجا نمایاں
است۔ آمدہ خوابیدہ بود مردم خواستند۔ کہ او را برخیزانند برنخواستہ تا آنکہ صاحب شتر را
آوردند۔ و الیاس خاں صاحب شتر را راضی کردہ۔ قیمتیش او را داد۔ بعد ازاں شتر برخاستہ
الیاس خاں او را بار دوئے معلّے بردہ بخدمت نواب کامیاب سلاطین مآب سلیمان جاہی
ظل اللّہی فرستاد آنجا او را با احترام نگاہ داری میکردند۔ انتہی۔ یہاں دیکھا جاوے۔ کہ
ایک مظلوم شتر پر جو مالک کی زیادتیوں سے آزردہ ہو کر فساد کرنے کو بست میں آیا۔
درگاہ کے کسی عہدہ دار نے کیا حاکم شہر تک نے قبضہ نہیں کیا۔ بلکہ اس کے مالک کو

بُلاکر راضی کیا۔ اور بقصد تبرک قیمت دے کر خرید کیا۔ پس جہاں اس درجہ قوانین عدالت کی پابندی ہو۔ کیونکر قیاس میں آسکتا ہے۔ کہ وہاں کے حکام بیگانی شے پر ناجائز قبضہ کر لینگے +

صحن ہائے روضۂ متبرّکہ

روضۂ مقدّسہ کے گرد احاطے ایسے ہیں۔ جن کی چاردیواری وسیع رقبۂ زمین کو محیط ہے۔ روضۂ مطہّرہ کی اصطلاح میں ان کو اور ان کی درمیانی فضا کو صحن کہتے ہیں۔ ان صحنوں کے چار طرف بڑے بڑے ایوان (ہال کمرے) بڑی لاگت کے بنے ہیں۔ ایوانوں کے دہنی بائیں جانب خالی جگہوں میں حجرے دو منزلے طلبہ علوم سے بھرے رہتے ہیں۔ ہم ہر صحن کا حال جُدا جُدا لکھتے ہیں:۔

صحن عتیق اس صحن کو صحن کہنہ و صحن بزرگ بھی کہتے ہیں۔ وہ روضۂ منوّرہ سے جانب شمال یعنی پس پشت مرقد منوّر (چونکہ قبلہ وہاں سے زیادہ سمت جنوب کو ہے۔ لہٰذا سر مبارک مغرب کو اور پائے مطہّر مشرق کی طرف ہیں) پر واقع ہے۔ اس صحن کا ایک حصّہ جو کہ روضۂ مبارکہ کی طرف کا ہے۔ سلطان حسین گورگانی کے وزیر اور گورنر علی شیر کا بنایا ہوا ہے۔ دُوسرا حصّہ جو ایوان بناہ کردۂ شاہ عبّاس کی طرف کا ہے۔ شاہ عبّاس ثانی نے بنایا۔ نہر مشہد کہ بازار بالائی و پائیں خیابان کے بیچ سے جاری ہے۔ حرم کے اندر وہ اسی صحن سے ہو کر گزری ہے۔ اس صحن کے چند دروازے باہر کو آنے جانے کے ہیں۔ ایک دروازہ خیابان بالا ایک پائیں کا۔ ایک بازار بزازان کا۔ کہ مرزا افضل اللہ وزیر نظام کا تعمیر کردہ ہے۔ ان کے سوا دیگر دروازے بھی ہیں۔ اس کے حجرے سب اُوپر تلے دو منزلے۔ ان کی رو کار کی دیواریں کاشی کے کام سے آراستہ۔ اس عمارت کا طول ڈیڑھ سے گز عرض کوئی ۵۷ گز ہوگا۔ اس کے مشہور حصّے کہ علیحدہ ناموں سے نامزد ہیں اس طرح پر ہیں:۔

ایوان طلائے نادری اس کا بانی ہر چند امیر علی شیر مذکور ہے۔ مگر تزئین و طلاکاری نادر شاہ نے کی۔ اس ایوان سے ایک دروازہ توحید خانہ

حضرت کو ایک دار السیادۃ کو نکلتا ہے۔ اور کتاب خانہ حضرت اسی ایوان میں ہے۔ نیز اس کے دو پہلوؤں میں دو مکان موسوم بہ کفش کن بالا و کفش کن پائیں سے سقاخانہ و دار السیادۃ کو راہیں کشادہ ہیں۔ اور ایک راہ گلدستہ طلائی کو جاتی ہے۔ اور دوسری کفش کن پائیں جس سے ہو کر گنبد اللہ ویردی خاں کو جاتی ہیں +

ایوان شاہ عباس ایوان طلائی نادری کے مقابل ایوان شاہ عباس صفوی کا بنایا ہوا ہے۔ یہ ایوان ہرچند مطلا نہیں۔ مگر اس کی کاشی کاری اعلےٰ درجہ کی ہے۔ اور تمام دروازہ ہائے عالیشان کے محرابوں پر خط کوفی سے آیات قرآنی کندہ ہیں۔ اس ایوان کی پشت پر مدرسہ ملا تاج ہوتا تھا۔ مگر آج اس کا کہیں نشان نہیں۔ صرف ایک گلدستہ طلائی نادری باقی ہے۔ اس گلدستہ کی نادر شاہ کے بعد فتح علی شاہ قاجار کی والدہ نے مرمت کرائی +

سقاخانہ صحن کے درمیان ایک چھوٹی سی ہشت پہل سائبان نما عمارت طلائی چھت کی ہے۔ اس کے نیچے فوارہ دار حوض ہے۔ جس میں نہر سے پانی آتا ہے۔ اس کے چاروں طرف پتھر کی سنہری نالی بنی ہوئی ہے۔ اس صاف شفاف حوض میں آکر زائرین قبلے وضو کرتے ہیں۔ پھر روضہ پر جاکر شرائط زیارت بجالاتے ہیں۔ بقول لارڈ کرزن یہ حوض شاہ عباس صفوی کا بنایا ہوا ہے۔ مگر سفرنامہ شاہ ایران کے موافق فتح علی شاہ قاجار اس کا بانی ہے۔ ممکن ہے کہ بنا عباسی اور مرمت قاجاری ہو۔ اس کے سوا ذیل کی عمارتیں اس صحن میں اور ہیں۔ حجرۂ مرزائے ناظر۔ شمع خانہ حضرت۔ کشیک خانہ موذنان محبس خانہ۔ حجرۂ مرزا حسین علی۔ عمارت وزیر نظام۔ دار التولیہ عضدی +

مدرسۂ میرزا جعفر صحن عتیق کے جنب میں واقع ہونے سے اس کے محرابی دروازوں سے ایک سے گزر کر اس میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑی عالیشان عمارت ہے۔ جسے مرزا جعفر ایک متمول سوداگر نے بنوایا۔ لارڈ کرزن اسے عمارات روضۂ مقدسہ و مسجد گوہر شاد کے بعد تیسرے درجہ پر شمار کرتے ہیں۔ اس کے بانی نے بہت بڑی جائداد اس کے لئے وقف کی۔ جس سے پچاس

ساٹھ ملاؤں کو تنخواہ دی جاتی ہے۔ اور صحن میں طلباء کے رہنے کے مکان بنے ہوئے ہیں۔ پیشتر گزرا کہ ناصرالدین شاہ قاجار نے ہنگام ورود مشہد مقدس اس کو بے مرمت دیکھ کر مرمت کا حکم دیا۔ اس مدرسہ کے علاوہ روضۂ اقدس کے متعلق دیگر مدارس صحن کہنہ وصحن نو میں جاری ہیں۔ جن میں چھوٹے چھوٹے اور یتیم بچے پرورش اور تعلیم پاتے ہیں۔ ان کے اخراجات خزانۂ عامرہ حضرت امام علیہ السلام سے دئے جاتے ہیں +

مینار یا گلدستے جن کے اوپر چڑھ کر اذاں کہتے ہیں دو ہیں۔ قدیم تر شاہ اسمٰعیل یا شاہ طہماسپ صفوی کا بنایا ہوا ہے۔ جو کہنہ ہو کر متزلزل ہو گیا تھا۔ اب سے ساٹھ سال پہلے اس کو گرا کر از سر نو بنایا گیا ہے۔ اور دوسرا جو پہلے سے ذرا بڑا ہے جیسا کہ پہلے گزرا نادر شاہ نے بنایا تھا۔ ان دونو کی چوٹی کی منزل میں جہاں مؤذن کھڑا ہوتا ہے اس طرح کی جالیاں لگی ہیں۔ کہ ادھر ادھر کسی مکان میں اس کی نگاہ نامحرم پر نہ پڑسکے۔ ان کے برجوں پر تانبے کی چادریں سونے سے ملمع کی ہوئی جڑی ہیں۔ جب سورج کی چمک ان پر پڑتی ہے۔ تو بقعہ نور بن جاتے ہیں۔ دور سے دیکھنے والے کو معلوم ہوتا ہے۔ کہ دو مشعلیں روشن ہیں۔ یا آگ کی دو لاٹیں کھڑی ہیں +

صحن جدید معروف بہ صحن کوچک شرقی روضۂ مبارک یعنی پائین پائے انور۔ اصل بنا اس کی فتح علی شاہ قاجار سے۔ کاشی کاری کہ نہایت نفیس و اعلےٰ ہے حاجی مرحوم مرزا موسے خاں سے۔ حوض وسط مرزا فضل اللہ وزیر نظام کا بنایا ہؤا۔ اس صحن کے چند دروازے ہیں۔ ایک دروازہ مقابل ایوان موسوم بدر رضا ابخانہ کہ بازار پائیں خیابان میں نکلتا ہے۔ ایک دروازہ بازار زرگراں میں ایک در مقبرہ شیخ بہاؤالدین علیہ الرحمہ کا کہ اس کی راہ مسجد گوہر شاد تک جا کر منتہی ہوتی ہے۔ عمارتیں اس صحن کی علاوہ حجرہائے دو منزلہ مساکن طلاب کے اس شرح سے ہیں۔ اوّل ایوان طلائی طرف ملحق بہ پائے مبارک اصل بنا اس کی فتح علی شاہ قاجار سے۔ ناصرالدین شاہ کے زمانے میں بحکم شاہی مرزا محمد حسین عضدالملک نے بعہد حکومت

حسام السلطنت اموال منافع ملکی سرکار فیض آثار امام سے اس کو زراندود کیا۔ اس ایوان سے ایک دروازہ دار السعادۃ میں کھلتا ہے۔ اس کے پہلوؤں میں دو کفش کن ہیں۔ دوم کارخانہ و شربت خانہ خدام۔ سوم شفاخانہ کاشی کاری وسطی از بنائے حاجی مرزا محمد رضائی مستوفی۔ یہ صحن بہت طولانی ہے۔ اس کے آخری حصہ میں بہت سے فیروزہ کی دکانیں اور فیروزہ تراشنے والے رہتے ہیں۔ اس میں آنے والوں کا شاندار دروازہ بازار خیابان سے ہے +

مسجد گوہر شاد روضۂ اقدس کے جنوب یعنی پیش روئے حضرتؑ میں وہ عظیم الشان شہرۂ آفاق مسجد ہے جس کو گوہر شاد آغا بیگم زوجہ سلطان شاہرخ مرزا نے ۸۲۱ھ میں بکمال اخلاص و عقیدت خاص تعمیر کیا۔ اس کی کاشی کاری نہایت عمدہ چینی کی برابر ہے۔ یہ تیسرا صحن ہے صحنہائے مقدسہ سے۔ اس میں چاروں طرف ایک ایک ایوان عظیم الشان بنا ہے۔ باقی اوتاق (حجرے)۔ دو دروازے بازار بزرگ میں کھلتے ہیں۔ ایک احاطہ معروف بہ پائیں پا کی طرف کہ مقبرہ مقدسہ جناب شیخ بہاء الدینؒ کی راہ ہے۔ ایک دروازہ خانہ حاجی مرزا موسے خاں کے مکان کی طرف۔ ایوانات کے نام یہ ہے۔ اوّل ایوان مقصورہ جنوب کی سمت کا جس کے اوپر گنبد عالی تعمیر ہوا ہے۔ اور دو گلدستے سر بفلک۔ ارتفاع گنبد اور گلدستوں کا اکتالیس اکتالیس درعہ۔ عرض ایوان ۱۲ درعہ۔ ارتفاع ½ ۲۵ درعہ۔ طول ۴۳ درعہ۔ عرض دیوارہائے ایوان ۵ درعہ۔ ویمبری صاحب جو ۱۸۶۱ء میں دراثنائے سیاحت خود مشہد مقدس پہنچا۔ اس دروازے کی بابت لکھتا ہے۔ کہ میں بڑی دیر کے بعد اس کا فیصلہ کر سکا کہ اس دروازہ کو فضیلت دوں۔ یا اسی نمونہ کے اور دروازوں کو۔ جو میں نے سمرقند اور ہرات میں دیکھے۔ کیونکہ میرے نزدیک یہ امر یقینی ہے۔ کہ یہ تینوں دروازے ایک کاریگر کے ہاتھ کے بنے ہوئے نہیں تو کم از کم شاہرخ کے زمانے کے تو ضرور تعمیر ہوئے ہیں۔ ممکن ہے۔ کہ مدرسہ خانم واقعہ سمرقند اور مصلّےٰ ہرات کے دروازے اپنی رفعت و شوکت کے لحاظ سے مسجد ہذا کے دروازے پر فوقیت رکھتے

ہوں۔ لیکن یہ نہیں۔ کہ وہ اس سے زیادہ خوبصورت تھے۔ مؤلف اوراق العبد المفتاق
کہتا ہے۔ کہ مسٹر ویمبری کا خیال درست ہے۔ یہ تینوں دروازے خاقان سعید شاہرخ
مرزا ہی کے زمانے میں تعمیر ہوئے۔ مدرسہ خانم سے اغلباً وہی مدرسہ مراد ہے جس کو
۸۳۶ھ میں اس کی دیندار ملکہ گوہرشاد آغا بیگم نے تعمیر کیا۔ اور جس کی نسبت روضۃ
الصفا میں لکھا ہے۔ کہ اس کے استحکام و تزئین کی کیفیت احاطہ تحریر میں نہیں آسکتی۔
چشم دید پر موقوف ہے۔ جیسا کہ اُوپر لکھا گیا +

لارڈ کرزن نے دیوار بست ملحقہ دوکانات کی چھتوں سے گزر کر اس مسجد کو دُور سے
دیکھا۔ اس کی کاشی کاری کو بہت خوشنما بتلاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ اس گنبد پر
جو امام صاحب کے گنبد سے بڑا اور اونچا ہے نیلی۔ سبز اور نارنجی اینٹوں کا کام ہے
جو بعض مقامات سے اُکھڑ گیا ہے۔ اور سفرنامۂ شاہی میں ہے۔ کہ از محسنات
ایں ایوان آنکہ از ہشت صد و بیست ۸۲۰ کہ بنائے آں شدہ الی حال بہیچوجہ محتاج بتعمیر نگشتہ
بموجب تحریر مرزا قاسم علی اس مسجد میں ۸ ممبر۔ ہر ممبر کے پاس نماز بجماعت ہوتی ہے۔ بعد
نماز مسائل نماز روزہ زکوٰۃ خمس اور معاملات کے وعظ ہوتے ہیں۔ بعدہ ذکر فضائل و
مصائب اہل بیت علیہم السلام کیا جاتا ہے۔ مسجد میں جانب راست دیوار پر لکھا ہے
قال النبیؐ المومن فی المسجد کالسمک فی الماء۔ کہ مومن کو مسجد ایسی ہے جیسی کہ مچھلی کو
پانی۔ اور جانب چپ تحریر ہے۔ المنافق فی المسجد کالطیر فی القفس (منافق مسجد
میں ایسا ہے جیسا کہ پرندہ پنجرہ میں) +

روضۂ مبارکہ سے جو دروازہ اس مسجد کی طرف کھلتا ہے۔ وہ بزرگ اور نقرئی
ہے۔ جس کے باہر حجرے ہیں۔ وہ پتھر بطور تخت بلند رکھا ہے جس پر حضرتؑ کو
غسل دیا گیا تھا۔ اور حجرہ کی دیوار میں اندر دار وسینی نصب ہے۔ جس میں آپ کو انگور
زہر آلود کھلائے گئے تھے +

عمارات رواق مطہرہ

اب ہم رفتہ رفتہ روضۂ مقدسہ کے بیرونی مگر اس سے ملحقہ مکانات میں پہونچتے ہیں۔ کیونکہ رواق مشاہد مقدسہ کی اصطلاح میں قبہ منورہ کے گرداگرد کے مکانات ہیں۔ جو اس کی چاروں طرف مثل برانڈوں کے سمجھنے چاہئیں۔ مشہد مقدس میں یہ مکانات بہت شاندار بڑی لاگت کے بنے ہیں۔ غربی جانب یعنی بالائے سر مبارک کا تمام سمت کے طول میں دار السیادۃ کے نام سے موسوم وہ جنوب کی طرف مسجد گوہرشاد کے اور شمال میں سقاخانہ وایوان طلائی نادری تک منتہی ہوتا ہے۔ اس کی عمارات بھی مرحومہ گوہرشاد کی یادگار ہے۔ اس کے مقابل کے دوسری طرف شرقی روضۂ مبارک اعنی پائین پائے حضرت کا مکان دار السعادہ ہے جس کے غرب میں روضۂ مبارکہ اور شرق میں ایوان طلائی ناصری ہے۔ اس کو آصف الدولہ حاکم مشہد نے بنایا ہے۔ رواق شمالی مسمی بہ توحید خانہ جس کے ایک طرف ایوان طلائی نادری دوسری جانب روضۂ مقدسہ۔ جنوبی مسمی دار الحفاظ اس کے سمت بالا روضۂ مطہرہ۔ اور پائیں ایوان مسجد گوہرشاد۔ یہ بھی اسی عالی ہمت خاتون کا بنایا ہوا ہے۔ چار رواق چار سمت کے ان کے گوشوں میں جو مکان ہیں۔ وہ اس طرح پر ہیں۔ غرب وشمال کے درمیان سقاخانہ اور راستہ گلدستہ طلائی عباسی کو جانے کا۔ گوشہ شمال ومشرق میں کتابخانہ اور گنبد اللہ ویردی خاں۔ اس پر کاشی کا کام نہایت عمدہ ہے۔ گوشۂ شرق وجنوب میں مدرسہ علی نقی مرزا علی رضا مستوفی نے چھوٹا سا مہمان خانہ بنایا۔ یہ مدرسہ اس وقت کشیک خانہ یعنی محافظوں کے رہنے کا مکان سمجھا جاتا ہے۔ اس کے پہلو میں خدام کا کشیک خانہ اور قہوہ خانہ اور کشیکخانہ معروف بہ گنبد اونک میں جانے کا راستہ اور خزانہ مبارکہ جسکا دروازہ دار الحفاظ میں کھلتا ہے۔ گوشۂ جنوب مغرب میں تحویل خانہ اموال منقولہ کا اور تحویلخانہ فراشان دونوں کے دروازے دار الحفاظ میں نکلتے ہیں +

روضۂ منوّرۂ شاہ خراسان

یہ بے نظیر و لاجواب عمارت کہ نمونہ خلد بریں بلکہ رشک افزا صد اعلےٰ علیین ہے عین وسط حرم میں واقع اور بلحاظ اپنی رفعت و شان و علو مکان کے تمام عمارت حرم کی سرتاج ہے۔ اس کی صورت مربع ہے۔ اور چاردیواری ظاہرا وہی قدیم زمانے کی ہے۔ جو بوقت دفن امام ہشتم علیہ السلام تھی۔ اور اگر نئے سرے سے بنائی گئی ہے۔ تو اپنی پہلی بنیاد پر ہی ہے۔ کیونکہ قبر مبارک ہارون کی قبر سے قبلہ کی طرف آگے کو اور سرہانے کی طرف اوپر کو نکلی ہوئی ہے۔ جس سے اس طرف کی دیوار کا فاصلہ کمتر رہ گیا ہے۔ اگر پرانی بنیاد چھوڑ کر نئی عمارت بناتے۔ تو ضرور تھا۔ کہ قبر مطہر موزوں طریق سے وسط مکان میں رکھی جاتی۔ بہر کیف یہ دیواریں بیرونی جانب سے کاشی کی عمدہ ترین کام سے آراستہ جا بجا آیات قرآنی و احادیث متضمن بر ثواب زیارت حضرت امام رضاء اور زیارتوں کی عبارتیں منقوش ہیں۔ چھت پر بھی کاشی اور آئینہ بندی کا کام اس خوبصورتی سے کیا ہے۔ کہ تمام مکان جگمگ کر رہا ہے۔ زمین میں اندر باہر سنگ مرمر کا فرش۔ اس پر بیش بہا اعلےٰ قسم کی قالینیں بچھی ہیں۔ مرقد مطہر کے دو جانب پشت سر و بالائی سر دو فضا مانند شاہ نشین چھوٹی ہیں۔ پہلی بنام مسجد زنانہ دوم مرحوم محمد ولی میرزا اس کے بانی کے نام سے موسوم۔ ان دونو مسجدوں سے ایک دوسری میں رستہ ہے اس کی آئینہ بندی عباس قلیخاں میر نیچہ نے کی۔ اب وہاں قرآن خواں بیٹھتے ہیں +

جن لوگوں نے روضہ منوّرہ کو اندر سے بغور دیکھا ہے ان کا بیان[1] ہے۔ کہ اس مزار کے اندر باہر اس قدر سونا کام میں لایا گیا ہے۔ کہ اس کے اعتبار سے یہ بقعہ مطہرہ اسلامی دنیا میں بیشک و شبہ سب سے زیادہ دولت رکھتا ہے۔ اگرچہ ابتدا سے جب سے کہ

---

[1] یہ بیان پروفیسر ارمینس ویمبری کا ہے۔ ہم لوگوں کو بلحاظ ادب سزاوار نہیں۔ کہ ہنگام زیارت ادھر ادھر نظر دوڑائیں۔ یا وہاں کے سامان کی طرف بنگاہ غور و تامل دیکھیں۔ اسی لئے زائر جب تک اندر رہتا ہے۔ آنکھیں نیچی کئے دعا و نماز و گریہ بدرگاہ بے نیاز میں مصروف رہتا ہے۔ پھر اسی طرح سر نہوڑائے باہر نکل آتا ہے + ۱۲ منہ

اس کی شہرت ہوئی۔ یہ روضۂ مطہرہ کئی بار لوٹا جا چکا ہے [۱] ۔ اس میں چوریاں[۲] ہوتی رہی ہیں۔ پھر بھی اس کے گنبدوں اور برجوں اور اندرونی حصہ کی مینا کاریوں میں بیشمار دولت موجود ہے۔ اسکی دیواریں زیورات و جواہرات سے آراستہ۔ کہیں تاج مکلّل بالماس آویزاں ہے۔ کہیں ڈھال تلوار لعل و زمرد سے جڑاؤ لٹکتی ہے۔ کسی جگہ مرصّع کنگن و طوقہائے فاخرہ۔ اور کسی مقام پر بیش بہا جھاڑ نظر آتے ہیں۔ جب انسان اس کے اندر قدم رکھتا ہے۔ تو جواہرات کی چمک اور طلائی زیورات کی دمک سے اس کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں +

ضریح مقدس

ضریح منوّر جو کہ قبر الانور کو محیط ہے مربع مستطیل ہے۔ اس کی سطح میں بلور کی اینٹوں کا فرش لگا ہے۔ ہرچند مختلف زمانوں میں مختلف صورتیں ضریح کی رہیں۔ حال میں تین ضریحیں یکے بعد دیگرے منصوب ہیں پہلی ضریح طلا شاہ طہماسپ صفوی یا شاہ عبّاس کی بنائی ہوئی ہے۔ سفرنامہ شاہ میں ہے۔ کہ مرحوم شاہ عبّاس جنت آرامگاہ نے اس سفر میں جبکہ پیادہ پا آستان ملک پاسبان پر آئے۔ بموجب نذر سات ہزار تومان کے خرچ سے یہ ضریح تیار کرائی۔ ناصر علی مرزا نواسہ نادر شاہ نے اسکو چرا[۲] لیا۔

---

[۱] ایک باغی حکمران سالار نام کے عہد میں بہت سے جواہرات یہاں کے چوری گئے + ۱۲ منہ عفی عنہ

[۲] لارڈ کرزن کہتے ہیں۔ کہ کسی نے بقدر معیار کہ گو اتنا غارت نہیں کیا جتنا ان لوگوں نے۔ جنہیں ان کی حفاظت کا ذمہ دار ہونا چاہئے تھا۔ خاص کر نابینا شاہرخ کے دو بیٹوں نے کہ نادر شاہ کے پوتے تھے فرط محبت سے اس درگاہ کو جسے ان کے دادا نے مرمت و آراستہ کیا تھا۔ اور جنکی نظر میں اس کی بہت بڑی وقعت و عظمت تھی اپنی غارت گری کا خاص طور سے آماجگاہ بنایا۔ نصر اللہ مرزا پسر نادر شاہ نے حضرت امام کے مزار کے گرد کی طلائی ضریح کا ایک حصہ اکھڑوا لیا۔ اور نادر مرزا نے گنبد کی چوٹی پر سے اس بڑے طلائی قبہ (بموجب بیان دیبری وہ طلائی قبہ نہیں۔ طلائی گولہ تھا۔ جو گنبد کی چھت میں لٹکتا تھا) کو جس کا وزن ۲۰۰ پونڈ (سوا پانچ من) تھا۔ اتروا لیا۔ اور دونوں بھائیوں نے اندر کے سامان میں جھاڑوں اور قالینوں وغیرہ پر ہاتھ صاف کیا۔ انتہی۔ مؤلف اوراق کے نزدیک یہ بیان مبالغہ سے خالی نہیں۔ عبارات مندرجہ متن میں سے کہ سفرنامہ شاہ سے لی گئی ہیں۔ کسی قدر اس کی تردید ناظرین کو معلوم ہو جائیگی + ۱۲ منہ عفی عنہ۔

بعد کو بحکم مادر مرزا اپنی جگہ پر واپس لائی گئی۔ مگر اس حمل و نقل میں اس کا ایک طرف کا سونا تلف ہو گیا۔ لہذا اب تین طرف طلا ایک جانب نقرہ ہے۔ دُوسری ضریح فولاد کی مرصع نادر شاہ کی بنائی ہُوئی تیسری ضریح فولاد کی۔ مگر اس کے اُوپر چاندی کے تختے۔ ان کے اُوپر سونے کے پترے جڑے ہیں۔ یہ تشریح سفر نامہ شاہ کی ہے۔ مرزا قاسم علی کے نزدیک پہلی ضریح نقرئی پھر طلائی تیسری فولادی ہے۔ بہر کیف بیرونی ضریح پر لوحیں آویزاں ہیں۔ جن کے اُوپر زیارات حضرت ضامن ثامن علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نحریر ہیں۔ ہر لوح کے سامنے زائروں کا مجمع رہتا ہے۔ یہ لوگ یا خود لوحیں دیکھ کر زیارت پڑھتے ہیں۔ یا مزدور اُن کو پڑھاتے ہیں۔ زیارت پڑھنے کے وقت اکثر شور گریہ و بکا بلند ہوتا ہے۔ جب زائر مہینوں ہفتوں کے ویران راستوں میں سفر اور انواع و اقسام کی تعب اور شدتیں جھیلنے کے بعد اس مکان بہشت آئین میں پہنچتا ہے۔ تو اس کی نگاہ اس رفیع الشّان درگاہ پر پڑتی ہے۔ اور اس کے گراں قدر متبرک سامان کو دیکھتا ہے۔ اور صاحب قبر کی عظمت و جلالت کا دھیان دل میں لاتا ہے۔ تو محوبّت کا عالم اس پر چھا جاتا ہے۔ اور بے اختیار درود کے نعرے اس کی زبان سے نکلتے ہیں۔ وہ اپنے تئیں ایک عجیب طرح کی مسرّت میں پاتا ہے۔ کہ اس کا بیان طاقت انسانی سے باہر ہے۔ فرط عقیدت سے کبھی جالیوں کو مس کرتا ہے کبھی قفل کلاں کو جو دروازے پر پڑا ہے چومتا ہے +

دروازہ ہائے طلا و نقرہ رواق و روضۂ مطہرہ

کُل نو[۹] دروازے ہیں۔ دو[۲] طلائی سات[۷] نقرئی۔ طلائی دروازوں سے پہلا دروازہ در ضریح مُطلّا و مرصّع ہے کہ خاقان خلد آشیان فتح علی شاہ قاجار نے بنوا کر نصب کیا۔ سالار نابکار نے اس میں تصرّف کیا۔ تو حکم شاہی سے نواب سلطان مراد مرزا حسام السّلطنہ نے دوبارہ اس کو طلا و مرصّع کیا۔ دُوسرا دروازہ دار الحفاظ کا کہ عضد الملک مرحوم نے حسب الحکم شاہی طلا کار کیا۔ لیکن نقرئی دروازے۔ پس ایک[۱] دروازہ کتبخانے کا۔ ایک کفش کن[۲] اوّل[۳]۔ در توحید خانہ۔ در دار السیادہ[۵]۔ ایوان طلائی طرف کا دو دروازہ کہ دار السیادہ سے دار الحفاظ کو آتا ہے۔ اس کو نواب سلطان مراد حسام السّلطنہ نے

بنایا۔ اور اس کی چوکھٹ کے گرد عضد الملک مرحوم نے طلاکاری کی۔ دار السیادہ کا دروازہ[۵]
ایوان طلائی ناصری سے عضد الملک مرحوم کا بنایا ہوا۔ دروازہ پائیں پائے مبارک کہ
پہلے مُطلّا و مرصّع تھا۔ سالار ناہنجار کے تمرد و طغیان کے زمانے میں اس کا سونا اتار کر
لے گئے۔ اب اس کے نیچے کی چاندی باقی ہے۔ سفرنامہ شاہ۔

گنبد مبارک روضۂ مبارکہ کے اُوپر ایک گنبد عالی شان شامخ الارکان تعمیر ہوا ہے
جس کا ارتفاع بقول لارڈ کرزن بہادر ۷۵ فٹ یعنی ۲۵ گز ہے۔ اس کا چمکیلا براق کلس
فلک اطلس کے سینہ سے پار ہوا جاتا ہے۔ یہ گنبد زیارت کے لئے آنے والوں کو دور
کے فاصلے سے اس بقعہ مبارکہ کا پتا دیتا ہے۔ ان کے بیقرار دلوں کو تسکین بخشتا انکی
انتظار کشیدہ آنکھوں میں ٹھنڈک ڈالتا ہے۔ ازبس کہ اس ذی شان عمارت کی اینٹوں پر[۱]
طلاء خالص بافراط چڑھا ہوا ہے۔ جب آفتاب کی کرنیں اس پر پڑتی ہیں۔ تو تمام گنبد
قمقمہ نور بنجاتا ہے۔ ایک شاعر اس کی مدح میں کہتا ہے۔ ؎

در جنب علوّ روضۂ شاہ رضا	خورشید مگو اینکہ بود نور افزاء
رونے کہ قضا گنبد گرداں میساخت	یک خشت طلا فتاد بر بام سماء

ایک اور نے یُوں کہا ہے۔ ؎

گر آفتاب در آید بگنبدش گوئی	کہ در میانۂ فانوس شد مگس طیّار
گلے ست در چمن صنع شکل قبۂ او	کہ عرش داشتہ بردر راہ ز کنگرہ خار
فلک بہ پنجۂ خورشید از ہوا گیرد	اگر عمامۂ افتد ز تارک زوّار

۱؎ ایک فرنگستانی سیاح چارڈن نامی شاہ سلیمان صفوی کے عہد سلطنت میں ۱۶۷۲ء میں بمقام اصفہان وارد
تھا۔ اس کا بیان ہے۔ کہ میں نے شاہی زرگر کے جو گنبد مبارک کی مرمت کیواسطے زریں اینٹیں تیار کرنیکے کام پر
مامور تھا مکان پر جا کر دیکھا۔ کہ اینٹیں ۸ انچ طول ۶ انچ عرض دو اشرفی کی موٹائی میں پیتل کی بنائی جارہی تھیں۔ ان کے
باہر کی رُخ پر اس قدر سونا چڑھایا جاتا تھا۔ کہ دیکھنے والے کو یہی معلوم ہوتا تھا۔ کہ تمام اینٹ سونے
کی ہے۔ ایک ایک اینٹ پر پانچ پانچ پاونڈ کی لاگت آتی تھی۔ زرگر کی زبانی معلوم ہوا۔ کہ بالفعل اس طرح
کی تین ہزار اینٹوں کے تیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ۱۲ خیابان فارس۔

دریچہ اش بہ عفا دیدۂ سہیل یمن — نشیمنش بہ ہوا کعبۂ شمیم بہار
ازاں زناں کہ فتادش نظر بہ شمسۂ او — شد آفتاب پرست آفتاب حرباوار

طلاکاری بالائی اس گنبد رفیع البنیان کی شاہ عبّاس صفوی رحمۃ اللہ علیہ نے کرائی۔ اور آئینہ کاری اندر کی بحکم شاہ کیواں بارگاہ مرزا صادق قائم مقام نے کی۔ سفرنامہ شاہ۔

ازبسکہ روضۂ منوّرہ کے قرآن خواں ہمیشہ قرآن شریف خوش آوازی سے پڑھتے۔ سادات ومجاورین اپنے درود ووظائف میں مصروف رہتے ہیں۔ تازہ وارد زائر زیارتیں پڑھتے اور گریہ وبکا کرتے ہیں۔ لہٰذا اس بہشتی قطعہ میں ہر وقت ایک بھاری گونج رہتی ہے۔ صحنوں میں ہر وقت نمازیں بجماعت ادا ہوتی ہیں۔ اور علماء وواعظین اپنے پرجوش وعظوں سے ہزاراں ہزار خلائق کو مستفید فرماتے ہیں۔ مرزا ابراہیم بیگ مصری سوداگر زمانہ ورود مشہد میں اکثر ان جماعتوں میں شریک ہوکر نماز پڑھتا گاہ گاہ مجالس وعظ میں ٹھہر کر مواعظ سنتا تھا۔ مگر ان کو زیادہ تر اس لئے پسند نہیں کرتا تھا۔ کہ سوائے مسائل طہارت صلوٰۃ وصوم وغیرہ دوسرا ذکر نہیں ہوتا۔ قومی ہمدردی وملکی ترقی کا کہیں مذکور نہ تھا۔ سچ ہے۔ ع

ہر کس بخیال خویش خبطے دارد

قبۂ منورہ کے تحت کی دیگر قبریں

مکرر گزرا۔ کہ قبۂ مطہرّہ کے نیچے قبر مبارک سے شمال کی طرف یعنی مقابل قبلہ ہارون دون قاتل امام موسٰی کاظم علیہ السلام دفن ہے۔ جب زوّار روضۂ مبارکہ امام الانس والجن علی بن موسی الرضا علیہ السلام پر درود بھیجتے ہیں۔ تو اسے قاتل امام جان کر اس کے مدفن کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ جیساکہ سابق ازیں ابن بطوطا کے کلام میں گزرا۔ علی ہذا کسی کو مرحوم ناصر الدین شاہ کے دادا عباس مرزا ولد فتح علی شاہ قاجار کی قبر سے بھی زیادہ دلچسپی نہیں۔ جو اس عمارت عالی کے نیچے واقع ہے۔ ان کے علاوہ روضہ کے باہر صحنہائے اقدس وحجرات وغیرہ میں بیشمار مشاہیر کی قبریں ہیں۔ جن کا ذکر باعث طوالت کلام ہے۔ الّا مقابر علماء ومجتہدین کہ اساطین دین ہیں ان کا ذکر بسبیل اختصار آگے آتا ہے۔

روشنی کا انتظام

۱۹۰۲ء میں جب کہ ہمارے کرم فرما محمد اسحاق حسینی پاروی سلمہ زیارت مشہد مقدس سے مشرف ہوئے۔ تو انتظام روشنی اس طرح پر تھا۔ کہ روضۂ منورہ پر مومی شمعیں اور جھاڑ فانوس وغیرہ روشن ہوتے۔ اور صحنوں میں انواع اقسام کی لالٹینیں اس کثرت سے ہوتی تھیں۔ کہ لطف چراغاں نظر آتا تھا۔ مگر سلطان مظفر الدین شاہ نے جو اس وقت تخت ایران پر جلوہ گر تھے۔ اس کو ناکافی سمجھ کر تمام عمارات حرم میں برقی روشنی کے اجرا کی فکر کی تھی۔ چنانچہ اس کے متعلق انجن وغیرہ آ گئے تھے۔ اور بیرون روضۂ مقدس ایک مقام پر اس کا خزانہ بنایا جا رہا تھا۔ خبر گرم تھی کہ عنقریب ارض اقدس اس شفاف روشنی سے بقعہ نور کیا جاویگا۔ اللھم زد فزد۔ اور بازار خیابان کی نسبت لارڈ کرزن بہادر نے اس سے دس گیارہ سال پہلے کی یہ رپورٹ کی ہے۔ کہ تھوڑے عرصے سے حاکم مشہد کے حکم سے ایک قطار لالٹینوں کی پچاس پچاس گز کے فاصلے پر کھمبے یا ستون کھڑے کر کے لگائی گئی ہے ؎

مناجات سحری

تمام مشاہد مقدسہ واقعہ عراق و حجاز حتےٰ کہ مکہ معظمہ تک میں یہ قاعدہ ہے۔ اور مشہد امام رضاؑ میں یہی دستور ہے۔ کہ صبح صادق سے پہلے سحر کے وقت موذن گلدستہ پر جا کر خوش آوازی و الحان سے مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات پڑھتا ہے۔ جس کی آواز بلندی مقام کی وجہ سے تمام شہر میں پہنچتی ہے۔ مومنین با صدق و یقین اس آواز کو سنکر اپنے بستروں سے اُٹھتے اور حوائج ضروری سے فارغ ہو کر مہیائے نماز ہوتے ہیں۔ کہ اتنے میں طلوع صبح صادق پر صدائے اللہ اکبر تمام مساجد و حرم شریف سے بلند ہوتی ہے۔ اس وقت تمام صحن ساکنین و زائرین سے بھر جاتے ہیں۔ اور جا بجا نمازیں جماعت کے ساتھ ہونے لگتی ہیں۔ نماز و تعقیبات سے فارغ ہوئے۔ اور حضرات واعظین منبر پر گئے۔ وعظ شروع ہو گئے۔ ہزارہا مرد و عورت ان کے سامنے وعظ سُننے بیٹھ جاتے ہیں۔ جس اعتقاد کے یہ لوگ خصوصاً یہاں کی عورتیں ہیں۔ ہرگز ہمارے اس ملک کی یہ حالت نہیں۔ سچ تو یہی ہے۔ کجا سرزمین ہندوستان کفرستان۔ کجا وہ ارض جنت نشان۔ وہ عورتیں مناجات کے

وقت گھر سے نکلتی ہیں - اس وقت کی گئی گئی نو دس بجے گھر کو واپس آتی ہیں - اور اس قدر پابند کہ لاکھ ابر باد ہو - مگر ان کو حرم میں حاضر ہونا ضرور - وہ اپنے تئیں ایک سیاہ لباس میں جسے چادر پیچ کہتے ہیں تمام بدن چھپائے رکھتی ہیں - منہ پر سفید نقاب پڑی رہتی تھی - یہی وضع ہر ایک امیر غریب کی ہے جس کا بڑا فائدہ یہ ہے - کہ امتیاز نہیں ہونے پاتا - کوئی نہیں کہتا - کہ غریب کی عورت ہے یا امیر کی - وعظ سننے میں بھی عورتوں ہی کا زیادہ مجمع ہوتا ہے +

اوقات حرم

حرم کا دروازہ تمام دن کھلا رہتا ہے - زائروں کی کثرت یکساں رہتی ہے علے الخصوص بعد نماز مغرب اور وقت مناجات سے تا طلوع آفتاب ایسا انبوہ ہوتا ہے - کہ سیکڑوں کو تا ضریح اقدس پہنچنے اور اس کے بوسہ دینے کی نوبت نہیں آتی - عجب سہانا وقت ہوتا ہے - جب کہ مؤذن بالائے گلدستہ جا کر بہت خوش الحانی سے مناجات پڑھتا ہے - مناجات کا مضمون مناسب مقام و وقت ہوتا ہے - اور اسمیں نہایت بلاغت کا لحاظ کیا جاتا ہے - اس وقت سے لے کر نو بجے رات تک حرم کا دروازہ کھلا رہتا ہے - ہر وقت زوار ضریح اقدس کے گرد رہتے ہیں - ٹھیک رات کے نو بجے دروازہ بند ہوتا ہے - اس وقت مامور شدہ محافظ وہاں رہتے ہیں - ورنہ سب اپنی اپنی جگہ چلے جاتے ہیں +

کتاب خانۂ مبارک

یہ کتب خانہ جیسا کہ پہلے لکھا گیا سلطان شاہرخ بن امیر تیمور کے زمانے میں قائم ہوا بعد ازاں وقتاً فوقتاً اس میں اضافہ ہوتا گیا - مختلف امراء و خوانین اس کو ترقی دیتے رہے - شاہ عباس اور سلطان حسین نے قیمتی کتابیں اس میں بھجوائیں - اور اس بات کے معلوم کرنے سے تعجب ہوتا ہے - کہ جس شخص نے اس کتاب خانے پر سب سے زیادہ احسان کیا - وہ نادر شاہ تھا - کہ باوجود جاہل ہونے کے اسی نے چارسو نسخے قلمی رکھوائے بہت زیادہ مایۂ فخر و ناز اس کتب خانے کا ایک نسخہ قرآن شریف و فرقان حمید ہے - جو دستخط خاص حضرت امیر المومنین علی مرتضےٰ سے کہا جاتا ہے - ایک اور قرآن ہندوستان سے تحفہ کے طور پر گیا

اس کی تزئین وطلاکاری اعلیٰ درجہ کی ہے۔ درحقیقت اس کی کاریگری بہت ہی صفت وثنا کے لائق ہے۔ شاہ غفران پناہ ناصر الدین شاہ نے ہنگام قیام مشہد مقدس مکرر اس کتبخانہ کا معائنہ کیا۔ اور خاطر مبارک ان قرآنوں کی زیارت ودیگر نادر کتابوں کو دیکھ کر بہت محظوظ ہوئی۔ نیز آپ نے کچھ اوراق ایک قرآن عظیم مرزا بایسنقر مرحوم کے ہاتھ کے لکھے ہوئے دیکھے۔ جو نہایت پسند خاطر ہوئے حکم دیا کہ اعلان کیا جائے۔ کہ جو شخص باقی اوراق اس نسخہ کے کتاب خانہ مبارکہ میں داخل کرے مستحق انعام واکرام شاہی ہوگا۔ حقیر مؤلف کہتا ہے۔ کہ لارڈ کرزن بہادر نے بیان حال کوچان میں ایک قرآن کا ذکر کیا ہے۔ کہ نہایت پاکیزہ خط کا تھا۔ اس کے اوراق طول میں دس بارہ فٹ کے عرض میں سات آٹھ فٹ کے تھے۔ نادر شاہ کے کوچانی سپاہی امیر تیمور کے معتبرہ واقعہ سمرقند سے اس کے ساٹھ ستر ورق اٹھالائے تھے۔ کیا عجب ہے۔ کہ اوراق موجودہ کتب خانہ حضرت وہی اوراق بایسنقری قرآن کے ہوں۔ کیونکہ بقول لاٹ صاحب فریزر سیاح نے ۱۸۴۲ء میں یعنی آپ کے سفر سے کوئی پچاس برس پہلے ان ورقوں کو کوچان کے کسی امام باڑے کے ایک طاق میں رکھے دیکھا تھا۔ بہت قرین قیاس ہے۔ کہ ثانی الحال کوچان کے امام باڑے سے رفتہ رفتہ مشہد امام کے کتب خانہ تک رسائی ہوئی ہو۔ اور سمرقند کے تیموری مقبرے سے ان کا لایا جانا بھی بڑا قرینہ ان کی بایسنقری خط سے ہونے کا ہے۔ بشرطیکہ مرزا بائسنقر سے وہی تیموری شاہزادہ مرزا شاہرخ کا بیٹا مراد ہو۔ جس کا ذکر پہلے اس رسالے میں گزرا +

بڑی تقطیع کا قرآن

نیز بادشاہ نے حکم دیا۔ کہ آئندہ کوئی نسخہ کتب خانہ سے باہر نہ جانے پائے۔ بلکہ جو کوئی عاریۃً باہر گیا ہے۔ واپس کرے۔ آئندہ جو کوئی کسی کتاب کو دیکھنا چاہے کتبخانے میں بیٹھ کر دیکھے۔ مگر باہر لیجانے کا طریقہ بالکل بند کر دیا جائے +

۱۸۵۸ء میں اس کتب خانہ کی فہرست تیار کی گئی تھی۔ اس وقت اس میں کل ۲۹۹۷ کتابیں ۴۷۶۵۳ جلدوں میں تھیں۔ ان میں ۱۴۱۰ قرآن ۱۸۹ چھاپے کی ۸۵۲ قلمی۔ قلمی نسخوں سے بعض بلحاظ تقطیع وحجم وخوبی لاجواب تھے۔ ۲۹۹ کتابیں زائروں کے لئے

ادعیہ واعمال کی ۲۴۶ عام کتب فقہیہ ۲۲۱ صرف عقاید مذہب شیعہ کے متعلق۔ لارڈ کرزن کہتے ہیں۔ کہ کتب خانہ کی بابت ہم خانیکاف کے مرہون منت ہیں۔ جس نے ہمارے واسطے یہ قیمتی اطلاعیں بہم پہنچائیں۔ حقیر مؤلف کہتا ہے۔ کہ ہم اپنے ملک ہندوستان کے سابق وائسرائے و گورنر جنرل آنریبل جارج نتھیں کرزن بہادر کے ممنون احسان ہیں۔ کہ ان کے ذریعہ سے یہ اطلاعیں ہم تک پہنچیں۔ گو اب سے ۵۰ سال پہلے کی پرانی ہیں۔ اور ان کی صحت بھی یقینی نہیں +

شفاخانہ یہ ایک خوشنما عمارت ہے۔ جس میں چاروں طرف کمرے بنے ہوئے ہیں۔ اور ایک وسیع صحن پر مشتمل ہے۔ جس میں چمن لگا ہوا ہے۔ اور کنارے پر بڑے بڑے درخت نصب ہیں۔ مریض اپنے اپنے کمروں میں نہایت آرام سے رہتے ہیں۔ ان کے لئے سامان راحت ہر طرح کا موجود ہے۔ کیونکہ ہر مریض کے لئے ایک پلنگ مع بستر و لحاف و تکئے کے ایک میز۔ صراحی۔ گلاس۔ دوا کی شیشیاں۔ اگالدان ایک لیمپ ضرور رہتا ہے۔ زنانہ شفاخانہ دوسری جانب ہے۔ جس کے لئے ایسا ہی انتظام اس طرف بھی ہے۔ اور اس کی پوری نگہداشت عورتوں کے ہاتھ میں ہے۔ غریب زوار جب علیل ہوتے ہیں۔ اور انہیں کوئی سہارا اس عالم غربت میں نہیں رہتا۔ تو وہ سیدھے اس شفاخانے میں چلے جاتے ہیں۔ اُن کی وہاں معقول خبر گیری ہوتی ہے۔ یہ بیان ۱۹۰۲ء کا ہے۔ اس سے ۳۵ سال قبل کا حال سفرنامہ شاہ ایران میں "غرہ ربیع الاول روز ہیجدہم توقف موکب ہمایوں بآستان عرش نشاں" کی سرخی کے نیچے اس طرح پر لکھا ہے۔ کہ اول بادشاہ دارالشفائے جدید میں کہ عمارات بناکردۂ مرحوم مشیر الدولہ ہے تشریف لائے۔ وضع باغچوں اور مریضوں کے حجروں اور لباس و بستر و چارپائیوں اور غذا و دواہائے مریض خانے کی مقبول طبع شاہی ہوئی۔ اور کچھ روپیہ خدام و مستحقین شفاخانہ کو بطور انعام مرحمت فرمایا۔ باوجود ان بیانات کے جو لارڈ کرزن نے اس پر نکتہ چینی کی ہے۔ کہ وہاں کا سامان اور انتظام اچھا نہیں تو اس کے یہی معنی سمجھنے چاہئیں۔ کہ لندن و پیرس کے اسپتالوں کے تکلفات و سامانوں سے اس کا سامان کم تر درجہ کا ہے +

باورچی خانہ یہ بات معروف و مذکور ہے۔ اور کمتر کسی پر مخفی دستور ہوگی۔ کہ سرکار فیض آثار مشہد مقدس کا مطبخ وسیع پیمانے پر جاری ہے۔ ہر ایک وارد و صادر اس سے فیض یاب ہوتا ہے۔ اور امیر و غریب کو وہاں سے کھانا ملتا ہے۔ اس سرکار میں دو باورچی خانے ہیں۔ ایک عام۔ ایک خاص۔ دونوں میں دو دو تین تین عہدہ دار اور سترہ اٹھارہ تک باورچی پکانے والے۔ عام مطبخ بازار بالا خیابان میں واقع ہے۔ اس سے بیرونجات کے کم مایہ مسافروں کو جو شوق زیارت میں گھر سے نکل کھڑے ہوتے ہیں خرچ پاس نہیں ہوتا۔ تو محتاج ہو جاتے ہیں۔ دونو وقت کھانا ملتا ہے۔ اس کے دو طریق ہیں۔ ایک تو یہ کہ اپنے اپنے مقاموں سے ظروف لاتے ہیں۔ ان میں بھر کر کھانا لیجاتے ہیں۔ دوسرے وہ جو وہیں دسترخوان پر بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ ان کے لئے ملازمین سرکاری ظروف میں عزیز مہمانوں کی طرح کھانا چُن دیتے ہیں۔ وہ نوش جان کرتے ہیں۔ دوسرا باورچیخانہ خاص صحن نو میں ہے۔ اس سے ملازمین جن کا کھانا حضرت سے مقرر ہے کھاتے ہیں۔ اور نئے آنے والے زائروں کو تین روز بقول ویمبری سات روز کھانا دیا جاتا ہے۔ اس طرح پر اس باورچی خانے سے کوئی پندرہ سے آدمی ہر روز کھانا کھاتا ہوگا۔ ایک دو روز کی مہمانی تو ایسی بابرکت اور اس قدر عمومیت سے ہے۔ کہ شاہان ذی شان کو بھی اس سے استغنا و استثنا نہیں۔ زیادہ نہیں۔ تو ایک دو وقت اس میں شریک ہونے کو اپنی سعادت جانتے ہیں۔ ناصر الدین شاہ کے مع ملازمان درگاہ اس دعوت عام میں شرکت کی کیفیت خود ان کے سفرنامے کی عبارت میں اس طرح پر ہے "اعتضاد الدولہ و معیر الممالک و حاجی مرزا علی مشکاۃ الملک و ہم دیگراں از چاکراں را مقرر داشتند۔ کہ رفتہ محض تیمن و تبرک از خوانہائے نعمت حضرت امامت کہ زیادہ از اندازہ بود ند قسمت گیرند و معدودے از چاکراں ادنے و اعلے باقی نماند کہ دراں روز دراں آستان مبارک تغذیہ ننمود حتے کہ قسمتے از برائے بازماندگاں و اقربائے خویش بگرفت +

جیلخانہ صحن کہنہ میں واقع ہے۔ اس میں وہ لوگ جنہوں نے حدود حرم کے اندر چوری وغیرہ کا ارتکاب کیا ہے متولی باشی کے حکم سے قید کئے جاتے ہیں۔ جس کا

دوسری عبارت میں یہ مطلب ہے۔ کہ تمام بست میں بادشاہی حکومت کا دخل نہیں۔ یہاں کا سفید و سیاہ سب ملازمان درگاہ سے متعلق ہے۔ ان قیدیوں کی رہائی کا وہ وقت خاص ہے۔ جب کہ روز عاشورۂ محرم میں بہادر ترک قوم شمشیروں سے ماتم کرتا ہوا اس جگہ پر آکھڑا ہوتا ہے۔ تو تاوقتیکہ وہاں کے تمام قیدی نہ چھوڑ دئے جائیں۔ وہ لوگ برابر شمشیروں سے ماتم کرتے رہتے ہیں۔ بالآخر بحکم متولی باشی سب رہا کئے جاتے ہیں +

ملازمان حرم آخر میں ہم روضہ مطہرہ کے متولیوں، خادموں و دیگر ملازموں کو ناظرین رسالہ سے تعارف کرا کر اس بقعہ محترم سے وداع ہوتے ہیں۔ اور حدود حرم سے پچھلے پاؤں باہر آتے ہیں۔ یعنی اس کے حالات کو ختم کرتے ہیں۔ واضح ہو۔ کہ تمام مدوں کا صاحب اختیار جملہ عملات کا افسر ہر ایک عمارت اور ہر شے کا نگہبان مختصراً حرم محترم کے جملہ معاملات کا ذمہ وار ایک اعلے عہدہ دار ہے۔ جو قدیم سے متولی باشی کے معزز نام سے موسوم ہے۔ ضرور نہیں۔ کہ یہ متولی باشی فرقۂ علماء سے ہو۔ وہ اپنی بہت سی ظاہری باطنی قابلیتوں کے اعتبار سے منتخب ہوتا ہے۔ اور اپنے جلیل القدر عہدہ کے لحاظ سے مشہد میں اخص الخاص سمجھا جاتا ہے۔ اور اقتدار و رسوخ کے اعتبار سے گورنر جنرل خراسان سے کچھ کم نہیں ہوتا۔ بلکہ اکثر اس پر بھی فوقیت لے جاتا ہے۔ لارڈ کرزن کہتے ہیں۔ کہ موجودہ شاہ (ناصر الدین شاہ) کی طاقت کا یہ کچھ کم ثبوت نہیں۔ کہ دوسرے مقامات کی طرح یہاں بھی اس نے اپنے بھائی رکن الدولہ کو جو میرے خراسان کے پہنچنے کے وقت یہاں کا گورنر جنرل تھا متولی باشی کے عہدہ پر مامور کیا تھا۔ تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے۔ کہ دونوں عہدوں پر ایک ہی شخص کا تقرر عمل میں آیا۔ مؤلف اوراق کہتا ہے۔ خود اس بادشاہ کے مشہد مقدس میں ہونے کے زمانے میں یعنی ۱۲۸۴ھ ہجری میں مرزا محمد خاں دبیر مہام خارجہ بلقب مجد الملکی متولی باشی روضۂ اقدس مقرر ہوا تھا۔ متولی باشی بزرگ کے سوا اس کے نائب کمتر درجہ کے متولی ہیں۔ جن میں بعض کی خدمت موروثی ہے۔ بعض کو شاہ مقرر کرتا ہے۔ دیگر

ناظر۔ قرآن خواں۔ مجتہد۔ پیش نماز۔ خادم۔ فراش۔ دربان۔ موذن اور ہر کارخانہ اور صیغہ کے ملازم مثل باورچیخانہ۔ شفاخانہ۔ کتاب خانہ۔ شمع خانہ۔ صیغہ تعمیر۔ سبیل خانہ۔ خزانہ۔ نقارخانہ وغیرہ وغیرہ کے علیحدہ علیحدہ ملازم نقد اور غلہ سالانہ کے تنخواہ دار کوئی دو ہزار عدد ہونگے۔ زنانہ شفاخانہ کے ملازم عورات ان کے سوا ہیں۔ سفرنامہ شاہی میں اس زمانے کے عہدہ داروں کے نام تفصیل وار بتلائے ہیں۔ اور بعض دیگر حضرات نے بھی عہدہ داروں کی تعداد یں بتلائی ہیں۔ مگر چونکہ ہر زمانے میں مختلف اشخاص ان خدمات پر بتعداد کم و بیش مامور ہوتے رہتے ہیں۔ لہذا ان کی تفصیل نہیں لکھی گئی۔ اور رسالہ شیعہ نمبر ۷ جلد ۹ میں تحریر ہے۔ کہ مشہد میں کوئی پندرہ سو علما پینتیس سو مختلف ملازم زیارت پڑھانے والے ماتم کرنے والے اموات کو غسل دینے والے تجہیز تکفین کرنے والے شامل ہیں*

روضہ منورہ کے مداخل اور اس کے ذرائع

لارڈ کرزن بہادر لکھتے ہیں۔ کہ روضۂ مبارکہ کی آمدنی نقد و جنس کثیر المقدار ہے۔ حضرت کی جائداد غیر منقولہ تمام ملک ایران میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ مکانات۔ کارواں سرائیں۔ دوکانوں اور بازاروں کی شکل میں بہت سی جائداد آپکی ملک سے ہے۔ سفرنامہ شاہی کے روزنامچہ میں تاریخ یکم ربیع الاوّل کے حالات میں درج ہے۔ کہ جمع خرچ آستانہ مبارکہ کی کتاب معائنہ ہوئی۔ جزئی و کلی آمدنی و اخراجات کو حضور انور نے بامعان نظر ملاحظہ کیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ آمدنی پچاس ہزار تومان اور خرچ اس سے قریب چھ ہزار تومان کے کمتر ہے۔ تو مقرر ہوا۔ کہ آئندہ جناب متولی ہر سال رقم باقی ماندہ کو اہل کاراں دیوان اعلیٰ کی صلاح سے تعمیر عمارات و درستی موقوفات میں صرف کیا کرے۔ حقیر مؤلف کہتا ہے۔ کہ یہ واقعہ ۱۲۸۴ھ ہجری یعنی اب سے چھیالیس سال پہلے کا ہے۔ ظاہر امر اب پچاس ہزار تومان سے دو آمدنی ہے۔ جو بصورت نقد وصول ہوتی رہتی ہے۔ اراضیات و دیہات زمینداری سے جو غلہ شالی و گندم وغیرہ بطور خام یا بٹائی کاشتکاروں سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ اس کے

علاوہ ہوگا کیونکہ اس سے چھبیس ۲۶ سال بعد آج سے بیس سال پہلے جب کہ کرزن صاحب نے وہاں کے وسائل آمدنی کی پڑتال کی۔ تو ان کا بیان حسب ذیل ہے" جو اطلاع مجھ کو ملی ہے۔ اس کی رو سے اس وقت خانقاہ (نہ معلوم مصنف نے اس مقام پر اپنی زبان میں کیا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس کا ترجمہ مترجم ہر جگہ غیر موزون لفظ خانقاہ سے کرتے ہیں) کی آمدنی ساٹھ ہزار تومان (جو موجودہ شرح تبادلہ کے حساب سے سترہ ہزار پونڈ مساوی دو لاکھ پچپن ہزار روپیہ کے ہوتے ہیں) اور دس ہزار خروار[۱] غلہ ہے۔ پس عرصہ ۲۶ سال میں یہ تو ممکن ہے کہ آمدنی پچاس ہزار سے بڑھ کر ساٹھ ہزار تومان ہو گئی ہو۔ مگر یہ بعید ہے۔ کہ معائنہ شاہی کے وقت غلہ کی قیمت لگا کر اسی پچاس ہزار میں داخل کر لیا گیا ہو۔ نہ یہ قیاس میں آتا ہے۔ کہ اس وقت صرف نقد ہی آمدنی ہو۔ اجناس کی آمدنی کچھ بھی نہ ہو۔ لاٹ صاحب کے عہد میں پیدا ہو گئی ہو۔ پس اغلب یہ ہے۔ کہ شاہی معائنہ میں غلہ کا اس لئے ذکر نہیں کہ وہ جیسا آتا ہے۔ ویسا ہی خرچ ہو جاتا ہے۔ فروخت کرنے اور نقد روپیہ بنانیکی نوبت نہیں پہونچتی۔ کچھ باورچیخانوں میں چلا جاتا ہے۔ اور وہاں ہر چھٹے مہینے انبار خانے کی خرچ شدہ مقدار کو پورا کرتا ہے۔ باقی ملازموں کو ملتا ہے۔ کیونکہ حرم کے اہلکاروں کی تنخواہ نقد و جنس مجموعی طور سے مقرر ہے +

واضح رہے۔ کہ اس میں نذروں اور چڑھاووں کی آمدنی کہ وہ بھی ایک رقم معقول ہو جاتی ہوگی غالباً شامل نہیں۔ قیمتی نفیس اشیاء داخل خزانہ ہو جاتی ہیں۔ اور نقد و جنس بجنسہ مستحقین کو تقسیم ہو جانے سے ان کے رجسٹروں میں درج ہونیکی نوبت نہیں آتی +

مقبرۂ نادر شاہ یہ نامور بادشاہ جس نے عرصۂ دراز تک اس شہر مقدس کی سرپرستی کی اور بکمال حسن عقیدت اس کو آراستہ کیا۔ ابتدا یہیں دفن ہوا تھا۔ اس نے اپنی زندگی

---

[۱] لاٹ صاحب حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ ایک خروار بقدر ۶۵۹ پونڈ = ۳۲۴ ½ سیر = ۸ من ۴ ½ سیر ہے۔ اس حساب سے کل غلہ محاصل ۸۱ ہزار ۲۶۰ من ۲ سیر پختہ ہوا۔ چونکہ غلہ زیادہ تر گندم و شالی ہوتا ہے۔ لہذا دس ہزار خروار کی قیمت جبکہ خروار وزن میں ۸ من ۴ ½ سیر پختہ ہو بحساب ۳ روپیہ فی من اوسط نرخ مروجہ حال ہندوستان ۲۴۳۸۱۷ روپیہ ۸ ر ہوئے + ۱۲ منہ

میں اپنے اور اپنے بیٹے رضا قلی مرزا کے واسطے دو مقبرے بنوائے تھے۔ جو روضۂ منوّرہ اور بازار خیابان کے وسط میں حدود بست کے اندر واقع ہے۔ مگر اس وقت ان کا نشان بھی باقی نہیں۔ لارڈ کرزن بہادر کہتے ہیں۔ کہ آغا محمد خاں مورث خاندان قاچار نے تخت پر بیٹھتے ہی دونو قبروں کو مسمار کیا۔ حتّےٰ کہ ان کی ہڈیاں تک نکلوالیں۔ اور طہران میں لے جاکر اپنے محل کی دہلیز میں گڑوائیں۔ تاکہ جب کبھی باہر نکلے یا اندر جائے۔ تو اس کی مٹی کو اپنے پاؤں تلے روندتا ہوا جائے۔ جس کی طرف سے اس پر ظلم ہوتے تھے۔ کچھ زمانے تک اس جگہ ملبہ کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ مگر اب کوئی علامت موجود نہیں +

بقیہ حالات شہر مشہد مقدس

محلات شہر مشہد چھ حصّوں پر منقسم ہے۔ جن کو محلّے کہتے ہیں۔ محلّہ عیدگاہ۔ محلہ سرشور و مسجد ذوالفقار۔ محلّہ سراب وچار باغ۔ محلّہ نوغان۔ خیابان علیا۔ خیابان سفلے +

مساجد کُل ۱۵۔ مشہور ۲ مسجدیں ہیں۔ ایک مسجد گوہرشاد آغا۔ دوم مسجد شاہ کہ قدیم زمانے میں ازبکوں کی بنائی ہوئی۔ اس وقت خراب پڑی ہے۔ باقی ۱۳ مساجد +

حمام مشہور حمام لاچہ موقوفۂ آستانۂ مقدسہ۔ حمام شاہ و برد یخاں۔ حمام شاہ نیز موقوفۂ آستانہ۔ حمام سرشوق۔ حمام امام جمعہ۔ حمام ماچنار۔ حمام بازار۔ حمام حسین قلی۔ حمام حاجی صفر۔ حمام سالار۔ حمام مرزا ابراہیم۔ حمام عباس قلیخاں +

خانات (سرائیں) خاں عباس قلی خاں موقوفۂ حضرت۔ خاں میر معین موقوفہ۔ خاں دارالزیارۃ۔ خاں امام جمعہ۔ خاں شاہ ویردی خاں وقف کردۂ اجداد مرزا بابائے مستوفی۔ خاں عبداللہ خاں۔ خاں سالار خاں قزوینی۔ خاں سلطان موقوفۂ حضرت۔ خاں واردی۔ خاں سربعی۔ خاں کاشانی +

مدارس سولہ ۱۶ بڑے مدرسے ہیں۔ جن میں ایران ہندوستان۔ افغان و ترکستان وغیرہ سے آکر کوئی بارہ ہزار طالب علم تعلیم پاتا ہے۔ بعض کے نام یہ ہیں۔ مدرسۂ نواب۔ مدرسہ حاجی حسین۔ مدرسہ ملا محمد باقر۔ مدرسہ فاضل خاں۔ مدرسہ مرزا

جعفر۔ مدرسہ حراد خاں۔ مدرسہ عباس قلی خاں۔ مدرسہ بالاسر۔ مدرسہ پریزاد۔ مدرسہ خورد۔ مدرسہ سلیمان خاں۔ مدرسہ پائیں پا۔ مدرسہ حاجی رضوان +

بازارہائے معتبر | بازار بزرگ خیابان بالا و پائیں۔ آمد و رفت قافلہ ہائے زوار کی ان بازاروں سے ہوتی ہے۔ جو مومنین راہ ہرات سے آتے ہیں۔ وہ خیابان پائیں سے آتے ہیں۔ وہ اکثر اہل کشمیر۔ کابل۔ قندھار اور ہرات و کرشک وغیرہ ہوتے ہیں۔ اور اہل عرب و عجم اور ہندی راہ نیشاپور سے کہ راہ سلطانی مشہور ہے بالا خیابان سے آتے جاتے ہیں۔ بازار جنب مسجد گوہرشاد۔ ایک بازار بزاراں۔ بازار جفت فروشاں۔ بازار کلاہ دوزاں بازار زرگراں۔ بازار حماراں وغیرہ وغیرہ +

مکانات مشہد | باہر سے کچھ شاندار معلوم نہ ہوتے تھے۔ دروازے پست و بے ترکیب تھے ۱۲۹۴ھ ہجری میں مرحوم ناصر الدین شاہ نے ان کو حکم نافذ کیا۔ کہ اس عظیم الشان شہر کی شان کے موافق اس کے دروازے اُونچے شاندار بنائے جائیں۔ جیسے کہ طہران کے ہیں۔ اندر سے مکانات کی آرائش کا ایرانیوں کو خاص سلیقہ ہے۔ ان میں زیادہ تر لکڑی کا کام ہوتا ہے۔ صاحب مکان اپنے بیٹھنے کا کمرہ معقول طریق سے سجاتا ہے۔ جس سے اس کی ذہانت خوش سلیقہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اہل مشہد عموماً قالینوں کا فرش بچھاتے ہیں۔ ان کے اُوپر دیواروں سے متصل رُوئی کے ملائم گدے بڑے ہوتے ہیں۔ ہر شخص کے لئے ایک گاؤ تکیہ جُدا ہوتا ہے۔ مکان عموماً دو منزلے۔ اور صاحب خانہ اُوپر کی منزل میں سکونت رکھتا ہے۔ صحن مکان میں حوض۔ کوئیں اور چمن کا ہونا ضروری ہے۔ جو نہایت ہی خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ ہر شخص اس چمن کو اپنے مذاق کی معرفت آراستہ کرتا ہے۔ حوض کے کنارے گملے رہتے ہیں۔ جن میں اکثر کروٹن یا دیگر پھول کے پیڑ لگے ہوتے ہیں۔ حوض سے وہ لوگ صرف ان چمنوں کی سیرابی کا کام لیتے ہیں۔ نہانے کو حماموں میں جاتے ہیں۔ جس کے بچپن سے عادی ہوتے ہیں۔ اثنا عشری اخبار مورخہ یکم جنوری سنہ ۱۹۱۱ء ہرچند ایرانیوں کے آرائش مکان کا خاص سلیقہ ہم کو پہلے سے معلوم ہے۔ کیونکہ ہم خوب جانتے ہیں۔ کہ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں دلّی۔ لکھنؤ وغیرہ کے

مکانوں کی کرسی دار۔ فراخ صحن۔ ان میں حوض وچمن۔ مختصراً دیوانخانوں کی آرائش کے ڈھنگ مسلمانوں کے ساتھ ایران سے آئے ہیں۔ نہیں تو ہندوؤں کے مکانات کی تو اب تک بھی جو حالت ہے ظاہر ہے۔ لیکن نئی زمانہ فرنگی طرز کی بود و باش کی دلآویزی رو کی طرح چڑھی چلی آ رہی ہے۔ اس کے آگے نہ عرب و ایران کوئی شے ہے۔ اور نہ ہندوستان۔ اس جدید روش اور اس کے تکلفات کے آگے سب کی گردن تسلیم خم ہے۔ اب محل سرا و دیوان خانوں کی جگہ کوٹھی بنگلے آراستہ ہو گئے۔ قالین گاؤ تکیے اُٹھ کر میز کرسی لگ رہی ہیں۔ ڈھیلی ڈھالی عبا۔ قبا چھوٹ کر کوٹ پتلون ڈانٹے ہوئے ہیں۔ وقس علے ہذا +

کوچے خاص بازاروں کے سوا شہر مشہد کے دیگر بازار اور راستے اس طرح تنگ اور پیچ در پیچ ہیں۔ جن سے ہندوستان کے بڑے سے بڑے شہر بھی اب تک سو برس سے زیادہ زیر حکومت انگریزی رہنے کے باوجود خالی نہیں۔ علے ہذا یہ راستے وہی اگلے طور سے ناہموار و غیر پختہ ہیں۔ شاہ مرحوم نے جہاں دروازوں کے بلند کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہاں یہ بھی تاکید فرمائی تھی۔ کہ کوچوں کے سروں پر حتے المقدور جلوخانے بنا کر شہر کی رونق دوبالا کی جائے +

بادگیرے مکانوں کی چھتوں پر متعدد بادگیرے یعنی ہوا لینے کے برج اُٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جو بقول کرزن صاحب خلیج فارس کے بحری کنارے کے شہروں کا نمایاں منظر ہے۔ اِن کی بناوٹ اس طرح ہے۔ کہ چار پہلوؤں کا مربع بلند مینار مکان کی چھت پر بنایا جاتا ہے۔ اس کے چاروں طرف عمودی نالیاں یا درزیں ہیں۔ جو چھت کے اندر گھستی چلی جاتی ہیں۔ انہی کے راستہ ہو کر ہوا نیچے کمرے میں جہاں صاحب گرمیوں میں رہتا ہے داخل ہوتی ہے۔ اور اس طرح گرمی کے موسم میں اس کمرے میں ہوا کے[1] مسلسل جھونکے آتے رہتے ہیں۔ ایران کے زیادہ گرم حصوں میں بجائے ان ہوائی نلوں کے سرداب یعنی

[1] ممالک عراق کربلا معلے۔ کاظمین ونجف اشرف وغیرہ میں بھی ان سردابوں کا بہت رواج ہے۔ مگر وہ سرداب ہندوستان کے تہ خانوں سے ذرا مختلف ہیں۔ یہاں ایک منزل پوری زمین کے اندر داخل ہوتی ہے عراق کے تہ خانوں میں بیشتر نصف منزل زمین میں نصف اُوپر ہوتی ہے + ۱۲ منہ

تحت خانے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے بنائے جاتے ہیں +

قبرستان سواء ان مقابر کے کہ حدود بست کے اندر صحنہائے مقدسہ اور انکے اِدھر اُدھر واقع ہیں۔ اور وقتاً فوقتاً ان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ایک قطعہ زمین قبرستان کے نام سے جداگانہ چھوٹا ہوا ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت کو زہر دیا گیا تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے اس ٹکڑے کو قتل گاہ بھی کہتے ہیں۔ آگے یہاں باغ ہوتا تھا۔ بعد کو خرید کر وقف کیا گیا۔ ممکن ہے۔ کہ مامون بوقت سفر عراق اس باغ میں مقیم ہوا ہو۔ اور وہاں یہ واقعہ ہوا ہو۔ لاٹ صاحب کہتے ہیں۔ کہ جس سرزمین میں دفن ہونا لوگ باعث نجات آخرت جانیں۔ وہاں قبروں کی کیا کمی۔ لامحالہ جہاں تک نظر جاتی ہے۔ وہاں مٹی کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔ یا معمار سنگ تراش پتھر کی سلوں کو جو قرب وجوار کے پہاڑوں سے لائے جاتے ہیں۔ اور قبروں پر بطور یادگار نصب ہونیوالے ہیں۔ سڈول بنانے میں مصروف ہیں۔ یہی کاریگر کبھی کبھی آیات قرآنی اور بعض اوقات متوفی کا نام ونسب بھی کندہ کر دیتے ہیں۔ بہت سی قبروں پر سفید شامیانے تنے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ جن کو متوفے کے اقربا نے اس لئے تانا ہے۔ کہ قرآن خواں ان کے نیچے بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کریں۔ اور اس کا ثواب مُردے کی روح کو پہونچایا جائے۔ انتہی۔ قبرستان میں ایک مسجد ایک غسلخانہ اموات بھی ہے۔ اور بعض اکابر علماء بھی مثل شیخ طبرسی علیہ الرحمہ کے یہاں دفن ہیں۔ دالزائرین میں ہے۔ کہ شاہزادہ سید محمد عترت موسی کاظمؑ کا روضہ بھی کنارے آبادی پر بنا ہوا ہے۔ اس کے دوسری جانب دوکاندار سنگین ظروف انواع واقسام نقشیں دیگ وپیالے وکاسے چائے دان نمکدان حقہ اور صراحی وغیرہ فروخت کرتے ہیں۔ اسی پتھر کی دیگ میں (جیسا کہ جلد اول میں گزرا) امام رضا علیہ السلام نے بھی کھانا پکوا کر تناول کیا ہے۔ جس سے حق تعالے نے یہ صفت اس پتھر کو عطا کی ہے۔ کہ جس گھر میں اس کا استعمال ہو۔ وہاں برکت ہوتی ہے +

مشہد میں یہودیوں کی آبادی

مشہد میں اب تک بھی بہت سے یہودی رہتے ہیں۔ ان کو اپنے مذہبی طریقہ کے
بموجب ادائے عبادت کی ممانعت ہے۔ مگر وہ خفیہ طور سے اپنی رسوم ادا کرتے رہتے
ہیں ۱۸۳۹ء میں ایک بار انہوں نے عین عید الضحیٰ کے روز جب کہ مسلمان قربانی
کرنے میں مصروف تھے ایک کتا ذبح کیا۔ مسلمانوں کو اس خیال سے کہ انہوں
نے اس سے ہماری مذہبی رسم کی توہین نقل اُتاری ہے اشتعال طبع ہوا۔ اور یہودیوں
پر چڑھ گئے۔ کہ تم نے ہمارے مذہب کی توہین کی ہے۔ اور ۳۵ آدمی ان کے اس
ہنگامے میں مارے گئے۔ کہتے ہیں۔ کہ ایک یہودن کے ہاتھ پر زخم تھا۔ کسی طبیب نے
اسے بتایا تھا۔ کہ کتے کو مار کر اس کے خون سے اپنا ہاتھ تر کرے۔ اس لئے انہوں
نے کتا مارا تھا۔ یہ بیان لارڈ کرزن کا ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ باقی یہود
اس روز جان کے خوف سے مسلمان ہو گئے۔ مگر اب وہ خفیہ طور سے پہلے سے بھی
زیادہ پکے یہود ہیں۔ اور اپنے تئیں (الوشم) مجبور کئے گئے کہتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں۔
ہر چند اس زمانے کے مقابلے میں آج کل بہت کم تعصب یہاں کے مسلمانوں میں ہے
مگر یہودی کو اب بھی چاہئے۔ کہ مشہد میں اپنا طرز عمل مؤدبانہ و منکسرانہ رکھے۔ خیابان +

آتش دانیں اس اقلیم کے حجرہ بلئے کاروان سرا اور اطاقہائے مکانات میں
چوٹھے پختہ بنتے ہیں۔ اور ایکے اوپر دو دکش ایسے بنائے جاتے
ہیں۔ کہ دھواں اُوپر کو چلا جائے۔ اِدھر اُدھر نہ پھیلنے پائے۔ اور حجروں کے درمیان
ایک گودال (گڑھا) بناتے ہیں۔ اس میں موسم برف و باراں و شدت سرما میں انگیٹھی
برنجی یا آہنی وغیرہ کی کوئلہ اور آگ سے پُر کر کے رکھتے ہیں۔ اس پر ایک چوکی بقدر
عرض گڑھے کے رکھ کر اوپر لحاف بزرگ ڈال دیتے ہیں۔ اور اس کے نیچے شب کو بعض
کنبے کے سب لوگ آرام سے سوتے ہیں۔ اور دن کو ایک پلا اس لحاف کا زانو پر
رکھ کر بیٹھتے اور کام سوزن کاری وغیرہ کرتے ہیں۔ اس عمل کو کرسی دینا کہتے ہیں۔
نیچے بوریا اس پر شطرنجی اُونی یا قالین بچھاتے گرد تکیے رکھتے ہیں۔ اس طرح مکان گرم کیا
جاتا ہے۔ اور اس پر چائے کا دور چلتا رہتا ہے۔ وہاں چارپائی کا دستور نہیں +

شہد کی آبادی پہلے سے معلوم ہے۔ کہ مشہد شہرہائے قدیم سے نہیں۔
اس کی ابتدا حضرت امام رضاؑ کے دفن ہونے سے ہوئی۔
ور شہرت اس میں بہت دنوں بعد سلجوقی اور چنگیزی بادشاہوں کے زمانوں میں آئی۔ اس
ت سے بارہا افغانوں۔ ترکمانوں کے تیر ستم کا آماجگاہ بنا رہا۔ تیموری خاندان کے زمانے
ی رونق جا کر طہماسپ اور عباس کے زمانوں میں بہت کچھ اس کی حالت درست ہوئی۔
ر نادر نے اور بھی فروغ دیا۔ مگر اس کے مرنے پر اس کی اولاد کی خانہ جنگیاں اس کے
ں میں زبون ثابت ہوئیں۔ حتےٰ کہ رفتہ رفتہ مرحوم ناصر الدین شاہ کی تحقیق کے موافق
۱۲۸۳ سنہ ہجری میں یہاں ۷ ہزار خاندان اور ۵۰ ہزار باشندے تھے۔ اس کے ۲۶ چھبیس
سال بعد بھی لارڈ کرزن کو سنہ ۱۸۹۲ء میں جس کو اب پورے بیس سال ہوئے ۵۰ ہزار
ی اطلاع ملی۔ مگر ان کی محقق اور باریک بین نظر نے گھٹا کر اس کو صرف ۴۵ ہزار رکھا۔
۵ ہزار آپ کی کاٹ چھانٹ کی نذر ہوا۔ نہیں تو آج تک جو تخمینہ وہاں کی آبادی کا کیا
جاتا ہے۔ وہ پچاس ہزار سے کمتر نہیں۔ یہ مستقل آبادی کا مذکور تھا۔ اس کے علاوہ
لاکھ ڈیڑھ لاکھ اشخاص ہر سال بقصد طواف مرقد مطہر اطراف و جوانب سے وہاں حاضر
ہوتا ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے۔ کہ ۵ ہزار سے لیکر ۸ ہزار زائر تک ہر وقت موجود رہتا
ہے۔ جو عرب۔ عجم۔ ہندوستان وغیرہ دور دراز ملکوں سے محنت شاقہ اٹھا کر یہاں
تا ہے۔ اور اس کی آبادی و رونق کو زیادہ کرتا ہے ✣

نعت و حرفت لارڈ کرزن کہتے ہیں۔ کہ مشہد میں تلواروں کے پھل اچھے بنتے
ھے۔ کاریگر امیر تیمور دمشق سے یہاں لایا تھا۔ مگر اب بندوق تنچہ کا زمانہ ہے۔ پیش
قبض اور تلواروں کو کوئی نہیں پوچھتا۔ نیز مشہد میں سوت پشم۔ ریشم کا کپڑا بہت اچھا بنتا
ہے گو بخارا کے اسی قسم کے کپڑوں سے کمتر درجہ کا ہو۔ اور وہاں ۱۶۵ ریشم کے اور
۳۲ شالبافی کے کارخانے ہیں۔ نیز قالین مشہد میں بہت اچھا بنتا ہے۔ ہر چند
صلی مشرقی وضع کی قالینیں جن کی بناوٹ غفت اور رنگ دیرپا ہوتے ہیں۔ قائن اور
رجند سے آتے ہیں۔ تاہم مشہد میں قالین بافی کے چالیس کارخانے ہیں۔ خیابان ✣

فیروزہ کی اعلےٰ درجہ کی کان نیشاپور میں ہونے کی وجہ سے مشہد میں بھی اس کی بڑی تجارت ہے۔ ہرچند جو عمدہ دانے وہاں سے برآمد ہوتے ہیں کان سے نکلتے ہی دور دراز ملکوں میں بھیج دئے جاتے ہیں۔ ان سب کے علاوہ کہتے ہیں کہ مشہد کا کفش کیمختی اور غیر کیمختی مشہور ہے۔ اور قلمدان بھی اچھے بنتے ہیں +

آب و ہوا مشہد کی آب و ہوا نہایت صحت بخش و خوشگوار ہے۔ حشرات الارض کی وہاں کمی ہے۔ موذی جانور پسّو۔ مچھر۔ کھٹمل[۱] اس ارض اقدس سے بالکل مفقود ہیں۔ بادہائے تند و سیاہ نہیں آتی۔ راتیں نہایت اعتدال کی ہوتی ہیں۔ باوجودیکہ قوانین حفظ صحت مروجہ حال پر زیادہ عمل نہیں ہوتا۔ نیز آبادی گنجان اور اس پر مستقل باشندوں کے سوا نو وارد وں کی بھی بڑی تعداد رہتی ہے۔ دیگر قبرستان بھی شہر کے اندر ہیں۔ اور غلیظ پانی کے نکاس کا معقول انتظام نہیں۔ باوصف ان تمام باتوں کے اس کی ہوا دیگر بلاد ایران سے بدرجہا بہتر ہے۔ اور گو کہ اس کا عرض بلد اسی خط متوازی پر واقع ہے۔ جس پر کہ طہران ہے۔ اور اس کا ارتفاع بھی طہران سے بقدر اڑھائی ہزار گز کمتر ہے۔ تاہم طہران کی نسبت جاڑے کے موسم میں سردی زیادہ پڑتی ہے۔ اور اوسط اموات اس کا کمتر ہے۔ بعض محققوں نے اس کا سبب اس پہاڑی سلسلہ کو قرار دیا ہے۔ جو اس کے شمال میں تھوڑی ہی دور سے شروع ہو گیا ہے۔ وہ صحرائے مضر ہوا کو وہاں آنے سے روکتا ہے۔ یہ لاٹ صاحب کے ریمارک ہیں۔ ہمارے نزدیک اس بلدۂ طیبہ کی تمام خوبیاں روضۂ منورہ حضرت امام الانس والجن علی بن موسی الرضا سے وابستہ ہیں۔ اور لاٹ صاحب نے جو مشہد کے پانی کی شکایت کی ہے۔ کہ اس میں گندک ہائڈروجن سے ملا ہوا مقدار کثیر میں ہے حتےٰ کہ رات کو استرا پانی میں رکھا۔ تو صبح کو بندوق کی نالی کی طرح سیاہ پایا ہم نے کسی

---

[۱] باوجودیکہ ایران کے بعض دیگر مقامات کے شب گزدوں (کھٹملوں) کی خوفناک اور وحشت انگیز حکایتیں مشہور ہیں۔ وہاں کے کھٹمل موٹے خاکی رنگ کے ہیں انکی پشت پر سرخ چتیاں ہوتی ہیں۔ اس کمبخت جانور کا ڈنک ایسا موذی ہوتا ہے۔ کہ بعض اوقات اس کے اثر سے آدمی مہینوں بیمار رہتا ہے + ۱۲ منہ

اور سیاح یا زائر سے اس کی بابت کچھ نہیں سُنا +

نکاح متعہ

مشہد میں نکاح متعہ کا رواج معلوم کر کے لاٹ صاحب نے بہت پیچ تاب کھایا۔ اور وہاں کی پاکباز عورات پر اس شرعی و جائز نکاح (نکاح موقت) کی بابت زبان درازی کی ہے۔ یا یہ کہئے کہ جو مادہ فاسدہ کہ ترکمان سُنّی عرصہ دراز تک آپ کی اردلی میں رہ کر براہ تعصّب مذہبی کانوں کی راہ آپ کے دماغ میں پہونچاتے رہے۔ اس کو آپ نے اس مقام پر زبان قلم سے نکالا ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔ کہ "مشہد میں ایسی عورتوں کی ایک کثیر اور مستقل تعداد ہے۔ جو ہنگامی زوجیّت (نکاح متعہ) کے لئے تیار رہتی ہیں۔ فریقین کسی مُلّا کے پاس جس کا ملنا دشوار نہیں چلے جاتے ہیں۔ اور اس کی اجازت سے معاہدہ نکاح مرتب کیا جاتا ہے۔ جس پر فریقین کی مُہریں ثبت ہو کر مقررہ شرح فیس (مہر) کے ادا کرنے کے بعد نکاح قانونی طور سے کامل ہو جاتا ہے۔ پندرہ بیس دن یا جو کچھ میعاد مقرر ہوئی ہو۔ اس کے گزر جانے کے بعد مدت ختم ہو جاتی ہے۔ عارضی شوہر دور دراز سرزمین میں اپنی پہلی محبوبہ کے پاس چلا جاتا ہے۔ اور عارضی زوجہ چودہ دن عدّت کے ختم کرنے کے بعد پھر کوئی نیا شوہر ڈھونڈ لیتی ہے"! اس بیان کدورت عنوان سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے بے سوچے سمجھے دُوسروں کے کہنے سے یہ ریمارک فرمادئے۔ نہیں تو آپ ہی کے قول کے موافق جب یہ معاہدہ ایک پیشوائے مذہب کے سامنے اس کی اجازت سے طے ہوتا ہے۔ اور مہر معیّن ہو کر ادا کر دیا جاتا ہے۔ نیز قبالہ لکھا جا کر فریقین کی مہریں اس پر ثبت کرالی جاتی ہیں۔ تو پھر اس میں اعتراض کی کونسی صورت باقی رہی۔ یہی صورت تو نکاح کی آپ کے مذہب میں اور جملہ ادیان و مذاہب میں رائج ہے۔ خاص کر جب کہ اس قدر اس میں احتیاط مدنظر ہو۔ کہ گذشتہ عقد کا عدہ بھی پُورا کر لیا جاوے۔ تو اس نکاح کی صحت میں عقلاً۔

عرفاً۔ شرعاً کیا کلام رہا۔ رہی یہ بات کہ یہ نکاح محدود ہے۔ نکاح دائمی ہونا چاہئے۔ سو یہ اس وقت تک بجا اور ان لوگوں کی زبان سے زیبا ہے۔ جہاں کہ مفارقت وطلاق کا پاؤں درمیان نہیں۔ جب کہ شرائع نے نظر بمصالح زوج وزوجہ میں جدائی جائز فرمائے۔ تو اس کے ماننے والوں کو نکاح موقت پر اعتراض نہیں پہونچتا کیونکہ غور سے دیکھا جائے۔ تو متعہ کیا ہے۔ ایک نکاح دائمی اور طلاق اختیاری کا مجموعہ ہے۔ بالفرض کسی نے ایک مقام پر متعہ نہیں دوامی نکاح کیا۔ اور پھر چند عرصہ بعد منکوحہ کو بخوشی یا کسی مجبوری سے طلاق دے کر وہاں سے چلا آیا۔ تو کیا اس مقام پر یہ صادق نہ آئیگا۔ کہ شوہر دوسری زوجہ کے پاس چلا گیا۔ اور زوجہ نے نیا شوہر ڈھونڈ لیا۔ گزشتہ بیان سے آگے اس سے زیادہ گرم ہو کر کیا انصاف و حیا کو بالائے طاق رکھ کر آپ یہ فرماتے ہیں۔ کہ متعہ مُنتم بالشان طریقہ کی عیاشی ہے۔ لہذا مشہد میں اتنی بدکاری ہوتی ہے۔ کہ دُنیا کے کسی شہر میں نہ ہوتی ہوگی۔ الے آخر الہفوات اس تقریر سے حضور غالباً فرنگستانی ملکوں کی کرتوت پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ لیکن لَنْ یُصْلِحَ الْعَطَّارُ مَا اَفْسَدَہُ الدَّھْر وہاں کے حالات کچھ ایسے طشت از بام ہیں۔ اور سیاحوں نے ان کو اس طرح پوست کندہ ظاہر کر دیا ہے۔ کہ کسی پردہ ڈھانپنے سے وہ چھپ نہیں سکتے۔ گو ہم اپنی کتاب کو ایسے گندے اذکار سے ملوث کرنا نہیں چاہتے۔ مگر کون نہیں جانتا۔ کہ یوروپ کے زن و مرد عیاشی کے دریا میں ڈوب رہے ہیں۔ اور ازدواج و احصان کے طریق کو خانہ داری کا جنجال سمجھ کر ترک کرتے جاتے ہیں۔ یعنی اس جھگڑے سے بچنے کی خاطر نکاح سسٹم کو ایک سرے سے خیر باد کہ رہے ہیں۔ اب ان کا زیادہ تر یہی فیشن ہوتا جاتا ہے۔ کہ چار پیسے عورت کے ہاتھ پر رکھے۔ اور رفع ضرورت کر لیا۔ پس بالفرض متعہ بدکاری ہو تو بھی مشہد کی بدکاری لندن اور پیرس کے ایک گوشہ کی بدکاری کی برابری نہیں کر سکتی۔ تعجب ہے۔ کہ آپ نے مشہد کی نسبت یہ ریمارک کرتے ہوئے اپنے وطن مالوف کا ذرا لحاظ نہ رکھا۔ کہ وہاں عیاشی و بدکاری کا کیا طوفان برپا ہے۔ اور بے ساختہ کہ

اُٹھے۔ کہ مشہد کے برابر کسی شہر میں بدکاری نہ ہوگی۔ اجی حضور لنڈن میں تو بدکار فاحشہ عورتوں کی وہ کثرت و شدت ہے۔ کہ اس کے بعض کوچوں سے بھلا آدمی راہ نہیں چل سکتا +

دیگر یہ کہ آپ حاشیہ میں فرماتے ہیں۔ کہ "متاعی عورت سے ایک دن سے لے کر ۹۹ برس تک کے لئے نکاح کیا جاسکتا ہے۔ عورتیں پورے زمانے کے لئے زوجہ بنائے جانے کو عقدی یعنی حقیقی زوجہ ہونے پر ترجیح دیتے ہیں۔ عقدی کو جب چاہے اس کا شوہر طلاق دے سکتا ہے۔ لیکن ممنوعہ کو مدت معاہدہ سے پہلے باستثنائ اس صورت کے جبکہ اس سے بداعمالی سرزد ہو جدا نہیں کیا جاسکتا۔" اس بیان نصفت نشان سے حضور نے اپنے پہلے ریمارک کی آپ ہی تردید کردی۔ کیونکہ جب نکاح متعہ میں دوامی نکاح سے زیادہ پائداری ہے۔ اور اسی لئے عورات اس کو اکثر پسند کرتی ہیں۔ تو نہ نفس متعہ پر کوئی اعتراض رہا۔ نہ مذہب پر اس کے اجازت دینے میں۔ نہ زنان مشہد پر اس کے اختیار کرنے میں۔ پھر کس لئے آپ ان عورات کو نیم طوائف کے ناہموار لقب سے موسوم کرتے ہیں +

دیگر صفحہ ۳۲۵ کے حاشیہ پر آپ نے چارڈن صاحب کا کلام اس طرح سے نقل کیا ہے۔ کہ ایران میں میناروں کے اُوپر قفس نما مکان بنانے سے ان کی یہ غرض ہے۔ کہ کہیں آس پاس کے مکانات کے صحنوں میں ان کی نامحرمانہ نظر عورتوں پر نہ پڑجائے۔ انتہی۔ اس سے ان لوگوں کی کمال پاک دامنی ظاہر ہے۔ کہ نامحرم عورتوں پر نظر پڑجانے سے اس قدر پرہیز کرتے ہیں۔ کہ میناروں کی منازل بالائی کو قفس نما بنا دیتے ہیں۔ پس ان سے کیونکر امید ہوسکتی ہے۔ کہ ایسے مقدس مقام میں اپنی عورتوں سے ناجائز و ناروا افعال کے روادار ہوں۔ اور ان کی عورات کس طرح خلاف شرع کاموں کی مرتکب ہوسکتی ہیں۔ ہندوستان میں صدہا مسجدوں میں اذان کے مینارے موجود ہیں۔ مگر ان کی اُوپر کی منزلیں سب طرف سے کھُلی ہوتی ہیں۔ ایران کی طرح موذنوں کو نظر نامحرم سے بچانے کا یہاں کوئی انتظام نہیں کیا جاتا۔ اور وہاں کی مستورات کا عموماً

پابند شرع ہونا اور مجالس وعظ و نمازوں میں حاضر ہونا ہم اس سے پہلے بسند معتبر نقل کر چکے ہیں۔ فلا نعیدہ +

ذکر بعضے از اکابر علماء فرقۂ حقہ کہ جوار مزار اقدس حضرت رضوی میں دفن ہوئے

پہلے گزرا۔ کہ جس زمانے میں شاہان سلجوقی نے گنبد مبارک امام رضا علیہ السلام تعمیر کر کے شہر مشہد مقدس کی بنا ڈالی۔ اور کچھ اشخاص سادات نقوی سے یہاں آکر سکونت پذیر اور خدمت روضہ مبارکہ کے کفیل ہوئے۔ اس وقت سے ان کے درمیان برابر علماء و فضلاء ہوتے رہے۔ علاوہ برایں ہر زمانے میں اطراف و جوانب سے اور بہت سے اہل علم و فضیلت آکر ان میں شامل ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ ثانی الحال کثرت علماء مدرسین درگاہ کیواں پائیگاہ کی یہ نوبت پہونچی۔ کہ میر محمد باقر داماد الحسینی جیسے ارباب فضل و کمال وہاں سے تعلیم و تربیت پاکر نکلے۔ چنانچہ صاحب نجوم السماء ترجمہ امیر موصوف میں لکھتے ہیں۔ کہ در صغر سن در مشہد مقدس رضوی رفتہ در خدمت مدرساں و افاضل سرکار فیض آثار اکتساب علوم نمودہ و در اندک زمانے ترقی عظیم نمودہ۔ انتہی۔ اور ظاہر ہے۔ کہ یہ تمام حضرات اس بقعۂ مبارکہ کو روضۃ من ریاض الجنۃ بلکہ رشک وہ صد جناں جان کر یہیں دفن ہونے کے خواستگار بھی ہوئے ہونگے۔ اندریں صورت تمام علمائے مدفونین اس بقعۂ مبارکہ کا بیان محالات عادیہ سے ہوگا۔ اس لئے ہم فقط چند مشاہیر افاضل کا ذکر کرتے ہیں۔ جو شرف مجاورات اس درگاہ سے مشرف ہوئے اور اسی زمین فیض قرین میں دفن بھی ہوئے +

علامۂ طبرسیؒ ایک ان سے قدوۂ علماء اعلام جناب ابو علی فضل اللہ بن الحسن الطبرسی ہیں۔ آپ قدماء فضلاء و اکابر فقہاء سے ہیں۔ اور احمد علی بن ابی طالب الطبرسی کے ماورا ہیں۔ مقرر ہے۔ کہ مطلق طبرسی بولیں۔ تو صاحب احتجاج مراد ہوتے

ہیں۔ ان کو ابو علی طبرسی کہا جاتا ہے۔ نیز آپ کا لقب امین الدین ہے۔ عالم۔ فاضل۔ ثقہ جلیل القدر ہیں۔ جناب علی بن شہر آشوب نے کتاب معالم العلماء میں انکو بلفظ شیخی (میرا استاد) یاد کیا ہے۔ کذا فی قصص العلماء۔ آپ[1] کے فرزند دلبند رضی الدین بھی صاحب علم و فضیلت تھے۔ شیخ ابو علی طبرسی کی تفسیر مجمع البیان دس جلدوں میں حاوی جمیع فنون صرف نحو۔ لغت معانی بیان وغیرہ مشہور ہے۔ دیگر تفسیر وسیط مسمی بہ جمع الجوامع چار جلدوں میں۔ پہلی تفسیر لکھنی شروع کی۔ تو سن شریف ساٹھ سال سے کچھ کم تھا۔ دوسری ستر سال سے زیادہ کے ہو کر لکھی۔ صاحب مجالس المومنین کہتے ہیں کہ آپ زمخشری صاحب کشاف کے ہم عصر تھے۔ تفسیر مجمع البیان کو لکھ کر فارغ ہوئے۔ تو تفسیر کشاف کو دیکھ کر بہت پسند کیا۔ اور اس کے لطائف مضامین کو دوسری تفسیر مسمی بجامع میں جمع کیا۔ نیز آپ کی ایک تفسیر مختصر بھی ہے۔ دیگر کتاب مستطاب اعلام الوریٰ وصحیفۃ الرضا وغیرہ اس جناب سے یادگار ہیں۔ ۵۲۳ھ میں مشہد مقدس سے سبزوار چلے گئے تھے۔ وہاں ۵۴۸ھ میں رحلت فرمائی۔ آپ کے جسد شریف کو مشہد میں لاکر دفن کیا۔ ان کی قبر مطہر غسل گاہ امام رضاؑ واقع گورستان میں ہے۔ قاضی نور اللہ نور اللہ مرقدہ اس کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں۔

شیخ بہاؤالدین عاملیؒ

ازاں جملہ خاتم المجتہدین زبدۂ ارباب تحقیق مولانا شیخ بہاؤالدین جبعی عاملی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ شہرت آپ کی اس درجہ ہے۔ کہ کمتر کوئی شیعہ ہوگا۔ جو نام نامی اس جناب سے واقف نہ ہو۔ سلسلہ نسب شریف حارث بن عبداللہ اعور ہمدانی تک پہونچتا ہے۔ کہ

---

[1] شیخ رضی الدین ابی نصر الطبرسی بن امین الدین ابی علی فضل اللہ آپ کے بیٹے بھی فاضل کامل تھے جن سے کتاب مکارم الاخلاق ایک نادر کتاب یادگار ہے۔ حقیر کو وہ کتاب مستطاب سفر عراق زیارت عتبات عالیات میں ۱۳۳۲ھ میں بمقام کاظمین شریفین حاصل ہوئی۔ فالحمد للہ ۱۲

۔ بدہ ۔ مرۃ تابعین واصحاب اطیاب امیر المومنین سے تھے ۔ اور مشہور ہے ۔ کہ آنحضرت صلوات اللہ علیہ نے کچھ اشعار آبداران کے خطاب میں ارشاد کئے ۔ جن کا پہلا شعر یہ ہے ۔ ؎

یا حارِ ھمدان من یمت یرنی   من مومن او منافق قبلا

یعنی اے حارث ہمدانی جو کوئی مرتا ہے ۔ تو بوقت مرگ مجھ کو دیکھتا ہے ۔ گو وہ پہلے سے مومن ہو یا منافق ہو +

جناب شیخ دراصل عرب قریہ جبع واقع کوہستان عامل سے منسوب ایک جلیل القدر خاندان کے ممتاز ممبر ہیں ۔ کیونکہ والد ماجد آپ کے مولانا عز الدین حسین بن عبد الصمد الحارثی الہمدانی اور برادر نامدار عبد الصمد بن حسین مذکور عالم فقیہ مجتہد صاحب اجازہ گزرے ہیں ۔ کتاب سلافۃ العصر سید علی خاں مدنی سے منقول ہے ۔ کہ شیخ بہائی ۱۷ ذی الحجہ ۹۵۳ھ کو شہر بعلبک میں پیدا ہوئے ۔ اور صغر سنی میں اپنے والد ماجد کے ساتھ ملک عجم میں آئے ۔ چنانچہ وہیں نشو ونما پایا ۔ اور والد والا قدر و دیگر علماء معتبر کی خدمات عالیات سے کسب علوم فرمایا ۔ تا اینکہ درجہ اعلائے علم وعمل پر فائز ہوئے ۔ اور بعد وفات شیخ علی منشار شاگرد رشید شیخ علی عبد العالی کرکی منصب جلیلہ شیخ الاسلامی اصفہان پر فائز ہوئے ۔ مگر کچھ عرصہ بعد سیر وسفر کا شوق دامنگیر طبع اقدس ہو کر ترک منصب فرمایا ۔ اور روانہ حجاز ہوئے ۔ وہاں جاکر پہلے حج خانہ کعبہ ادا کیا ۔ پھر جریدہ بلباس فقر و درویشی عرصہ دراز تک عراق ۔ عرب ۔ شام ۔ مصر ۔ بیت المقدس وغیرہ میں مشغول سیاحت رہے ۔ اس ضمن میں ہر قسم کے صاحبان علم وفضل سے صحبت رہی ۔ اور ہر جگہ سے اکتساب علم وفضیلت فرمایا ۔ بعد ازاں ایران کو واپس آکر اقامت اختیار کی ۔ پس دریاہائے فیوض اس جناب کی بدولت اس سرزمین میں رواں اور خلقت وہاں کی آپ کے وجود ذیجود سے فیض یاب ہوئی ۔ شاہ دین پناہ شاہ عباس صفوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی صحبت کثیر المنفعت کو بسا غنیمت جانتا ۔ اور سفر وحضر میں خدمت بابرکت سے جدائی گوارا نہ فرماتا ۔ جناب

شیخ جیسے علوم نقلیہ ۔ تفسیر ۔ حدیث ۔ فقہ ۔ عربیت وغیرہ میں وحید عصر تھے ۔ ویسی ہی معقولات یعنی حکمت کلام وریاضیات میں فقید المثل وعدیم النظیر تھے ۔ آپ اصولی بحت ومجتہد محض تھے ۔ تمام عمر شریف کتب فقہ کی قرأت بحث وتحقیق وتالیف میں گزاری پس بعض اشخاص نے جو فرقہ صوفیہ سے آپ کو منسوب کیا ہے یہ ان کی غلطی ہے ۔ ازبسکہ عادت تھی ۔ کہ ہر فرقہ کے ساتھ موافق اس کے مذہب کے صلح کل کے طریق پر معاشرت فرماتے تھے ۔ اس سے ان کو یہ شبہ پیدا ہوا ۔ ورنہ صوفیوں کی مذمت بلکہ ان کی تکفیر تک کی حدیثیں کشکول میں نقل فرمائی ہیں ۔ پر خود صوفی ہوں ۔ یہ کیونکر خیال میں آسکتا ہے ۔ صاحب نجوم السماء نے بعض تلامذہ آغا باقر بہبہانی سے نقل کیا ہے ۔ کہ آغائے موصوف کہا کرتے تھے ۔ کہ شیخ بہاؤالدینؒ اہل تصوّف کو اس قدر اسلام سے بے بہرہ جانتے تھے ۔ کہ اگر کبھی کوئی صوفی ان کی مجلس میں حاضر ہوتا ۔ تو اس کے اُٹھ جانے کے بعد فرش کو پاک کراتے تھے ۔ شیخ علیہ الرحمہ کی تصنیفات بہت ہیں ۔ آپ کا کلام اکثر مختصر مگر متین ومفید ہوتا ہے ۔ مثل شرح اربعین حدیث و مفتاح الفلاح وعمل یوم ولیلہ ومشرق الشمسین فقہ وحبل المتین ۔ تفسیر وفوائد صمدیہ نحو ورسالہ تشریح الافلاک وخلاصۃ الحساب وغیرہ کے اور ایک مجموعہ سخنان رنگین و نکات دلنشین کا مسمی بہ کشکول سات جلدوں میں ۔ آخری تصنیف جامع عبّاسی ۔ فقہیات میں کہ شاہ عباس صفوی کی خاطر لکھی ۔ ہنوز اس کے پانچ باب لکھنے پائے تھے ۔ کہ داعی اجل کو لبیک اجابت کہا ۔ جناب شیخ گو آخر عمر میں اصفہان میں مقیم تھے ۔ مگر سالہا سال مشہد مقدس میں مجاور روضۂ اقدس رہ کر کسب فیضان کر چکے تھے ۔ لاجرم اس زمین فیض قرین سے عقیدت خاص والفت زیاد رکھتے تھے ۔ اس لئے وصیّت کی ۔ کہ جنازہ مشہد کو لے جائیں ✦

قصص العلماء میں ہے ۔ کہ سیّد نعمت اللہ جزائری رحمۃ اللہ علیہ نے ریش سفید کو دیکھ کر غرض کی ۔ خضاب نہیں کیا ۔ فرمایا ۔ میرا قصد تھا ۔ کہ تفسیر قرآن بایضاح بیان لکھوں ۔ قرآن سے استخارہ کیا ۔ تو یہ آیہ شریفہ برآمد ہوئی ۔ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی

وحسن مآب۔ تحقیق کہ اس کے واسطے ہمارے پاس قربت ہے۔ اور انجام کی
خوبی۔ پس معلوم ہوا۔ کہ اجل میرے نزدیک پہنچی۔ ناچار مختصر تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا۔
اور خضاب کرنا چھوڑ دیا۔ تاکہ سفید داڑھی کے ساتھ خدائے تعالےٰ سے ملاقات
کروں۔ اس کے ایک سال بعد قضا کی۔ تلمیذ شیخ رح۔ ملا محمد تقی مجلسیؒ شرح رجال روضۃ
المتقین میں کہتے ہیں۔ کہ ایک بار چھ ماہ قبل از وفات عارف ربانی بابا رکن الدین اصفہانی
کی قبر کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ کہ ایک آواز سنائی دی۔ اس کو سن کر گریاں ہوئے۔
دریافت کیا۔ تو فرمایا۔ مجھے خبر دی گئی ہے۔ کہ آمادۂ مرگ ہو جاؤں۔ پس دنیوی
تعلقات کو کم کر دیا۔ بیشتر اوقات مصروف بکا و عبادت خدا رہتے تھے۔ چھ ماہ
بعد وفات پائی۔ ئیں مع بہت سے علماء و فضلاء و جمیع طلبہ و اکثر اہل شہر کے نماز جنازہ
سے مشرف ہوا۔ پچاس ہزار آدمیوں سے مجمع کم نہ تھا۔ صاحب نجوم السماء نے
تاریخ عالم آرائی عباسی سے نقل کیا ہے۔ کہ شیخ علیہ الرحمہ ۱۴ شوال سنہ ۱۰۳۰ھ کو بیمار
ہوئے۔ سات روز بیمار رہ کر آٹھویں روز یعنی ۱۲ شوال کو طائر روح اطہر نے قفس عنصری سے
پرواز کیا۔ شاہ عباس اس وقت شہر میں نہ تھے۔ جملہ امراء و رؤساء حاضرین جنازہ
پر حاضر ہوئے۔ ہر ایک خاص و عام اس کے اٹھانے میں سبقت کرتا تھا۔ اور ہجوم
خلائق اس درجہ تھا۔ کہ باوجود وسعت میدان جنازے کا آگے لے جانا دشوار ہو گیا۔ مسجد
جامع قدیم میں تمام علماء و فضلاء نے مجمع اہل شہر کے ہمراہ نماز پڑھی۔ اور متصل
روضۂ منسوبہ بامام زادۂ زین العابدینؑ میں سپرد خاک فرمایا۔ پھر وہاں سے حسب وصیت
نقل کر کے مشہد امام غریب الغرباء علی بن موسی الرضاؑ پائین پا آپ کے اس حجرے
میں جہاں کہ ہنگام اقامت مشہد بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے۔ اس کنج حوبی کو دفن کیا۔
یہ حجرہ جیسا کہ پیشتر رسالہ ہذا میں ذکر ہوا۔ مسجد گوہر شاد و صحن جدید کے راستے میں واقع
ہے۔ اس میں اکثر اوقات دن کو بھی روشنی رہتی ہے۔ سن وفات اس مصرعہ سے نکلتا ہے

افسر فضل او فتاد و بے سرو باگشت شرع

فضل کی فا اور شرع کی شین و عین کو دور کرنے سے جو حروف باقی رہتے ہیں۔ ان کے

اعداد ۱۰۳۰ھ ہوتے ہیں۔ اور میر لوحی شاعر نے تاریخ اس واقعہ کی اس طرح پر پائی ہے ع

بہاؤ الدین محمّد شد مہ شوال از عالم

آپ کے ایک شاگرد شیخ ابراہیم بن فخر الدین عاملی نے آپ کا مرثیہ لکھا ہے۔ دو شعر اس کے یہاں ذکر ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں ؎

جَلَّ الَّذِی اختارَ مِنْ طوس لَه جَدَثًا + فِی ظِلِّ حَامٍ حَمَاهَا بَحْلِ اَطْهَارِ

اَلثَّامِنُ الضَّامِنُ لِلجَنَّاتِ اَجمَعِهَا + یوم القیامة مِن جُودٍ لِزُوَّارِ

یعنی جلیل القدر ہے وہ شخص جس نے زمین طوس میں اپنے لئے قبر اختیار کی بزیر سایہ مزار جس کا حامی پسر پاکیزگاں ہے۔ وہ آٹھواں امام ہے۔ جو تمام جنتوں کا بروز قیامت اپنے زیارت کرنیوالوں کے واسطے ضامن ہؤا ہے +

سیّد حسین بن سیّد محمّد بن سیّد علی الموسوی العاملی الجبعی

سید محمد صاحب مدارک کے فرزند ارجمند شیخ بہاؤالدینؒ کے شاگرد رشید ہیں۔ فقیہ ماہر جلیل القدر عظیم الشان تھے۔ اپنے باپ سے اور جناب شیخؒ و دیگر علماء عصر سے علم حاصل کیا۔ پھر خراسان میں جا کر روضۂ مبارکہ رضویّہ پر مجاور ہوئے رہتے تھے۔ مشہد کی شیخ الاسلامی و قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ جانب مشرق روضۂ مقدسہ صحن جدید میں طلباء کو درس دیتے تھے۔ جناب شیخ حرؒ کہتے ہیں۔ کہ میں ان کے بعد انہی کے مقام میں بیٹھ کر درس دیتا ہوں سنہ ۱۰۶۹ھ میں وفات پائی۔ حاشیہ الفیّہ شیخ شہید و شواہد ابن ناظم آپ کی تصانیف سے ہے۔

شیخ محمد بن الحسن بن علی بن محمد الحرّ العاملی المشغری +

مشغرہ ایک قریہ ہے جبل عامل میں۔ آپ بزرگان محدثین و یکے از محمد بن ثلثہ متاخرین ہیں۔ جنہوں نے تین کتابیں حدیث کی وافی۔ وسائل۔ بحار لکھیں۔ اور چار کتابیں من لایحضر۔ تہذیب۔ استبصار۔ کافی زمانہ سابق میں لکھی گئیں۔ ان سات کتابوں پر مدار علماء ابرار ہے۔ کیا معنی کہ وہ مسائل دینی کی ماخذ ہیں سوا تہذیب و استبصار کے کہ یہ دونو ایک بزرگ کی تالیف سے ہیں باقی پانچ کتابیں ہر ایک

علیحدہ ایک ایک شخص نے لکھی۔ اور لطف یہ کہ نام ان تمام مصنفوں کے محمدؐ ہیں۔
اب چھٹوں محمدوں کو ولدیت عرف کنیت وغیرہ سے پہچانئے۔ اوّل رئیس المحدثین
عالم۔ حافظ۔ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی جنہوں نے کافی سی عظیم الشان کتاب لکھ کر فرقہ
حقّہ پر احسان کیا۔ دوم محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ قمی معروف بہ شیخ صدوق مصنّف
من لایحضرہ الفقیہ فہذا الکتاب یکفیہ یہ جلیل القدر محدث فرقہ ناجیہ کے ہیں۔ سوم ابوجعفر
محمد بن الحسن شیخ الطائفہ یا شیخ طوسی۔ صاحب دو کتاب تہذیب و استبصار کے۔ چہارم
محمد بن المرتضےٰ المعروف بہ ملا محسن متخلص بہ فیض جنہوں نے کتاب وافی جمع کی۔ پنجم صاحب
الترجمہ جناب شیخ حر عاملی مؤلف تفصیل وسائل الشیعہ الےٰ تحصیل مسائل الشریعہ۔ چھٹے
اخوند ملا محمد باقر بن اخوند ملا محمد تقی المجلسی الاصفہانی مصنف بحار الانوار۔ بالجملہ شیخ حر
اخوند ملا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ کے ہم عصر تھے۔ ان سے روایت حدیث کا اجازہ حاصل
کیا۔ اور مجلسی مرحوم نے ان سے اجازہ لیا۔ ایسی صورت کو کہ دو عالم ایک دوسرے
سے اجازہ پائیں اصطلاح فقہاء میں تجازی کہتے ہیں۔ لؤلؤۃ البحرین میں ہے کہ
شیخ حر عالم۔ فاضل۔ محدّث اخباری تھے۔ انہوں نے کچھ اپنا حال اپنی کتاب
امل آمل میں لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شب جمعہ ۸ رجب ۱۰۳۳ھ
کو قریہ مشغرہ میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں اپنے باپ چچا و دیگر بزرگان خاندان سے
تعلیم پائی۔ پھر قریہ جبع میں آکر شیخ زین الدین شہید ثانی کے پوتے اور شیخ حسین ظہیری
وغیرہ سے پڑھتے رہے۔ چالیس سال کی عمر تک انہی اطراف عرب میں مقیم تھے۔ پھر
نہضت فرمائے ملک عراق ہو کر نجف۔ کربلا۔ کاظمین۔ سرمن رائے کی زیارت سے
شرفیاب ہوئے۔ بعد ازاں مشہد مقدس امام رضا علیہ التحیۃ والثناء میں پہونچ کر مجاورت
اختیار کی۔ چنانچہ کتاب امل آمل کی تحریر تک اقامت مشہد کو چوبیس سال گذر چکے تھے
اس عرصہ میں دو مرتبہ یہاں سے حج کو گئے۔ اس حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب
امل آمل ۱۰۹۷ھ یا بعد اس کے لکھی گئی۔ اس میں علماء جبل آمل کا حال لکھا ہے۔ نیز
علماء متاخرین کے حالات بھی بالاختصار درج گئے ہیں۔ لیکن سب سے پہلی تصنیف

شیخ حر کی جواہر السنیہ فی احادیث القدسیتہ ہے۔ اس میں قدسی حدیثیں جس ترتیب
سے جمع کی ہیں۔ پہلے کسی نے ان کو جمع نہ کیا تھا۔ سب سے بڑی آپ کی کتاب وسائل
الشیعہ ۶ جلد کلاں میں ہے۔ جس کو اٹھارہ سال کے عرصہ میں لکھا۔ دو ثلث عرب
میں ایک تہائی اقامت مشہد کے دنوں میں تحریر فرمائی۔ پھر بحذف رسانید و مکررات
اس کو مختصر کیا۔ اس کا نام ہدایتہ الامہ الی احکام الائمہ رکھا۔ وسائل کی شرح بھی
لکھا چاہتے تھے۔ مگر اجل نے مہلت نہ دی۔ ایک آپ کی تالیف سے صحیفہ ثانیہ ہے۔
اس میں امام زین العابدین علیہ السلام کی وہ دُعائیں جمع کی ہیں۔ جو صحیفۂ کاملہ میں درج ہونے
سے رہ گئیں۔ صاحب نجوم السماء نے وہ نسخہ مصنّف کے ہاتھ کا لکھا بعض علمائے لکھنؤ
کے کتبخانہ میں دیکھا۔ اس کی پشت پر یہ عبارت تحریر تھی۔ الصّحیفہ الثانیہ من
ادعیۃ مولانا زین العابدین علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب علیہم السّلام۔
تالیف العبد محمد بن الحسن الحرّ العاملی عامله الله بلطفه وفضله۔ اور حاشیہ
پر لکھا تھا۔ ما لکھا کا تبہا مؤلفہا۔ خاتمہ پر تحریر تھا۔ قد کتبت ھذہ النسخۃ
بیدی تیمنًا و تبرّکًا فی شہر جمادی الاول سنۃ ستّ و سبعین بعد الالف ۱۰۷۶
بمدینۃ استراباد حرّسہا ربّ العباد۔ ایک آپ کی مصنّفات سے ہدایۃ العتاۃ
فی الفقہ میں۔ وغیرہ وغیرہ۔ حقیر مؤلف اوراق کہتا ہے۔ کہ ہر چند جناب شیخ حُرّ کی تاریخ
وفات کتب موجودہ میں پائی نہیں گئی۔ مگر غالبًا آپ نے شروع صدی دوازدہم میں
رحلت فرمائی۔ کیونکہ صاحب نجوم السماء نے اِنکو اُن علماء کے شروع میں درج
کیا ہے۔ جن کا انتقال اس صدی میں ہُوا۔ اور یقینًا آپ مدفونین مشہد مقدس سے
ہیں۔ جیساکہ آپ کے والد ماجد شیخ حسن بن علی بن محمد الحر کہ سنہ ۱۰۶۲ھ میں براہ خراسان
میں فوت ہوئے۔ اور مشہد مقدس میں دفن ہوئے۔ امل آمل میں لکھتے ہیں۔ کہ
میرے والد عالم۔ فاضل۔ ماہر۔ صالح۔ ادیب۔ فقیہ۔ ثقہ۔ حافظ۔ عارف بفنون
عربیت وفقہ و ادب تھے۔ فقہ میں لوگ ان کی طرف رجوع کرتے۔ خصوصًا میراث میں۔ میں نے
چند کتابیں فقہ و دیگر علوم کی ان سے پڑھیں۔ ان کی خبر وفات مجھ کو اس وقت پہونچی۔

جبکہ میں حج ثانی میں بمقام منٰے مقیم تھا۔ میں نے اس واقعہ پر ایک قصیدہ طویلہ لکھا ہے۔
ایک ان سے جناب سیّد محمد بن علی بن محیّ الدین الموسوی العاملی ہیں۔
کہ جناب شیخ حُر کے ہم عصر تھے۔ امل آمل میں لکھتے ہیں۔ کہ سیّد محمد فاضل عالم ادیب
ماہر۔ شاعر محقق علوم عربیّہ وفقہ وغیرہ سے واقف تھے۔ شہر مشہد کا منصب قضا
ان سے منسوب تھا۔ آپ نے سیّد بدرالدّین حسنی عاملی سے کہ وہاں مدرس ہوتے
تھے تحصیل علوم کیا۔ نیز سید حسین محمد موسوی سے کہ شیخ الاسلام سے معروف تھے و
دیگر مشائخ وعلماء سے علوم وفنون کا استفادہ فرماتے رہے۔ ان کی تصانیف شریفہ
سے شرح شواہد ایک کبیر وضخیم کتاب ہے۔ کہ بڑی تحقیق کے ساتھ لکھی ہے۔
شعر بھی کہتے تھے۔ مگر اس وقت مجھ کو اس سے کچھ یاد نہیں +

سیّد علامہ میرزا محمد مہدی بن ہدایت اللہ موسوی اصفہانی مشہدی

یہ شہید رابع ہیں۔ کہ صحن مسجد امام رضا علیہ السّلام میں بحالت تلاوت
قرآن ان کا خون بہایا گیا۔ کما سیجئی مفصّلاً۔ جناب قاضی نوراللہ نوراللہ شستری
نوّر اللہ مرقدہ شہید ثالث ہیں۔ جن کو جہانگیر بادشاہ کے عہد میں بجرم تشیّع نواب
ہندوستان نے درّہ خاردار لگوا کر ستّر برس کی عمر میں شہید کیا۔ چنانچہ روضہ منوّرہ
ان کا آگرہ میں زیارت گاہ ہے۔ مگر مصنف قصص العلماء حاجی ملا محمد تقی برغانی
قزوینی کے تئیں شہید ثالث بناتے ہیں۔ جو ۱۲۶۳ھ ہجری میں بمقام مسجد
قزوین فرقۂ بابیّہ کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ چونکہ شہادت جناب برغانی ظاہراً
ان مرزا محمد مہدی کی شہادت سے متاخر معلوم ہوتی ہے۔ ہرچند سال شہادت
اس بزرگوار ہم کو اب تک معلوم نہیں ہوا۔ الّا صاحب نجوم السّماء نے ان کو علماء
متوفین صدی سیزدہم کی ذیل میں اور ان کے صدر میں درج کیا ہے۔ اس سے

معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کی شہادت تیرھویں صدی کے شروع میں واقع ہوئی۔ اور لااقل سنہ ۱۲۶۰ ہجری سے تو کسی طرح متجاوز نہیں ہو سکتی۔ اس سے تو کچھ نہ کچھ پیشتر ہی تھی۔ اندریں صورت جناب ملا محمد تقی برغانی بجائے اس کے کہ شہید ثالث ہوں۔ شہید خامس ہونے کے لئے زیادہ موزون ہیں۔ پس سلسلہ شہداء علماء کا اس طرح پر ہوگا۔ شہید اوّل جناب شیخ شمس الدین محمد بن مکی قتیل سنہ ۷۸۶ھ۔ شہید ثانی شیخ زین الدین بن شیخ نور الدین فاضل قتیل سنہ ۹۶۵ھ۔ شہید ثالث قاضی نور اللہ بن شریف بن نور اللہ الحسینی التستری قتیل سنہ ۱۰۱۹ھ۔ شہید رابع سیّد علّامہ مرزا محمد مہدی مشہدی قتیل شروع صدی سیزدہم یا اس کے کچھ بعد۔ شہید خامس حاجی ملا محمد تقی برغانی قتیل سنہ ۱۲۶۰ھ۔ الحاصل نسب شریف جناب شہید رابع کا امام ہمام موسیٰ کاظم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ اور اصلی وطن ان کا اور محل ولادت شہر اصفہان ہے۔ بسبب طول مجاورت مشہد مقدس رضوی کے اور اس بقعۂ مبارکہ میں شہید ہونے کے آپ کو مشہدی کہتے ہیں۔ آپ سرآمد ارباب کمال مشائخ کملا و نبلا سے ہیں۔ مدارج عالیہ آنجناب معروف و مشہور و زبان زد نزدیک و دور ہیں۔ جناب سیّد محمد حسین بن ملا صالح مازندرانی دختر زادۂ مولانا محمد تقی المجلسی رحمۃ اللہ علیہ سے جوان ایام میں شیخ الاسلام اصفہان تھے۔ اجازۂ نقل و روایت احادیث رکھتے ہیں۔ افاضل علماء شیعہ مثل جناب آغا باقر بہبہانی استاد الکل فی الکل و زبدۃ المحدثین شیخ مہدی فتونی وغیرہ سے تحصیل علم کیا۔ بہت سے اشخاص نے ان سے اکتساب علم فرمایا۔ اور اجازہ پایا۔ ایک انہیں ہمارے فخر الہند غفران مآب مولانا السیّد دلدار علی نصیر آبادی ثم الکھنوی ہیں۔ کہ ان کے قدوم کی برکت سے ہندوستان میں علوم دین نے رونق و رواج پایا۔ آپ پہلے مجتہد مذہب شیعہ ہیں۔ جنہوں نے اُن ملکوں میں جاکر علوم دینیّہ پڑھے۔ اور پھر وطن میں آکر اشاعت دین میں سرگرم ہوئے۔ نجوم السّماء میں ہے۔ کہ جناب غفران مآب سنہ ۱۱۹۴ھ میں مشہد مقدّس کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ تو جناب شہید رابع کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی بزم افادت و افاضت سے کسب فیوض فرمایا۔ حتّٰی کہ ان سے اجازہ لیکر مراجعت فرمائے ہندوستان ہوئے۔

حقیر مؤلف کہتا ہے۔ کہ یہ بھی ایک قرینہ شہید رابع محمد تقی برغانی کے سنہ ۱۲۶۱ھ سے

پہلے شہادت پانے کا ہے۔ کیونکہ جو شخص سنہ ۱۱۹۴ھ میں اس طرح پر مسند آرائے افاضت

ہو۔ کہ غفران مآب جیسے بزرگوار اس کی مجلس میں حاضر ہو کر استفادہ کریں۔ اس کا اس کے

بعد سنہ ۱۲۶۱ھ تک یعنی ۶۶ سال سے زیادہ تک زندہ رہنا محال نہیں تو بعید از قیاس

ضرور ہے۔ بہرکیف تصانیف جناب شہید رابع سے شرح کتاب دروس تصنیف شیخ

شہید اوّل مشہور و متداول بین العلماء ہے ✣

واقعۂ شہادت

واقعۂ ہائلہ شہادت اس جناب کا بموجب اس کے کہ کتاب تذکرۃ العلماء سے نقل کیا گیا ہے۔ یوں ہے۔ کہ نادر مرزا

نبیرۂ نادر شاہ ایک زمانے میں مشہد مقدس پر مسلط ہو گیا تھا۔ فتح علی شاہ قاچار

بادشاہ ایران نے اس پر چڑھائی کی۔ تو نادر مرزا تاب مقابلہ نہ لا کر شہر مشہد میں متحصن

ہوا۔ اور دروازے شہر کے بند کر دئے۔ فتح علی شاہ نے محاصرہ کیا۔ چند روز اس

طرح سے گذرے۔ تو اہل شہر کو دروازوں کے بند ہونے سے اذیت پہنچنے لگی۔ وہ اس

کی شکایت جناب مرزا کے پاس لیگئے۔ آپ نے نادر مرزا کو پیغام دیا۔ کہ اہل محاصرہ سے

صلح کر لو۔ اور دروازے شہر کے کھلوا دو۔ کہ خلائق جان سے تنگ آ گئی ہے۔ مگر نادر

مرزا اس کو نہیں مانتا تھا۔ ناچار جناب سرکار مرزا نے حکم دیا۔ کہ بلا اجازت نادر مرزا کے

دروازے کھول دئے جائیں۔ نادر مرزا نے یہ سُنا۔ تو غضب اس پر مستولی ہوا۔ اور

بگمان اس کے کہ جناب مرزا اہل محاصرہ سے سازش رکھتے ہیں انہوں نے ہی اُن کو

بُلوایا اور محاصرہ کرایا ہے شمشیر برہنہ لے کر ان کے پاس آیا۔ جناب مرزا اس وقت

صحن مقدس روضۂ منورہ امام رضا علیہ السلام میں بیٹھے قرآن پڑھ رہے تھے۔ اسی قہر و غضب

کی حالت میں کہا۔ اے سید تو نے دشمن کو محاصرہ کرنے اور اس ملک پر قبضہ پانے

کی خاطر بلایا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے ہرگز ایسا نہیں کیا۔ مگر اس نے نہ سُنا۔

اور اسی مقدس مقام میں بضرب شمشیر آنجناب کو مجروح کیا۔ لوگوں نے پیچھے سے آ کر اس

مردود کے ہاتھ سے نجات دلوائی۔ مگر زخم کاری لگ چکے تھے۔ تیسرے دن اس

دار فانی سے رہگرائے عالم باقی ہوئے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ اس مردود نے اسی وقت
اس جناب کا کام تمام کر دیا تھا۔ اور خود حصار سے نکل کر ایک سمت کو بھاگنا چاہتا تھا۔
کہ جان بچا لے جائے۔ مگر محاصرے والوں نے تعاقب کر کے پکڑا۔ اور فی الفور
قید ہستی سے آزاد کیا۔ مدفن شہید ثالث کا پشت سر مرقد منور حضرت امام رضا علیہ
آلاف التحیۃ والثنا ہے۔ اولاد امجاد سے مرزا ہدایت اللہ و مرزا جواد و مرزا داؤد تینوں
عالم مجتہد وقت گزرے ہیں۔ عمدہ عمدہ تصانیف ان سے یادگار ہیں۔ مرزا ہدایت اللہ
مذکور کی اولاد سے مرزا عسکری و جناب مرزا ہاشم تھے۔ کہ اقامت جمعہ و جماعت مشہد
مقدس کی ان کی ذات والا صفات سے متعلق تھی +

(شیخ ابراہیم بن محمد علی حر قوشی عاملی) اپنے پدر نامدار سے تحصیل علوم کیا۔
اور دیگر علما کی خدمت سے بھی مستفید ہو کر حظ وافر و بہرہ متکاثر اٹھایا۔ حتے کہ اعاظم علما
واکابر صلحا سے ہو گئے۔ شیخ حر عاملی نے امل آمل میں ان کی مدح کی ہے۔ اور لکھا ہے
کہ ان کے جنازہ مغفرت اندازہ پر حاضر ہوا ہوں۔ ان کی وفات ۱۰۸۰ھ میں بلدہ طوس
میں واقع ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ +

(محمد محسن بن محمد مومن استر آبادی) صاحب امل آمل لکھتے ہیں۔ کہ فاضل محقق
عابد زاہد ہمارے ہم عصر تھے۔ اسی سال کی عمر میں قضا کی۔ مشہد امام رضا میں بقصد مجاورت
گئے تھے۔ وہیں قضا کی +

(میرزا ابو المعالی بن مرزا ابو محمد مشہدی) آبا و اجداد آپ کے اس شہر مقدس کے رؤسا
واکابر سے لیے عتبہ عالیہ کے خدام اور ان کے سربرآوردوں سے شمار ہوتے ہیں۔ ادائے
وظائف و طاعات میں مصروف و شرائف ذات و صفات سے معروف ہیں۔ عربی
فارسی میں آپ کا تبحر مسلّم۔ شیخ علی حزین لکھتے ہیں۔ کہ یہ فقیر عرصہ تین سال تک مجاور
آستان عرش نشان رہا۔ یہ بزرگ میرے ساتھ برابر دوستی و موانست سے بسر کرتے
رہے۔ عجیب سید۔ عالم۔ عابد۔ فرشتہ خصال تھے۔ سنا گیا۔ کہ اسی سرزمین قدس آئین میں
واصل برحمت الٰہی ہوئے +

(ملا محمد رفیع بن فرج الجیلانی المشہدی) اصل وطن جیلان (معرب گیلان کا ایران کا مشہور شہر) تھا۔ مشہد مقدس میں مجاور روضۂ اقدس رہے۔ تو اس کی طرف منسوب ہوئے۔ آپ ملا محمد صالح مازندرانی داماد علامہ محمد تقی مجلسی کے خاندان سے شرف مصاہرت رکھتے تھے۔ ملا حیدر علی مجلسی اپنے رسالہ نسب میں کہتے ہیں۔ کہ ملا محمد صالح کی لڑکی ابوالمعالی طباطبائی کی زوجہ تھی۔ اس سے آپ کے چار لڑکے دو لڑکیاں ہوئیں۔ ان میں سے ایک لڑکی ملا رفیع مذکور سے منسوب ہوئی۔ دوسری ملا شفیع ان کے بھائی سے۔ اور رسالہ اجازہ میں فضلاء خاندان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔ کہ جو لوگ اس خاندان سے دامادی کی نسبت رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک فاضل علامہ مولوی محمد رفیع جیلانی مجاور روضۂ مبارکہ رضوی ہیں۔ چند تصانیف آپ سے یادگار ہیں اپنے اُستاد ملا محمد باقر مجلسیؒ و آقا جمال الدین محمد بن آقا حسین خوانساری و شیخ جعفر قاضی شاگرد آقا حسین مذکور سے روایت کرتے ہیں۔ صاحب نجوم السماء کہتے ہیں۔ کہ ملا رفیع ۱۱۴۲ھ تک جبکہ شاہ طہماسپ ثانی بن سلطان حسین صفوی نے افغانوں کو نکال کر اپنی موروثی تخت گاہ اصفہان پر قبضہ کیا زندہ تھے۔ شیخ علی حزیں اپنے رسالہ میں جہاں مشہد مقدس میں اپنے ٹھیرنے اور شاہ طہماسپ ثانی کے نزول کا ذکر کرتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ جس وقت بادشاہ افاغنہ کے اخراج و استیصال کیلئے متوجہ خراسان ہوا۔ تو القیاء علماء و مشاہیر فضلا سے اس وقت اس شہر مقدس بہر میں مجتہد مغفور مولانا محمد رفیع گیلانی تھے۔ شیخ یوسف بحرانی نے لؤلؤۃ البحرین میں ان کو اپنا اجازہ دینے والا بیان کیا ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ ہم کو بطریق مراسلہ ان سے اجازہ حاصل تھا۔ مگر جب پھر عجم کو آیا۔ اور دوبارہ زیارت مشہد مقدس رضاؑ سے مشرف ہؤا۔ اس وقت آپ کی خدمت میں پہنچا۔ ملا صاحب اس وقت وہاں کے مدرسہ میں تفسیر بیضاوی کا درس دیتے تھے۔ اور مسجد جامع شہر میں بعد نماز عصر جامع الجوامع پڑھاتے تھے۔ سن شریف آنجناب کا اس وقت سو برس کے قریب پہنچا تھا۔

مولانا محمد تقی المشہدی المشہور بہ پاچناری اپنے عہد کے فضلاء سے ملا رفیع گیلانی کے ہم عصر تھے۔ شیخ عبدالنبی قزوینی تکملہ امل آمل میں لکھتے ہیں۔ کہ میر محمد تقی فاضل اعظم و عالم مفخم اور معرفت علوم میں صاحب قوت وفکر تھے۔ آپ کا فضل و کمال معلوم ہے۔ سنتے کہ بعض ثقات علماء سے سُنا گیا۔ کہ فاضل معظم مولانا رفیع گیلانی اور آپ کے درمیان مسئلہ تخییر نماز جمعہ میں مباحثات ومشاجرات رہے۔ اور متعدد رسائل اس بارے میں لکھے گئے۔ چنانچہ بعض کتب خانوں میں وہ رسائل موجود ہیں۔ میر محمد تقی مذکور کے رسالے ان کے فضل و کمال پر دال ہیں۔ مَیں بھی ان سے مستفید ہُوا ہُوں۔ الحاصل میر موصوف باوجود فضل و کمال کے زہد وتقوے میں بھی لاجواب تھے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ ✤

میر محمد تقی بن معز الدین محمد الرضوی۔ صاحب تکملہ نے ان کی مدح وثنا کی ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ آپ اعاظم سالکان واکابر عارفان ومتالہان سے ہیں۔ ابتدا میں تعب وتکالیف اُٹھا کر رتبۂ عالی پر پہنچے۔ اور چشمۂ صافی عرفان ویقین سے سیراب ہُوئے۔ کمال تواضع وحسن خلق سے متصف تھے۔ باوجودیکہ سلاطین آپ کی عزت و توقیر کرتے۔ تاہم اپنے تئیں احاد ناس سے گنتے۔ اور اصلاً کسی پر فوقیت نہ دیتے تھے۔ ایک کرامت آپ کی یہ ہے۔ کہ ایک بار حج کو گئے۔ تو جاتے وقت چند پیسوں سے زیادہ پاس نہ تھا۔ مگر بوقت مراجعت چالیس آدمیوں کا کھانا سواری وغیرہ تمام اخراجات کے کفیل تھے۔ خصائل پسندیدہ سے تھا۔ کہ مہمانوں کو عمدہ کھانا کھلاتے۔ اور آپ نان خشک پر قناعت فرماتے۔ فضائل عالیہ سے ہے کہ کبھی صوفیوں کے مذاق یا ان کی مصطلحات وعز خرفات کے موافق کلام نہ کیا۔ ہمیشہ مستحبات وسنن نبویہ کے پابند رہے۔ آپ کی وفات سنہ ۱۱۵۰ھ میں بمقام مشہد واقع ہُوئی۔ چنانچہ مرقد منور مشہد مقدس کے اس خطیرہ میں جس کو قتل گاہ (قبرستان) کہتے ہیں موجود ہے

حاجی محمد تقی مشہدی معروف بہ پوست جلاب۔ افاضل شاگردان ملا محمد رفیع

گیلانی سے فقیہ جامع علوم وحاوی فنون تھے۔ صاحب تکملہ امل آمل کہتے ہیں۔ کہ فاضل قوی ہر علم سے حظ وافر رکھتے تھے۔ میں ان سے ایک مدرسہ میں پڑھتا رہا ہوں۔ اپنے استاد مولانا محمد رفیع گیلانی کے نزدیک نہایت درجہ معتمد علیہ تھے۔ یہاں تک سنا گیا ہے۔ کہ وہ لوگوں کو ان کے فتاوٰے کے ماننے اور ان کے احکام پر کاربست ہونے کی طرف مائل کرتے تھے۔ اور اس قدر اعتبار تھا کہ ان کے دستخطی مسائل پر بلا مراجعت ونظر ثانی اپنی مہر ثبت فرماتے تھے ÷

آقا ابراہیم المشہدی۔ صاحب تکملہ کہتے ہیں۔ کہ مشاہیر علمائے کرام سے مشہد مقدس میں بعہد شیخ الاسلامی مقیم تھے۔ میں ان کی مجلس درس میں حاضر ہوا ہوں۔ ایک کتاب حکمت وکلام میں لکھی تھی۔ اس کا حجم قریب چالیس ہزار بیت کے ہوگا۔ قوت حافظہ اس قدر تھی۔ کہ کتاب مذکور بلا مراجعت کتاب دیگر فقط استحضار سے لکھی۔ میں نے اس کتاب کی بحث امامت سے بعض احادیث نقل کی ہیں۔ نیز ایک رسالہ تحریم نماز جمعہ میں نظر احقر سے گزرا۔ جو اسی آستان تقدس توامان میں ٹھیر کر تصنیف فرمایا تھا۔ وہ نسخہ سید عبد الصمد بن شریف عبد الباقی کشمیری ان کے شاگرد کے ہاتھ کا لکھا ہوا سنہ ۱۱۲۳ ہجری میں تمام ہوا۔ تاریخ وفات اس بزرگوار کی سنہ ۱۱۴۸ ہجری ہے ÷

سید احمد الاصفہانی خاتون آبادی مجاور مشہد امام رضا علیہ التحیۃ والثناء۔ صاحب تکملہ کہتے ہیں۔ کہ آپ مجاورین روضۂ اقدس سے تھے۔ فاضل جلیل وعالم نبیل تھے۔ میں اسی شہر مقدس میں ان کی ملاقات سے مشرف ہوا۔ اور مجالس درس میں بیٹھا۔ اور صبح ومسا حاضر خدمت رہا ہوں۔ جامع علم وفضل ومتحلی بصلاح وتقوٰے تھے۔ باوجود تبحر در فقہ ورسوخ ملکہ اجتہاد فتوٰے دینے میں محتاط تھے۔ خود منتہائے احتیاط پر عمل کرتے تھے۔ آپ کی تصانیف سے ایک رسالہ دیکھا ہے۔ کہ سوالات کے جواب میں لکھتے تھے۔ جو کہ ہندوستان سے حق الیقین پر کسی مخالف مذہب نے بھیجے تھے۔ میں نے دیکھا۔ کہ جواب لطیف خوب بنہج مرغوب

لکھتے ہیں۔ سنہ ۱۱۶۱ ہجری میں بلدۂ مشہد مقدس میں رحمت خدا کی طرف انتقال کیا۔

آقا سیّد محمّد بن مرزا معصوم رضوی مشہدی۔ علوم عقلی و نقلی میں کامل شاگردان بحر العلوم آقا محمد مہدی و مولانا السیّد علی طباطبائیؒ صاحب ریاض المسائل سے اور اُن کی طرف سے تولیت افتا و احکام قضا نواح خراسان کی رکھتے تھے کبھی کبھی اصفہان میں تشریف لاتے۔ تو وہاں کے علما و فضلا بغایت تعظیم پیش آتے۔ خصوصاً دو رکن معتمد حاجی محمد ابراہیم کرباسی و حاجی محمد باقر رشتی اعلی اللہ مقامہما آپ کی بڑی عزّت کرتے تھے۔ صاحب تذکرہ کہتے ہیں۔ کہ آقا موصوف مجتہد عظیم الشان۔ فاضل۔ ثقہ۔ جلیل القدر مجاور مشہد مقدس امام ہمام علی بن موسی الرّضاؑ تھے۔ عمدہ تصانیف آنجناب سے کتاب لوامع الرضویّہ فی الاحکام الشرعیہ فارسی و شرح لمعہ ہے۔ آخر عمر میں زیارت کربلاء معلّٰی سے مشرف ہوئے۔ اور وہاں سے اصفہان کو مراجعت کی۔ پھر سبزوار میں تشریف لائے۔ وہیں سنہ ۱۲۵۳ ہجری میں ودیعت حیات قابض الارواح کے سپرد کی۔ جنازہ اس جناب کا مشہد مقدس میں لائے۔ اور حرم محترم امام الانس والجنّ علی بن موسی الرّضاؑ میں سپرد خاک کیا۔ کہتے ہیں۔ کہ اہل مشہد نے براہ احترام ایک منزل تک جنازہ کا استقبال کیا تھا غفرہ اللہ۔

مولانا سلطان علی مشہدی۔ مشہور خطاط کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ مگر خوشنویسی میں ید طولےٰ حاصل تھا۔ اس میں شہرۂ آفاق تھے۔ خط نسخ و نستعلیق کو اس خوبصورتی سے لکھتے تھے۔ کہ قدیم اُستادوں کے خط اس کے آگے گرد ہو گئے تھے۔ گو اس فن کی تکمیل کے لئے ابتدا میں بعض اساتذہ کی خدمت میں بھی پہنچے۔ مگر تمام تر پلہ التفات مولانا امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ کو اپنے اس کمال کا موجب جانتے تھے۔ چنانچہ اپنی مثنوی میں لکھتے ہیں ؎

قلم مشق را جلی کردم　　نیت روضۂ علیؑ کردم

پھر کہتے ہیں۔ مجھ کو نجف اشرف میں پہنچ کر اس بات کا شوق تھا کہ کسی طرح خواب میں آنحضرتؑ کی زیارت سے مشرف ہوں۔ بارے یہ آرزو میری بر آئی۔ اور اپنے

ہاتھ کا لکھا ہوا کتبہ آنحضرتؑ کی خدمت پیش کیا۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اور خلعت خوشنودی سے سرفرازی بخشی۔ پھر کہتے ہیں۔ ؎

بیش ازیں زیں نمط نیارم گفت — کہ ندارم مجال گفت و شنفت
بندہ سلطان علی غلام علیؑ است — شہرت خط او ز نام علیؑ است
روز و شب گوید از نبیؐ و ولیؑ — فکرش ایں است از خفی و جلی

آپ سلطان حسین چغتائی کے زمانے میں پادشاہ عالی جاہ اور اس کے وزیر امیر علی شیر کے امر و اشارے سے تحریر کتب پر مامور تھے۔ باوجودیکہ سن شریف ساٹھ سال سے متجاوز ہوا تھا۔ تاہم خط خوب لکھتے تھے۔ جیسا کہ ان کے کلام بلاغت انجام سے مفہوم ہوتا ہے۔ مثنوی۔

مرا عمر شصت و سہ شد بیش و کم — ہنوزم جوان است مشکین قلم
توانم ہنوز از خفی و جلی — نوشتن کہ العبد سلطان علی

روضۃ الصفا میں یہ شعر آپ کی تصنیف سے لکھا ہے۔

گل از بہار از آں رخ گلگوں نمونہ است — چوں اشک من کہ از دل پرخوں نمونہ است

سنہ ۹۱۹ھ میں بمقام مشہد مقدس قضا کی۔ اور بقول صاحب مجالس المومنین دیوار کتابخانہ سرکار فیض آثار کے قرب و جوار میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

ربیع بن خثیم الثوری الکوفی

آپ زہاد ثمانیہ تابعین و اصحاب اخیار حضرت امیر المومنینؑ سے تھے۔ قاضی صاحب رح مجالس المومنین میں استیعاب سے نقل کرتے ہیں۔ کہ ربیع زہاد تابعین سے ہیں۔ اور رجال کشی میں ہے۔ کہ شیخ جلیل فضل بن شاذان قمی سے زہاد ثمانیہ کی بابت سوال کیا گیا۔ انہوں نے کہا۔ وہ آٹھ زاہد معروف ہیں۔ ان میں سے ربیع بن خثیم مذکور۔ دوسرا ہرم بن حیان۔ سوم اویس قرنی رض۔ چوتھا عامر بن عبد قیس یہ چاروں زاہد اتقیاء اصحاب و انصار امیر المومنینؑ سے تھے۔ باقی چار کہ آنحضرت

صلوات اللہ علیہ سے منحرف تھے۔ ایک ابو سلمہ خولانی فاسق فاجر مروانی از اصحاب معاویہ لوگوں کو امیر المومنینؑ سے لڑنے پر اُبھارتا تھا۔ ایک روز حضرتؑ سے سوال کیا۔ کہ مہاجر و انصار جنہوں نے عثمان پہ خروج کیا ان کو ہمیں دے دو۔ تاکہ بعوض اس کے خون کے قتل کریں۔ آپ نے انکار کیا۔ تو بولا الآن طاب الضراب۔ انما وضع فخاً و مصیدۃً۔ اب ان کے ساتھ جنگ کرنا روا ہے۔ معلوم ہُوا۔ کہ عثمان انہی کے حیلے سے قتل ہُوا۔ انہوں نے ہی اس کے لئے جال بچھایا تھا۔ دُوسرا مسروق بن اجدع کہ معاویہ کا تمغاچی تھا۔ اور اسی کام میں لگا ہُوا تھا۔ کہ بمقام رُصافہ واصل جہنم ہُوا۔ چنانچہ اس کی قبر وہیں بنی ہُوئی ہے۔ تیسرا حسن بصری۔ وہ بڑا دُنیا ساز تھا۔ ہر گروہ کے ساتھ اُن کی ہوا و ہوس میں شریک ہو جاتا تھا۔ اور اس کو ذریعہ کسب ریاست دنیوی گردانتا تھا۔ باوجودیکہ فرقہ قدریہ کا رئیس بنا ہُوا تھا۔ چوتھا اسود بن زید تھا۔

تاریخ اعثم کوفی میں ہے۔ اور حقیر نے تہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنینؑ میں نقل کیا ہے۔ کہ سب سے آخری نائب کہ نوّاب امیر المومنینؑ سے بوقت عزیمت آنحضرتؑ بجانب شام خدمت مبارک میں پہنچا۔ ربیع بن خثیم تھا۔ جو کہ ملک رے سے چار ہزار مرد مسلح و مکمل ساتھ لیکر حاضر خدمت ہُوا۔ یہ عین اُس وقت تھا۔ جبکہ آپ لوگوں کو شام کے چلنے اور معاویہ سے جنگ کرنے کی ترغیب دے رہے تھے۔ تحفۂ رضویہ میں ہے۔ کہ خواجہ ربیع کی قبر طوس کی ندی کے کنارے مشہد مقدس سے باہر ایک فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس ملک کے رہنے والوں کی زبانی معلوم ہُوا۔ کہ جس وقت حضرت امام الانس والجن علی بن موسی الرّضاؑ مامون عباسی کے ساتھ طوس میں تشریف رکھتے تھے۔ تو ربیع کی زیارت کو تشریف لے گئے تھے۔ وکفی بہ شرفاً و فضلاً انتہی۔ حقیر مؤلف کہتا ہے۔ کہ حضرت امام رضاؑ مامون کے ساتھ طوس میں تشریف رکھتے تھے۔ یہ کب اور کس وقت! اگر ہنگام سفر از مدینہ بجانب خراسان مراد ہے۔ تو ہر چند اثناء راہ میں قریہ سناباد میں بخانہ حمید بن قحطبہ نزول اجلال

ہؤا۔ مگر مامون اس وقت آپ کے ساتھ کہاں تھا۔ اور جو عند المراجعت مقصود ہے تو مامون کا ساتھ ہونا مسلم۔ الا بموجب بعض روایات آپ طوس پہنچنے سے پہلے بیمار تھے۔ اور پھر واقعہ شہادت بھی اسی سفر میں اسی مقام پر واقع ہؤا۔ تو اس روا روی میں زیارت ربیع کو تشریف لے جانا بھی بعید ہے۔ تو اس کے لئے بہتر ہے۔ کہ ہم تسلیم کریں۔ کہ ہنگام قیام مرو میں کبھی مامون یا کسی ملکی ضرورت میں طوس آیا ہو۔ اور حضرت بھی اس کے ساتھ تشریف لائے ہوں۔ بہرکیف امر سہل ہے۔ مگر آگے چل کر جو صاحب تحفے نے فرمایا ہے۔ کہ میں نے ایک کتاب میں دیکھا۔ کہ کسی بادشاہ نے شیخ بہاؤ الدین عاملی سے ربیع کی بابت سوال کیا۔ تو شیخ نے فرمایا۔ ہمکو حدیث پہنچی ہے۔ کہ حضرت امام رضاؑ نے فرمایا۔ کہ میں جو خراسان میں آیا۔ تو صرف زیارت قبر ربیع کو آیا ہوں۔ اور اسی سے بقعہ شریفہ ربیعیہ میں لکھا گیا ہے۔ قال الرضا علیہ السلام ماحصل لی القدوم بخراسان الا زیارۃ الربیع۔ اس کا اذعان آنحضرتؑ کے تاریخ جاننے والے کے لئے دشوار ہے۔ کس لئے کہ یہ ظاہر ہے۔ اور اخبار و آثار کثیرہ سے۔ کہ اس مقدمے میں وارد ہیں۔ بخوبی آشکار کہ امام عالی مقام مامون کے الحاح واصرار سے خراسان تشریف لے گئے۔ نہ اپنے قصد و رغبت سے۔ گو وہاں پہنچ کر بنظر اس کے کہ ربیع حضرت امیر المومنینؑ کے اصحاب اخیار سے تھے۔ ان کے مدفن کو شرف حضور بخشا ہو +

لارڈ کرزن بہادر کی تاریخ دانی

لاٹ صاحب اس مقام پر افادہ فرماتے ہیں۔ کہ خواجہ کی بنسبت بعض کا خیال ہے۔ کہ وہ حضرت امام رضاؑ کے دوست تھے۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ ان کے اُستاد تھے اور انہیں اس مقام پر بخیال قرب امام دفن کیا گیا تھا۔ انتہی۔ بعض ربیع کو حضرتؑ کا دوست کہتے ہیں۔ بعض نے اُستاد بتایا۔ کیا خوب! یہ بعض وہی یورپین صاحبان ہونگے جن کی تصانیف حضور کے پیش نظر ہیں۔ جو بقول آپ کے دو سو اڑھائی سو کے درمیان ہیں۔ اس سے اہل یوروپ کا مبلغ علم و واقفیت اور غیر ملکوں کی تاریخ دانی کا حال

جس کے یہ حضرات مدعی ہوتے ہیں۔ بخوبی منکشف ہوتا ہے۔ حیرت ہے۔ کہ لاٹھ
صاحب نے اتنا بھی تحقیق نہ کیا۔ کہ خواجہ ربیع نے کس سن میں انتقال کیا۔ اور امام رضاؑ
طوس میں کب تشریف لائے۔ اگر اتنی تکلیف گوارا فرماتے۔ تو معلوم ہو جاتا۔ کہ خواجہ ممدوح
اصحاب آنجناب امیر المومنین علیہ السلام سے ہیں۔ اور امام رضاؑ کے خراسان پہنچنے سے
کوئی ڈیڑھ سو برس پہلے دُنیا سے رحلت کر گئے تھے۔ پھر دوستی یا اُستادی شاگردی
کا کیا مذکور۔ اس کے بعد لاٹ صاحب فرماتے ہیں۔ انہیں اس مقام پر بخیال قرب
امام دفن کیا گیا۔ یہ پہلے سے بھی بڑھ کر ہے۔ گویا امام پہلے سے دفن تھے۔ اس کے
بعد آپ کے قرب کے خیال سے خواجہ ربیع بھی وہاں دفن ہوئے۔ حالانکہ خواجہ ربیع
آپ کے پیدا ہونے سے سالہا سال پہلے وہاں دفن ہیں۔ الحاصل ربیع رضہ مقبولین
ابرار سے ہیں۔ علامہ علیہ الرحمہ نے خلاصۃ الرجال میں اُنکو زہاد ثمانیہ سے شمار کیا ہے۔
اور باب ممدوحین میں ذکر فرمایا ہے۔ حالانکہ دُوسرا باب مقدوحین کے لئے ترتیب
دیا ہے۔ اور مرزا محمد مرحوم نے رجال بسیط میں رجال کشی سے تنہا آٹھ زاہدوں ہی میں
داخل ہونا روایت نہیں کیا۔ بلکہ فضل بن شاذان کے قول کے بموجب آپ کو
امیر المومنینؑ کے اصحاب و انصار سے شمار کیا ہے۔ اور رجال کبیر میں بھی اشعار
ان کی مدح کا کیا ہے پھر صاحب تحفہ کہتے ہیں۔ کہ ایک دلیل اس بزرگوار کی مدح
وخوبی کی یہ ہے۔ کہ ہمارے علماء اعلام سے ایک جماعت نے اداب واخلاق
میں ان کے قول وفعل سے استشہاد فرمایا ہے۔ اور لفظ رضی اللہ عنہ ان کے حق
میں نسخ قدیم میں دیکھا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ یہ انتہا کی مدح وثنا ہے بلکہ
یہ مقام تالی مرتبہ معصومین ہے۔ از انجملہ معراج السعادہ میں استحباب سکوت کے
مقام پر اس سے استشہاد کیا ہے۔ کہ جناب ربیع اپنے پاس کاغذ رکھ لیتے تھے
اور جو کلمہ منہ سے نکلتا۔ اس کو لکھ لیتے۔ پھر رات کے وقت ان کا شمار کرتے۔ اور
فرماتے۔ نجی الصامتون وبقینا۔ افسوس خاموش رہنے والوں نے نجات پائی۔ اور
ہم بلا نجات رہ گئے۔ دیگر خلاصۃ الاذکار میں درمیان بحث استغفار مرحوم ملا فیض

نے فرمایا۔ کہ استغفار کرنے والے کو چاہئے۔ کہ باتوجہ وحضور قلب ہو۔ ورنہ مرتکب
دروغ وگناہ کا ہوگا۔ پھر کہتے ہیں۔ قال الربیع لا تقل احدکم استغفر اللہ واتوب
الیہ فیکون ذنبا وکذبا۔ بل یقول اللھم اغفر لی وتب علیّ۔ کہ کوئی تم سے استغفر اللہ
واتوب الیہ نہ کہے۔ کیونکہ یہ کہنا گناہ اور جھوٹ ہوگا۔ بلکہ بطور دعا کہنا چاہئے اللھم
اغفر لی وتب علیّ۔ خداوندا مجھ کو بخش دے۔ اور توبہ قبول فرما۔ پس ملا صاحب کہتے ہیں
کہ مراد یہ ہے۔ کہ اگر کوئی بلا حضور قلب استغفار کرے۔ اور دل سے خدا کی طرف
رجوع نہ ہو۔ وہ گناہ گار ہوگا۔ دیگر شیخ بہائی رح نے کچکول میں بمقام عزلت وگوشہ نشینی
ربیع کے قول سے استشہاد کیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ کہ سلیمان دارانی نے کہا۔ کہ
ربیع خثیم ایک دفعہ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے تھے۔ ایک پتھر ان کے منہ
پر آ کر لگا۔ کہ پیشانی زخمی ہو کر خون رواں ہوا۔ تو انہوں نے کہا۔ لقد وعظت یاربیع
اے ربیع البتہ تم کو نصیحت ہوئی۔ یہ کہا اور اٹھ کر گھر میں چلے گئے۔ پھر جنازہ ہی باہر
نکلا۔ اور دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ کہ ربیع گریہ وزاری بہت کرتے تھے۔ یہاں تک
کہ ان کی ماں نے تنگ آ کر کہا۔ بیٹا کیا تم نے کسی کو قتل کیا ہے۔ کہ اتنا روتے
ہو۔ ایسا ہوا ہے۔ تو مجھے بتاؤ۔ کہ ورثہ مقتول کے پاس جا کر عفو قصور کی درخواست
کروں۔ اے پسر خدا کی قسم ہے۔ کہ ان کو تمہارا حال معلوم ہوگا۔ کہ تم اس قدر روتے ہو۔
تو ضرور تمہارا گناہ بخش دینگے۔ ربیع نے کہا۔ اماں میں نے قتل تو کیا ہے۔ مگر کسی کو۔
کسی اور کو نہیں۔ اپنے نفس کو قتل کیا ہے + دیگر ابو علی نے اپنی کتاب رجال میں
آپکو اویس قرنی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور دونوں کو زہاد واتقیا سے کہا ہے۔ اور
ربیع کی سرخی کے نیچے مختصر ذہبی سے نقل کیا ہے۔ کہ ربیع نے اپنے گھر میں قبر
کھود رکھی تھی۔ جب قساوت ان کو عارض ہوتی۔ تو اس قبر میں جا کر لیٹ جاتے۔
اور لیٹے رہتے۔ پھر کہتے۔ اے پروردگار میرے مجھ کو دنیا میں واپس بھیج دے۔
تاکہ نیک عمل کروں۔ اور جو کام میرے کرنے سے رہ گئے ہیں۔ ان کو بجا لاؤں شیخ
علیہ الرحمہ کہتے ہیں۔ کہ یہ مرتبہ کملا کا ہے علم وعمل میں۔ اور موجب نہایت مدح کا ہے +

دفع ایراد کہ خواجہ ربیع پر کیا گیا ہے

بعض علماء رجال نے ان کے مقدمے میں توقف کیا ہے جیسا کہ مجلسی علیہ الرحمہ نے کتاب وجیزہ میں۔ اور بعض نے اس سے بھی تنقی کی ہے۔ جیسا کہ فاضل طریحی نے مجمع البحرین میں آپ کے حق میں لکھا ہے۔ کہ جب چار سے مرد اصحاب عبداللہ بن مسعود سے جنگ صفین کے دنوں میں امیر المومنینؑ کی خدمت میں پہنچے۔ تو ربیع بن خثیم بھی ان کے درمیان تھے۔ ان لوگوں نے عرض کی۔ انّا قد شککنا فی ھذا۔ یا امیر المومنینؑ ہم آپ کا فضل و شرف بخوبی پہچانتے ہیں۔ ہاں اس جنگ میں ہم کو شک ہے۔ بعد ازاں عرض کی۔ کہ ہم کو سرحدات سے کسی سرحد پر بھیج دیجئے۔ کہ دشمنان دین کے ساتھ مقابلہ کریں۔ امیر المومنینؑ نے ان کو سرحد رے پر بھیج دیا۔ چنانچہ پہلا علم جو بجانب رے بلند ہوا۔ امیر ربیع کا علم تھا۔ بعد اس مقدمے کے فاضل طریحی کہتے ہیں۔ کہ بنا بر اس کے العیاذ باللہ ربیع مشککین سے ہوئے۔ صاحب تحفہ کہتے ہیں۔ کہ جواب اس کا کئی طرح پر ہے۔ اوّل یہ کہ خود ربیع نے بلفظ عیاذ باللہ اس کا ذکر کیا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ دل سے اعتقاد ربیع کے مشکک ہونے کا نہیں رکھتے۔ دوسرے بفرض اس کے کہ اس حکایت کی اصل ہے۔ شاید بعد اس کے انہوں نے توبہ کر لی ہو۔ جیسا کہ حاشیہ رجال کبیر سے معلوم ہوتا ہے۔ تیسرے انا شککنا ربیع کا کلام نہیں۔ اور اس گروہ میں داخل ہونے سے ان میں قدح نہیں ہو سکتی۔ چوتھے انا شککنا فی ھذا القتال سے ہو سکتا ہے۔ کہ یہ مراد ہو۔ کہ ہم کو شک ہے۔ کہ ہم اس لڑائی میں غالب ہونگے یا نہیں۔ نہ یہ کہ حقیقت جنگ میں شک رکھتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ نظر بہ تصدیق کشیؒ و فضل بن شاذان قمی و علامہ در خلاصہ و تصدیق مرزا محمد کے رجال بسیط میں اور شیخ بہائی کے کجکول میں اور اُس حدیث کے شیخ علیہ الرحمہ کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ اور اس خیال سے بھی کہ کوئی قادح صریح اس مقام میں پایا نہیں جاتا۔ ہم کو اگر جناب ربیع کی عظمت شان و جلالت قدر کا مظنّہ نہ بھی ہوتا ہم ان کے حسن انجام اور نیک خصائل کا گمان ضرور بہم پہنچتا ہے۔ اور یہ گمان موضوعات رجالیہ میں

حجت ہے۔ کسی نے اس میں خلاف نہیں کیا۔ ایک اور قرینہ ان کی خوبی خاتمہ پر عمارت موجودہ[1] ہے۔ کہ سلاطین صفویہ کی طرف سے ان کی قبر پر بنائی گئی ہے۔ کیونکہ انہوں نے جب تک ان کے حسن عقیدت و خیر و خوبی کو اچھی طرح تحقیق نہیں کرلیا ہوگا اس وقت تک اس عمارت کے بنانے کا ارادہ نہ کیا ہوگا۔ اس لئے کہ ان کا قاعدہ تھا۔ کہ کسی فاسد العقیدہ یا سُنّی المذہب کے ساتھ وہ ایسا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ مظنون ہے۔ کہ علماء عصر حاضرین درگاہ کے مشورے سے اور ان سے پوچھ کر یہ عمارت بنائی ہوگی۔ دُوسرا قرینہ یہ ہے۔ کہ ہر سال مجاورین روضۂ اقدس و دیگر اشخاص اطراف آفاق سے ان کی زیارت کو جاتے ہیں۔ اور علماء عصر و فقہاء فرقۂ ناجیہ سے کوئی ان کو منع نہیں کرتا۔ بلکہ خود علماء وہاں جاتے ہیں۔ پس بنا بر بیان مذکورۂ بالا اگر کوئی خواجہ کو برادر مومن و سلف صالح و اصحاب امیر المومنین ع سے جان کر بنظر استحباب ان کی زیارت کرے۔ تو بموجب اطلاقات شرع انشاء اللہ مثاب و ماجور ہوگا +

مقبرۂ فردوسی

جو کملاء کہ نواح مشہد میں مرکز پیوند خاک ہوئے۔ ایک ان میں سے حکیم ابوالقاسم فردوسی فارسی نظم کا مسلم الثبوت اُستاد ہے۔ دوست و دشمن نے اسے اپنے فن میں یکتا مانا ہے۔ اس نے سلطان محمود غزنوی کی فرمائش سے شاہ نامہ ساٹھ ہزار بیت کا تیس سال کے عرصہ میں لکھا۔ جس کی بہت سی خوبیوں سے ایک یہ ہے۔ کہ اتنی بڑی کتاب میں ایک یا دو لفظ

[1] موجودہ عمارت اصلی مقبرہ نہیں۔ بلکہ اس کے کتبہ سے جو اس پر ثبت ہے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عباس اعظم نے اس کو ایک قدیم عمارت کے آثار پر تعمیر کیا تھا۔ اس وقت اسکی مکرر تجدید عمل میں آرہی تھی۔ عمارت چاروں طرف سے پار دس گھری ہوئی تھی۔ قبر کے بیرونی حصہ کی نیلی اینٹیں جن میں سے اکثر کا رنگ اُڑگیا تھا اور بہت سی اُکھڑ گئی تھیں راج مزدور انکی مرمت کر رہے تھے۔ مقبرہ کے گرد ایک باغ ہے جس میں کثرت سے درخت موجود ہیں اور داخل ہونے کا راستہ ایک رفیع الشان پھاٹک سے ہے جس کے جوف میں محراب دار طاقوں کے اندر کچھ حجرے بنے ہوئے ہیں۔ فی الحقیقۃ مضافات شہر کا اگر کوئی حصہ دلچسپی کے اعتبار سے سر برآوردہ ہے۔ تو وہ یہ مقام ہے + خیابان فارس حال خواجہ ربیع۔

سے زیادہ عربی کا دخل نہیں۔ حالانکہ اس زمانے میں جو فارسی مسلمانوں کی زبانوں پر چڑھی ہوئی تھی۔ اس میں بقدر دو تہائی عربی الفاظ شامل تھے۔ محمود کے نام سے تا قیامت یہ دھبہ نہ دُھلیگا۔ کہ اس نے خسّت و کنجوسی یا تعصب مذہبی سے کہ فردوسی شیعہ تھا۔ دُشمنی۔ اس سے وعدہ خلافی کی۔ اور بجائے ساٹھ ہزار دینار زرسرخ موعودہ کے ساٹھ ہزار درہم چاندی کے اس کے آگے پیش کئے۔ فردوسی نے محمود کی ہجو لکھ کر کتاب میں شامل کی۔ اور خود بھاگ کر راتوں رات اپنے وطن طوس میں پہنچا۔ اور وہیں غم و غصہ میں ۴۱۱ھ ہجری میں وفات پائی۔ طوس میں آج کل کھنڈر ہی رہ گئے ہیں۔ فردوسی کا مقبرہ بھی دیگر عمارات کے ساتھ ملک عدم کو سدھارا۔ اب اگر کوئی وہاں جاکر اسکی تلاش کرے۔ تو نشان تک نہ پائیگا۔ کہ وہاں کھڑا ہو کر فاتحہ پڑھ دے۔ سلارڈ کرزن اپنے سیاحت نامہ میں کہتے ہیں۔ کہ اب سے ستر سال پہلے تک اس کی قبر پر ایک چھوٹی سی مبتذل عمارت دکھائی دیتی تھی۔ مگر اب وہاں گیہوں کا کھیت ہے۔ اور جو ایک وسیع عمارت گنبد دار وسط شہر میں ویران پڑی ہے۔ اور اس وقت نقارخانہ کے نام سے مشہور ہے۔ وہ دراصل کسی زمانے میں مسجد ہوگی۔ لوگ غلطی سے اُسے فردوسی کا مقبرہ بتاتے ہیں +

شہر قم کے مزید حالات

اب ہم مضافات و توابع مشہد سے گزر کر اس کے متعلقات و لواحق تک پہنچتے ہیں۔ چنانچہ ایک ان میں سے شہر قم ہے +

جلد اوّل میں گزرا۔ کہ فاطمہ بنت امام موسیٰ کاظمؑ خواہر عالی قدر امام رضاؑ کی جبکہ وہ حضرت خراسان میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ کے شوق ملاقات میں مدینہ سے راہی طوس ہوئیں۔ مگر اثناء راہ میں بیمار ہو کر شہر قم میں ٹھیریں۔ اور وہیں فوت ہو کر دفن ہوئیں۔ چنانچہ مزار مقدس ان کا اس شہر میں زیارتگاہ خاص و عام

ہے۔ ان کے سوا دیگر امام زادگان اس میں دفن ہیں۔ اس لئے جو مومن کہ زیارت مشہد مقدس سے شرف یاب ہوتے ہیں۔ قم کی زیارت کو بھی جاتے ہیں پس مناسب ہؤا۔ کہ یہاں اور بھی کچھ حالات اس بلدۂ طیّبہ کے بیان کئے جائیں +

وجہ تسمیّہ پہلے پہل حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وآلہ کو اس بقعۂ زمین بربرکت آئین کے حال سے اطلاع ملی۔ جبکہ آپ شب معراج میں بجانب آسمان عروج فرما تھے۔ ایک قطعہ زمین برنگ سرخ زعفران سے زیادہ خوشنما دکھائی دیا۔ بوے مشک اس طرف سے مشام جان میں پہنچی۔ جبرئیلؑ سے پوچھا۔ یہ کون سی جگہ ہے۔ عرض کی۔ یہ آپ کے اور آپ کے وصی علیؑ ابن ابی طالبؑ کے شیعوں کا مسکن ہے۔ دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی کلاہ برنس (لمبی ٹوپی کہ صدر اسلام میں عابد وزاہد پہنتے تھے) سر پر رکھے وہاں بیٹھا ہے۔ فرمایا۔ یہ کون شخص ہے۔ اور اس کا یہاں کیا کام ہے۔ عرض کی شیطان رجیم ہے۔ چاہتا ہے۔ کہ شیعوں کو راہ راست سے بھٹکا دے۔ اور فسق وفجور میں ڈالے۔ آپ نے اشارہ اس طرف کا کیا۔ جبرئیلؑ مثل برق خاطف آپکو وہاں لے گئے۔ حضرتؐ نے اس ملعون کے پاس جا کر فرمایا۔ قمؑ (یہاں سے اٹھ) اور اعداء دین کے مال۔ اولاد وعورات میں شریک ہو۔ بتحقیق کہ ہمارے شیعوں پر تجھے دست رس نہ ہوگا۔ اس وقت سے اس شہر کا نام قم ہؤا۔ ھکذا فی السماء والعالم من البحار + اور امام ہمام علی النقی علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ کشتی نوحؑ کی طوفان کے دنوں میں وہاں پہنچی۔ تو اُس نے قیام کیا۔ اس لئے اس کا نام قم ہؤا + آپ نے فرمایا۔ بیشک شہر قم ایک ٹکڑا ہے بیت المقدس کا + اور ابو عبداللہ جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ قم نام اس لئے ہؤا۔ کہ وہاں کے رہنے والے حضرت قائمؑ کے ساتھ قیام کرینگے۔ اور مستقیم رہینگے ان کے ساتھ ان کی نصرت پر۔ یہ تین وجہیں تسمیہ قم کی بحار میں مذکور ہیں۔ جو ظاہرا تاریخ قم سے نقل ہوئی ہیں۔ اور مجالس المومنین میں تاریخ معجم البلدان سے نقل کیا ہے۔ کہ شہر قم مسلمانوں کا آباد کیا ہؤا ہے۔ وہاں کے

باشندے ہمیشہ شیعہ امامیہ رہے ہیں۔ اس کی بنیاد ۸۳ھ عبدالملک بن مروان کے عہد میں اس طرح پڑی۔ کہ عبدالرحمٰن بن محمد اشعث نے حجاج پر خروج کیا تھا جس میں اس کو شکست ہوئی۔ اس کے لشکر میں اکثر علماء عراق شامل تھے۔ وہ اس نواح میں پریشان ہو گئے۔ ازانجملہ قبیلہ اشعریین سے سعد بن مالک کے بیٹے عبداللہ و اسحاق وغیرہ نے بقہر و غلبہ قریہ کمنداں نام میں سکونت اختیار کی۔ پھر ان کے برادران بنی عم ان میں شامل ہوتے گئے۔ لہذا اس کی آبادی بڑھتی رہی۔ ادھر لفظ کمنداں بھی عجمی لفظ تھا۔ عربوں کی زبان پر حذف و اسقاط اور ادل بدل ہو کر قم بن گیا۔ اس طرح شہر قم زبان زد خلائق ہوا +

نیز تاریخ معجم میں ہے۔ کہ عبداللہ بن سعد کہ اپنے بھائیوں میں سر برآوردہ تھا اس کا ایک بیٹا کوفہ میں شیعیان کوفہ کے درمیان پلا۔ اور شیعہ مذہب رکھتا تھا۔ اس نے وہاں پہنچ کر قبل اس کے کہ نقش اغیار ان کے دلوں پر قرار پکڑے متابعت حیدر کرارؑ وائمہ اطہارؑ میں ان کو راسخ و استوار بنا دیا حتیٰ کہ اب کوئی سُنّی مذہب وہاں پیدا نہیں ہوتا +

قم نے اقرار مولایت علیؑ میں سبقت کی

انس بن مالک سے منقول ہے۔ کہ ایک روز کہ وہ حاضر خدمت حضرت رسالت پناہ تھا۔ کہ علی بن ابیطالبؑ داخل ہوئے۔ حضرتؐ نے ان کو دیکھا۔ تو جوش محبت میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور معانقہ کیا۔ ان کے ساتھ اور ان کی دو آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ پھر فرمایا۔ اے علیؑ تمہاری ولایت کو سبع سموات پر عرض کیا۔ تو آسمان ہفتم نے اس کے قبول کرنے میں سبقت کی۔ حق تعالے نے عرش الہٰی سے اس کو زینت دی۔ پھر آسمان چہارم نے سبقت کی۔ اس کو بیت المعمور سے مزیّن فرمایا۔ پھر آسمان دُنیا نے سبقت کی۔ اس کو ستاروں سے آراستہ کیا۔ بعد ازاں اس ولایت کو زمین پر عرض کیا۔ تو پہلے زمین مکّہ نے قبول کیا۔ اس کو کعبہ سے آراستہ کیا۔ پھر زمین مدینہ نے اس طرف سبقت کی۔ اس کو مجھ سے زینت

بخشی۔ پھر ارض کوفہ نے سبقت کی۔ اُس کو اے علیؑ تم سے تزئین کیا۔ پھر ارض قم نے اس کی طرف سبقت کی۔ اس کو اہل عرب سے زیب دی۔ اور ایک دروازہ بہشت کا اس کی طرف کھول دیا۔ بحار بحوالہ تاریخ قم تالیف حسن بن محمد بن الحسن القمی +

ارض قم محل امن ہے اپنے باشندوں کیلئے

پیشتر گزرا۔ کہ حضرت صادقؑ نے فرمایا۔ کہ قم ہمارا حرم ہے۔ جیسا کہ مکہ حرم خدا ہے۔ اور مدینہ حرم رسول خداؐ۔ اور کوفہ حرم حضرت امیر المومنین علی مرتضےٰؑ کا۔ نیز آپ نے فرمایا۔ کہ کچھ ملائکہ ہیں۔ کہ قم و اہل قم سے بلاؤں کو دفع کرتے رہتے ہیں۔ کوئی ظالم جابر اس شہر کا ارادہ نہیں کرتا۔ مگر تباہ کنندہ جباران احکم حاکمان اسکو تباہ و ہلاک کرتا ہے۔ حق تعالےٰ ستمگاروں کے دلوں سے اس کی یاد اسی طرح محو و منسی کرتا ہے۔ جیسے کہ وہ یاد خدا کو بھولے ہوئے ہیں۔ نیز آنحضرتؑ نے فرمایا کہ شہر قم پر ایک فرشتہ پر پھیلائے رہتا ہے۔ جو ظالم اس کے ساتھ بدی کا ارادہ کرتا ہے۔ خدا تعالےٰ اُس کو اس طرح گلاتا ہے۔ جیسا کہ نمک پانی میں گل جاتا ہے۔ بتحقیق کہ وہ ہمارا شہر ہے۔ اور ہمارے شیعوں کا۔ مقدس و مطہر ہے ہر ایک پلیدی سے۔ اس کے باشندوں نے ہم اہل بیتؑ کی ولایت کو قبول کیا۔ جو کوئی اس کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کریگا۔ عذاب عاجل اُس کی طرف متوجہ ہوگا۔ تا وقتیکہ باہمدگر خیانت نہ کرینگے۔ جب ایک دُوسرے سے خیانت کرینگے۔ تو حق تعالےٰ ان کے اُوپر بھی ظلمہ کو اسی طرح مسلط کریگا۔ جیسا کہ اوروں پر کرتا ہے۔ آگاہ رہو۔ کہ وہ انصار قائمؑ آل محمدؐ ہیں۔ خلائق کو ہمارے حق کی طرف دعوت کرنے والے ہیں۔ پس سر مبارک آسمان کی طرف بلند کیا۔ کہ پروردگارا تو ان کو ہر ایک طرح کے فتنہ و فساد سے صیانت کر۔ اور ہر طرح کی بلا سے نجات دے۔ سماء و العالم بحار +

قم میں حضرت امام رضا علیہ السلام کا ورود

جلد اوّل میں جو حال منازل سفر خراسان شاہ خراسان کا لکھا گیا۔ اس میں آپ کا قم میں فروکش ہونا مذکور نہیں کیونکہ کتب مشہورہ بحار الانوار وغیرہ میں یہ حال نظر سے نہیں

گزرا تھا۔ اب تحفہ رضویہ میں ایک جگہ حاشیہ پر دیکھا گیا۔ چونکہ حوالہ کتاب فرحۃ الغری ابن طاؤس علیہ الرحمہ کا دیا گیا ہے۔ لہذا اُس کی نقل پر مبادرت ہوتی ہے۔ لکھا ہے۔ کہ مدینہ سے روانہ ہو کر حضرت جب شہر قم میں پہنچے۔ تو شیعیان قم آپ کے استقبال کو نکلے۔ ہر ایک یہی چاہتا تھا۔ کہ حضرت اس کے مکان میں فروکش ہوں۔ اور ان کے درمیان اس مقدمے میں نزاع ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ میرا اشتر جس کے دروازہ پر بیٹھ جائیگا۔ اس کے مکان میں نزول کرونگا۔ ازانجملہ ایک شخص نے رات کو خواب میں دیکھا تھا۔ کہ سواری مبارک اس کے دروازہ پر ٹھیری۔ پس اس کے یہاں نزول اجلال ہؤا۔ سید عبدالکریم بن طاؤس نے کتاب فرحۃ الغری میں لکھا ہے۔

فصار ذالك المكان مكاناً شامخاً وهو في اليوم المدرسة المعروفة ثم ارتحل منها الى فرندلو وقال في حالهم الخبر المشهور ثم وصل الى مرو وعاد الى سناباد فتوفي فيها واتفق لي زيارتها في جمادي الاولى سنه ثمانين وستمائة

پس وہ مکان ایک جلیل القدر جگہ ہوگئی۔ جہاں کہ آج کل مشہور مدرسہ بنا ہؤا ہے۔ پھر وہاں سے کوچ کرکے فریدلو میں پہونچے۔ اور کہا اُن کے حال میں خبر مشہور ہے۔ وہ مرو گئے۔ اور سناآباد کو واپس آئے۔ اور وہیں انتقال ہؤا۔ مجھ کو اس مقام کی زیارت کرنے کا ماہ جمادی الاولی ۶۸۰ھ ہجری میں اتفاق ہؤا۔

مقابر و مشاہد امام زادگان در قم

صاحب تاریخ قم نے ذکر کیا ہے۔ کہ قم میں بہت سے شاہزادے اور شاہزادیاں اولاد ائمہ علیہم السلام سے دفن ہیں۔ ازاں جملہ فاطمہ بنت امام موسیٰ کاظمؑ خواہر گرامی امام رضاؑ معروف بمعصومۂ قم ہیں۔ جن کے حق میں وارد ہے۔ فَمَنْ زارها وَجَبَتْ له الجنة۔ جو کوئی ان کی زیارت کرے۔ جنّت اُس پر واجب ہو جاتی ہے۔ ان کا تھوڑا سا حال جلد اوّل میں گزرا۔ ان کے بعد پوتی امام محمد تقیؑ کی ام محمد بنت موسیٰ بن تقی الجوادؑ کا انتقال ہؤا۔ تو اُن کو بھی پہلوئے فاطمہ میں دفن کیا۔ پھر بہن ان کی میمونہ فوت ہوئیں ان کی قبر پر بھی قبہ بنایا گیا۔ اور اُسی قبہ میں دفن ہوئیں۔ ام اسحاق بہن محمد بن موسیٰ المذکور

بی بی محمد بن احمد بن امام رضاؑ کی۔ پھر صاحب تاریخ کہتے ہیں۔ کہ مزار پُر انوار ابوجعفر موسےٰ بن محمد تقی المعروف بہ موسی المبرقع کا اس زمین قدس آگین میں ہوا۔ یہ بزرگوار پہلے شخص ہیں سادات رضویہ سے۔ جو قم میں داخل ہوئے۔ پہلے تو عربوں باشندگان قم نے انہیں قبول نہ کیا۔ اور شہر میں رہنے دیا۔ پھر عذر خواہی کر کے بکمال تکریم بلوا لائے۔ اور کچھ اراضی اپنے اموال سے ان کے لئے خرید کردی۔ جس کی آمدنی سے موسیٰ آخر دم تک مرفہ الحالی اور فارغ البالی سے بسر کرتے رہے۔ بلکہ انہوں نے بہت سے دیہات اور مزرعے اپنے آپ خرید لئے تھے۔ ان کے زمانے میں بہنیں انکی زینب و ام محمد و میمونہ دختران امام محمد تقیؑ نے رحلت کی۔ سب معصومہ قم کے جوار میں رکھی گئی ہیں۔ بعد ازاں خود موسی المبرقع نے ۸ ربیع الثانی ۲۹۶ھ کو قضا کی۔ اور اسی مقام میں جس جگہ کہ ان کا روضہ معروف ہے۔ مدفون ہوئے۔ حقیر مؤلف کہتا ہے۔ کہ اُن کو مبرقع اس لئے کہتے تھے۔ کہ ہمیشہ چہرہ پر نقاب رکھتے تھے۔ اکثر سادات جلیل القدر مشہد مقدس علے الخصوص سلسلہ علیہ ناظر سرکار فیض آثار امام رضاؑ اور بہت سے سادات رفیع الدرجات ہمدان و یزد و دیگر مقامات کے ان کی اولاد سے ہیں۔ اور پوتے موسیٰ مذکور کے ابوعلی محمد بن علی موسےٰ ۳۱۵ھ میں فوت ہوئے اور محمد بن موسےٰ کے مقبرے میں دفن ہوئے۔ ھکذا انی السماء والعالم بحار منقولا عن تاریخ قم۔ پھر صاحب تاریخ نے بہت سے سادات رضویہ اور اولاد محمد بن جعفر اور اولاد احفاد علی بن جعفر کا ذکر کیا ہے۔ اور سادات حسینی سے بہت سے اشخاص کی قبروں کا نشان دیا ہے۔ فرحمۃ اللہ علیہم و رضی اللہ عنہم*

قم مذہب شیعہ کا مرکز علم و فضل رہا ہے۔

جناب صادقؑ کے سامنے ایک مرتبہ کوفہ کا ذکر آیا۔ تو فرمایا۔ کوفہ عنقریب مومنین بالیقین سے خالی ہو جائیگا۔ اور علم دین وہاں سے نکل کر شہر قم میں جاگزیں ہوگا۔ اُس وقت وہ شہر معدن علم و فضل قرار پائیگا۔ اور نوبت اس کی یہ پہنچیگی۔ کہ کوئی ضعیف الایمان وہاں باقی نہ رہیگا۔

حتے کہ عورتیں تک بھی باخبر ہونگی۔ پھر فرمایا۔ یہ کیفیت قرب زمانہ غیبت حضرت صاحب الامرؑ میں ہوگی۔ اس وقت جناب باری علماء قم کو بمنزلہ حجّت گردانیگا۔ تاکہ زمین ظاہرا حجت خدا سے خالی نہ رہے۔ پس وہاں سے شرق وغرب عالم میں پھیلیگا۔ اور حجت خدا خلق پر تمام ہوگی۔ حتے کہ کوئی باقی نہ رہیگا۔ جس کو دین مبین سے نہ پہنچا ہو۔ یہ اس لئے کہ حضرت صاحب الامرؑ ظاہر ہوں۔ اور منکرین پر قہر خدا نازل کریں۔ تو حجت خدا پہلے سے تمام ہو چکی ہو۔ کیونکہ حق تعالےٰ جب تک حجت تمام نہیں کرتا۔ کسی پر عذاب نازل نہیں کرتا۔ حقیر مؤلف کہتا ہے۔ کہ پہلا حصہ اس پیشینگوئی کا قرب زمانہ غیبت صغرےٰ میں اور اس کے بعد نمایاں طور سے ظاہر ہؤا۔ کہ بہت سے وکلاء وسفراء ائمۂ معصومین واعاظم علماء ومحدثین اس زمین سعادت آئین سے پیدا ہوئے۔ مثلاً شیخ علی بن بابویہ رحمۃ اللہ علیہ اور خلف الصدق ان کے محمد بن علی صدوق اعلیٰ مقامہ کہ بدعاء صاحب الامرؑ متولد ہوئے۔ اور منتہائی مدارج کمال پر پہنچے۔ انہوں نے اس شہر کی شہرت اور برکت کو دوبالا کر دیا۔ بہت بڑی اشاعت مذہب شیعہ کی ان سے ہوئی۔ کہتے ہیں۔ کہ تین سَو کتابیں تقویت مذہب میں انہوں نے تصنیف کیں۔ الحاصل قم بڑا متبرک اور مقدس خطہ ہے۔ حضرت امام رضاؑ نے اس کی مدح میں فرمایا ہے۔ کہ جنّت کے کُل آٹھ دروازے ہیں۔ بروز قیامت ایک دروازہ ان میں اہل قم کے لئے مخصوص کر دینگے۔ فطوبیٰ لھم ثم طوبیٰ لھم +

قبیلہ اشعریہ

صاحب تاریخ قم نے ذکر کیا ہے۔ کہ غالب آبادی قم کی اشعری خاندان سے ہے۔ جن کے حق میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ نے دُعا کی۔ پروردگارا اشعریین کی مغفرت کر۔ اور ان کے چھوٹے بڑے پر رحم فرما۔ نیز آپ نے فرمایا۔ اشعریین مجھ سے ہیں اور میں ان سے۔ تین قبیلوں کی آپ نے خاص طور سے مدح کی ہے۔ ازد۔ کندہ اور اشعریوں۔ دُوسرا ان کے رتبہ کو نہیں پہونچتا۔ مروی ہے۔ کہ جب یہ قبیلہ پہلے پہل حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہؤا۔ تو آپ نے فرمایا۔ تم نے ہجرت کی طرف انبیاءؑ کے اولاد اسمٰعیلؑ سے۔

اس کے سوا بہت سی احادیث ان کی فضیلت میں ذکر کئے۔ پھر کہتے ہیں۔ کہ ان کے مناقب سے ہے۔ کہ سب سے پہلے جس نے قم میں تشیّع شائع کیا۔ وہ موسےٰ بن عبداللہ بن سعد اشعری تھا۔ دیگر امام رضاؑ نے زکریّا ابن آدم بن عبداللہ سعد کو کہا۔ کہ اللہ تعالےٰ تمہاری وجہ سے اہل قم سے بلائیں دفع کرتا ہے۔ جیسے کہ موسیٰ کاظمؑ کی قبر کی برکت سے اہل بغداد سے بلائیں دور ہوتی ہیں۔ یہ اس وقت جبکہ ابن آدمؑ نے اپنے بعض اعزّہ کی شکایت کی۔ کہ سفاہت کرتے ہیں۔ اور اس شہر سے اپنا دل برداشتہ ہونا ظاہر کیا تھا۔ دیگر ان کی کمال دینداری سے تھا۔ کہ بہت سی اراضی و مزارع ائمۂ اجداد کے نام پر وقف کئے تھے۔ اور سب سے پہلے جنہوں نے اموال خمس آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا۔ وہ یہی لوگ تھے۔ لاجرم یہ حضرات عالیات بھی انہیں اپنا مخلص خیال کرتے اور تحفے تحائف سے عزّت بخشتے اور کفن تک ان کو اپنے پاس سے بھیجتے تھے۔ بعض اشخاص کو مثل ذکریّا ابن ادریسؒ و زکریّا ابن آدمؑ و عیسےٰؑ بن عبداللہ وغیرہ کے انگشتریوں اور خلعتوں سے امتیاز بخشا ہے۔ بتحقیق کہ اہل قم ہی ہیں جنہوں نے پارچہ عطا کردۂ امام رضاؑ کو دعبل خزاعی شاعر سے ایک ہزار اشرفی کے عوض خرید لیا۔ اور ان میں سے عمران بن عبداللہ جسے حضرت صادقؑ نے دُعا دی۔ اَظَلَّکَ اللّٰہُ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّہٗ۔ خدا تجھ کو اس روز سائے میں رکھے۔ جبکہ اس کے سایہ مرحمت کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ حقیر مؤلف کہتا ہے۔ یہ ہیں مناقب عالیہ قبیلہ اشعریّین کے کہ بحار میں بحوالۂ تاریخ قم نقل ہوئے ہیں۔ مجلسی علیہ الرحمہ کہتے ہیں۔ کہ مؤلف اس تاریخ کا علماء امامیّہ سے ہے۔ پس تعجّب ہے۔ کہ صاحب مجالس المومنین نے باوجود اس قدر فضیلتوں کے اس قبیلہ کا اپنی کتاب مستطاب میں ذکر نہیں کیا۔ حال آنکہ جو باب آپ نے قبائل شیعہ کے بیان کے لئے ترتیب دیا ہے۔ اس میں بہت سے ایسے قبیلے ہیں۔ جن کے حق میں ایسی احادیث وارد نہیں۔ پھر قبیلہ اشعریّین کا کیوں تذکرہ نہ فرمایا۔ شاید بوجہ اس کے کہ ابوموسےٰ اشعری صحابی اور اس کا پڑپوتا ابوالحسن اشعری ان میں داخل ہے۔ اور اوّل الذکر قطعی دشمن اہل بیت عدوّ مبین حضرت

امیر المومنینؑ اور دوسرا یا نے مذہب اشاعرہ جبریہ ضالؔ و مضلؔ۔ اس لئے ان کو ترک کیا۔ مگر بعض افراد کے فاسد ہونے سے تمام کلی نہیں بگڑ جاتا۔ اور ایک دو اشخاص کی خرابی سے سارے قبیلہ سے ہاتھ نہیں دھویا جاتا +

قدم گاہ شریف

منجملہ ان عمارات عالیہ کے کہ نواح مشہد میں اس بقعہ مبارکہ سے علاقہ رکھنے والی ہیں۔ ایک موضع قدم گاہ ہے۔ جو وہاں سے پچیس ۲۵ تیس میل کے فاصلے پر طہران سے مشہد جانے والے کی راہ میں پڑتا ہے۔ جلد اوّل میں بہ بیان منازل سلطان الانس والجن علی بن موسی الرضاؑ اس کا مجملاً ذکر ہوا۔ یہاں ناظرین کی واقفیت کی نظر سے مزید حالات درج ہوتے ہیں۔ مشہور ہے۔ کہ جب حضرت اثناء راہ مرو میں اس مقام پر پہنچے۔ تو گبرون آتش پرستوں نے معجزہ طلب کیا۔ جس مقام پر کھڑے تھے۔ وہیں زمین پر پاؤں مارا۔ بمجرد اس کے ایک چشمہ آب صاف و سرد و شیریں وہاں سے جوش مارنے لگا۔ اس سے وضو کیا۔ اور وہیں قریب تر ایک پتھر پر کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ کہ اثر پائے مبارک کا پتھر میں رہ گیا۔ بہت سے گبر یہ معجزہ باہرہ دیکھ کر ایمان لائے۔ شاہ عباس یا سلیمان صفوی نے اپنے عہد سلطنت میں اس پتھر کو ترشوا کر دیوار میں نصب کیا۔ اور ایک عمارت عالی گنبد دار اس پر تعمیر فرمائی۔ جس میں نفیس کاشی کا کام ابتک موجود ہے۔ اور منبع و مخرج آب پر بھی قبے بنائے گئے ہیں۔ اور نزدیک ہی ایک سنگین حوض تعمیر ہوا ہے۔ جس میں چشمہ کا پانی گرتا ہے۔ عمارت قدم گاہ اس پہاڑ کے دامن میں ایک بلند جگہ پر بنی ہے۔ جو نیشاپور سے مشہد تک چلا گیا ہے۔ چشمہ اس کے برابر مشرقی جانب ہے۔ اور اس کے پائیں میں باغ فراخ کئی درجہ کا لگایا گیا تھا۔ جس کی حوض۔ نالیاں آبشاریں سب کچھ پختہ خشت و چونہ کی آج تک موجود ہیں۔ اور بڑے بڑے درخت باوجود امتداد زماں اس پر سایہ فگن۔ خاص کر خیابان بیروں باغ میں ایک قطار درختان صنوبر آپ ہی اپنی قدامت کو ظاہر کر رہی ہے۔ چشمہ مذکورہ کا پانی حوض سے نکل کر اس باغ کو سیراب کرتا ہے۔ اور پھر جنگل کو چلا جاتا ہے۔ لوگ اس مکان جنت نشان

اور چشمۂ حیات کی زیارت کو آتے ہیں۔ باغ کے پائین میں خیابان کے سرے پر سرائے پختہ بناء شاہ عباس مرحوم۔ اور اس کے مقابل چہار خانہ آثار قاجاری خاندان سے ہے۔ اور پہاڑ پر قصبۂ قدمگاہ ایک گڑھی کے اندر ہے۔ جہاں بہت سے سیّد آباد ہیں +

باب دُوم

بیان میں آثار خیر و برکت و خرق عادت کے جو قبر مطہر و روضۂ منور آنحضرت صلوات اللہ علیہ سے ظاہر ہوئے

جو غرائب معجزات و قبول دعوات کہ روز دفن حضرت غریب الغرباء صلوات اللہ علیہ سے اس مقدس مقام پر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوا کئے۔ اس کثرت سے ہیں۔ کہ احاطۂ تحریر میں نہیں آسکتے۔ کیونکہ ظاہر و مشہور ہے۔ کہ یہ بقعہ روز اوّل سے ملاذ غربا و ملجاء و ماوائے ستمدیدگاں رہا ہے۔ غم و محنت زدائے عالم و حاجت روائے بنی آدم ہے کوئی دن ایسا ہوتا ہوگا۔ کہ غریب مستمند نے وہاں جاکر دُعا کی۔ اور ببرکت اس مقدس مقام کے اپنی مراد نہ پائی ہو۔ صدہا ہزارہا مریض بیمار۔ اندھے۔ لنگڑے۔ لاچار دُور دراز ملکوں سے وہاں آتے اور بطفیل روضۂ پاک دامن آرزو گلِ مقصود سے بھر کر واپس جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ فضل خدا سے یونہی جاری ہے۔ کہ جس حاجتمند نے واسطہ قبر مطہر کا

دے کر صدق دل سے درگاہ خدا میں التجا کی - اس کی دُعا فوراً مستجاب ہُوئی - شیخ صدوق محمد بن علی بن بابویہ قمی جن کا زمانہ حضرات ائمہ علیہم السلام کے زمانے سے قریب تر تھا - اور حضرت امام رضاؑ کے مؤرخ ہونے کا فخر خاص رکھتے ہیں - انہوں نے اپنی مشہور کتاب عیون اخبار الرضاؑ میں بہت سے واقعات صدور معجزات و قبول دعوات کے نقل کئے ہیں - اور افادہ فرمایا ہے - کہ ایک بار ۳۵۲ھ ہجری میں مَیں نے امیر سعید رکن الدولہ سے زیارت امام رضاؑ کے لئے مشہد جانے کی اجازت لی - اس سے فارغ ہو کر واپس آیا - تو امیر نے کہا - میں بھی اس مقدس مشہد کی زیارت سے مشرف ہُوا ہُوں - عجب بزرگ مقام ہے - کہ جو حاجت وہاں طلب کی گئی - بر آئی - پس مجھ سے کہا - کہ دوبارہ جا کر میری طرف سے بہ نیابت زیارت کرو - اور دعا خیر و برکت کرو ہمارے واسطے - حسب الامر مَیں اس طرف واپس ہُوا - اور نائب الزیارت اس کا ہُوا - اور دُعا خیر و برکت کی اس کے لئے - پھر کر آیا - تو کہا - تم نے خوب کیا - مجھ کو ثابت ہُوا ہے کہ دُعا اس جگہ کی خالی نہیں جاتی - حقیر مؤلف کہتا ہے - کہ قبول دُعا کے لئے صفائی عقیدت و حضور قلب شرائط ضروریہ سے ہیں - یہ نہ ہوگا - تو اثر نیک اس پر مترتب نہ ہوگا - جیسا کہ مشہور ہے - کہ ایک مرتبہ نادر شاہ زیارت مشہد مقدس کو آیا - تو روضۂ مبارکہ پر ایک نابینا کو دیکھا - کہ اپنی بینائی کے لئے دُعا کر رہا ہے - یہ معلوم کر کے کہ یہ شخص عرصہ دراز سے دعا میں مشغول ہے متعجب ہُوا - کہ یہ بارگاہ عالیجاہ اور حاجت روا ہونے میں اتنی دیر - مَیں آج کی شب تجھ کو مہلت دیتا ہُوں - کل تک اگر تیری آنکھیں بینا نہ ہُوئیں - تو بار سر سے سبکدوش کرونگا - اندھا[۱] یہ سُن کر کانپ گیا - اور لگا

---

[۱] مَیں نے عام طور پر یہ حکایت زبانی سُنی تھی - کسی کتاب میں دیکھنے کا اتفاق نہ ہُوا تھا - اب کتاب زاد الزائرین مصنفہ مرزا قاسم علی لکھنوی میں اس کو بکمال وثوق درج پایا - مرزا صاحب لکھتے ہیں - کہ اس مرد نابینا کا نام الہ ویردی خاں تھا - چنانچہ قبہ قبر اس کا صحن نو کے ایک جانب اب تک موجود ہے - نادر شاہ کو معلوم ہُوا کہ وہ دروازہ پر کھڑا ہُوا عرصہ سے دُعا کیا کرتا ہے - تو کہا میں اندر جاتا ہُوں - اگر میرے واپس آنے تک تو بینا نہ ہُوا - تو قتل کر دُونگا - اُس نے صدق دل سے بخوف جان دُعا مانگی - بینائی پائی - نادر شاہ نے اس کو اپنا وزیر بنا لیا - انہی ایام میں بزمان وزارت خود اسی نے یہ قبہ تعمیر کیا تھا جس میں بعد مرنے کے دفن ہُوا ۱۲ منہ عفی عنہ -

اور حکم دیا۔ کہ سرداران لشکر جمع ہوں۔ پھر کھانا منگایا۔ کھانا کھانے بیٹھے۔ تو غلام سے
کہا۔ کہ وہ شخص جس کو میں نے تجھے سونپا تھا کہاں ہے۔ کہا دروازے پر حاضر ہے۔
کہا اسے بلاؤ۔ سامنے آیا۔ تو اسے بھی کھانے میں شریک کیا۔ کھانے سے فارغ
ہوئے۔ تو اس شخص سے کہا۔ تجھے دراز گوش حاصل ہوا۔ کہا۔ نہیں۔ فرمایا۔ ایک
الاغ طویلہ شاہی سے اس کو دیا جائے۔ پھر کہا۔ اور دراہم مطلوبہ پائے۔ کہا نہیں۔
حکم دیا۔ کہ ایک ہزار درہم خزانہ عامرہ سے مرحمت ہوں۔ پوچھا۔ جفت جوال جوزیہ
ملا۔ کہا۔ نہیں۔ کہا وہ بھی عطا ہو۔ پھر کہا۔ سفرہ و ہمیان پایا۔ کہا۔ نہیں۔ حکم دیا۔ وہ
بھی دیا جائے۔ پس سرداران لشکر سے مخاطب ہوا۔ کہ تمکو معلوم ہے۔ کہ کیوں میں
نے ان اشیا کا سوال کیا۔ اور یہ معلوم کر کے کہ اس کے پاس نہیں کس لئے اپنے
پاس سے دلواویں۔ کہا نہیں۔ حمویہ نے کہا۔ آگاہ رہو۔ کہ میں عنفوان شباب میں روضۂ
سلطان الانس والجن حضرت علی بن موسی الرضا ؑ کی زیارت کا شائق تھا۔ اکثر اوقات اس
آستان عرش نشان پر حاضر ہوتا۔ ایک روز قبہ عرش رتبہ کے نیچے کھڑا دُعا مانگتا۔
اور مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات کر رہا تھا۔ کہ اے مالک کون و مکان تجھ کو واسطہ
صاحب قبر شاہ خراسان کا کہ مجھ کو صاحب حکومت اس ملک کا کر دے۔ کہ تمام امر و
نہی اس مملکت کا میرے قبضۂ قدرت میں آجائے۔ حال آنکہ لباس میرا اس وقت
پھٹا پرانا تھا۔ یہ شخص بھی وہاں حاضر تھا۔ اور اشیاء مذکورہ کا سوال کر رہا تھا۔ پس
میں نے اپنی دُعا کا اثر جو اس مقام مطہر میں کی تھی دیکھ لیا۔ کہ آج بادشاہ خراسان ہوں
اس لئے چاہا۔ کہ اس کی دُعا کی قبولیت بھی میرے ہاتھ پر جاری ہو۔ پس خدا کا لاکھ لاکھ
شکر ہے۔ کہ وہ بھی عمل میں آئی۔ لیکن میرا اس شخص کے ذمہ ایک قصاص باقی ہے۔
چاہئے کہ وہ بھی عمل میں آوے۔ سپہ سالاروں نے پوچھا۔ وہ کیا ہے۔ حمویہ نے
کہا۔ کہ جب میں وہ دُعا بدرگاہ خدا کر رہا تھا۔ تو یہ شخص میرے برابر کھڑا اس کو سنتا تھا۔
مجھ کو باں لباس کہنہ و پارہ ایسی بڑی جلیل القدر مراد کی دعا مانگتا دیکھ کر اسے غصہ آیا۔
اور میرے ایک ٹھوکر مار کر کہا۔ بادشاہی خراسان کی تجھ جیسے حقیر و ناچیز شخص کو نہیں

پیٹنے اور رغ یاد کرنے - پھر گڑگڑا کر الحاح وزاری سے دُعا کی - جو اُسی شب درجۂ اجابت کو پہنچی - صبح دیکھا - تو دونو آنکھیں مثل چراغ روشن تھیں - الغرض معجزات وخرق عادات اس بقعۂ مبارکہ کے بکثرت ہیں - مگر ہم تھوڑے سے اس مقام پر نقل کرتے ہیں - اور یہ بحث تین فصلوں پر منقسم ہوتی ہے +

فصل اوّل

اُن واقعات کے بیان میں جن کو شیخ صدوق محمد بن بابویہ رح نے عیون اخبار الرضاؑ میں درج کیا ہے - یعنی وہ معجزات جو ۳۹۱ھ ہجری سال وفات جناب صدوق سے پہلے واقع ہوئے +

واقعۂ اوّل ابو منصور عبد الرزاق نے بیوردی حاکم طوس سے کہا - تمہارے کوئی پسر ہے - کہا نہیں - کہا - کیوں نہیں - مشہد امام رضاؑ پر جاکر دُعا کرتے کہ حق تعالٰے فرزند نرینہ عطا کرے - بتحقیق کہ میں نے وہاں حاجتیں طلب کیں - اور حق تعالٰے نے ببرکت اس روضۂ مبارکہ کے میری حاجات روا کیں - حاکم مذکور کہتا ہے - کہ میں نے حاضر حضرت ہوکر طلب فرزند کی دُعا کی - حق تعالٰے نے دُعا میری قبول کی - اور فرزند نرینہ مجھے عطا کیا - میں نے ابو المنصور مذکور کو اس کی خبر دی - اس نے اکرام کیا - اور باب عطا نوال میرے اُوپر کھولا +

واقعۂ دیگر نیز عیون میں ہے - کہ حمویہ والئے خراسان نے شہر نیشاپور میں بیرون بلد باب عقیل کے نزدیک ایک دار الشفا تعمیر کرایا تھا - ایک روز اس کے دیکھنے کو سوار ہوا - اثناء راہ میں اس کی نظر ایک شخص پر پڑی - غلام کو کہا - کہ اس کے ساتھ رہو - یہاں تک کہ اس کو سرائے سلطنت میں میرے پاس حاضر کرو - غلام اُسے ہمراہ لیکر در دولت پر آیا - ادھر حمویہ شفاخانہ کے ملاحظہ سے فارغ ہوکر مکان پر پہنچا -

دیتے - بقدر اپنے حوصلہ وحیثیت کے دُعا کر - کہ قبول ہو - پس مَیں چاہتا ہُوں - کہ اب اس ٹھوکر کا بدلہ اس سے لُوں - انہوں نے کہا - کہ اے امیر یہ قصور اس کا بحل کرو - اور اپنے احسان کو اس پر کامل فرماؤ - حمویہ نے قبول کیا - اور بعزت وحرمت اسے رخصت کیا - وہ ہمیشہ زیارت روضۂ منورہ کی بجالاتا - اور سادات وعلماء ومجاورین اس بقعہ مبارکہ کی کمال عزّت وتوقیر کرتا تھا - زید بن محمد علوی سے جبکہ اُس کا باپ محمد جرجان میں مارا گیا - اس نے اپنی دختر کا عقد کر دیا - پھر اس کو اپنے محل میں لا کر اپنے انعام واکرام سے بہرور فرمایا - یہ ساری باتیں اس لئے تھیں - کہ وہ جانتا تھا کہ میری دولت وسلطنت تمام تر حضرت امام رضاؑ کی برکت سے ہے - نیز جب ابوالحسن محمد بن احمد بن زیاد علوی نے بیس ہزار آدمیوں کی بعیت کرنے پر نیشاپور میں خروج کیا - اور حاکم نیشاپور نے پکڑ کر قید کر لیا - کہ بخارا کو روانہ کرے - حمویہ نے یہ خبر پاکر حکم دیا - کہ اس کی گردن کو قید سے رہا کریں - اور امیر خراسان کو لکھا - کہ یہ لوگ ذرّیت رسول خداؐ سے ہیں - ہم اُمتیوں پر ان کا احترام لازم ہے - بلائے عُسرت وتنگدستی میں مبتلا ہُوں - تو وجہ معاش ان کی اعانت کے لئے مقرر کرنی چاہئے - تاکہ فقر وفاقہ سے مجبور ہو کر خروج کے مقام میں نہ آئیں - پس اس کا کچھ ماہیہ مقرر کر دیا - اور بڑے اعزاز سے اپنے ساتھ نیشاپور میں لایا - اس کے بعد بخارا میں دستور ہو گیا - کہ سادات کے لئے کچھ نہ کچھ مشاہرہ مقرر کرتے ہیں - یہ تمام امور ببرکت روضۂ سلطان العرب والعجم علیؑ بن موسیٰ الرضاؑ ہیں +

واقعۂ دیگر ابن بابویہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں - کہ ہم سے ابونصر احمد بن الحسین ضبّی نے ذکر کیا - اور اس کے برابر کوئی ناصبی میری نظر سے نہیں گزرا - نصب عداوت اہل بیتؑ اس کا اس درجہ بڑھا ہُوا تھا - کہ درود پڑھتا - تو اللھم صل علی محمد پر اکتفا کرتا - وآل محمد نہ کہتا - اس نے کہا - کہ مَیں نے ابونصر حمامی ساکن کوچہ حرب شہر نیشاپور سے سُنا - جو کہ اہل حدیث سے تھا - اس نے کہا - کہ ایک شخص نے میرے پاس کچھ امانت رکھی تھی - مَیں اس کو ایک مقام میں دفن کر کے وہ جگہ بھول گیا -

صاحب امانت نے مطالبہ کیا۔ تو حیران تھا۔ کہ کیا کروں۔ ہر چند اس سے عذر کرتا ہوں۔
مگر وہ ایک نہیں سُنتا۔ اور مجھ کو متّہم کرتا ہے۔ غمگین و ملول گھر سے نکلا۔ تو دیکھا کچھ
لوگ زیارت امام رضاؑ کے ارادہ سے مشہد کو جا رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ہو لیا۔
وہاں پہنچ کر زیارت کی اور دُعا کی۔ کہ خداوندا بطفیل صاحب قبر مجھ کو محلّ دفن امانت سے
آگاہ کر۔ اس وقت مثل اس کے کہ کوئی خواب میں دیکھے۔ مَیں نے دیکھا۔ کہ ایک بزرگ
مجھ کو کہتے ہیں۔ کہ امانت فلاں مقام پر دفن ہے۔ واپس مکان پر آیا۔ اور صاحب
ودیعت کو بُلوا کر اس جگہ کو کھودا۔ تو زر امانت اسی طرح سربمہر نکلا۔ اس واقعہ کے بعد وہ
اہل حدیث اکثر اس حکایت کو بیان کیا کرتا تھا۔ اور لوگوں کو مشہد امام رضاؑ کی زیارت
پر ترغیب و تحریص کرتا +

دیگر۔ محمد بن عمر نوقانی نے کہا۔ کہ مَیں ایک رات نوقان میں اپنے بالاخانہ پر سوتا
تھا۔ کچھ رات گئی آنکھ جو کھُلی۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ چاروں طرف اندھیرا ہے۔ مگر جانب
قریہ سناباد یعنی مشہد امام رضاؑ سے ایک نور ساطع ہے۔ جس سے در و بام روضہ کا معمور
ہے۔ گویا دن ہو رہا ہے۔ مجھ کو پہلے سے آنحضرتؑ کے بارے میں شک تھا۔ یعنی
آپ کی امامت کا قائل نہ تھا۔ میری ماں بھی مخالف مذہب تھی۔ اس سے کہا۔ اے
مادر ذرا آنکھ اُٹھا کر دیکھو تو۔ کہ بجانب مشہد کیسی روشنی ہے۔ کہ روز روشن کو مات
کر رہی ہے۔ ماں نے کہا۔ لَیْسَ لِشَیْءٍ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ۔ بیٹا یہ شیطانی وسوسہ ہے
اور کوئی بات نہیں۔ اس پر فریفتہ نہ ہونا۔ اگلی رات اس سے بھی زیادہ اندھیرا تھا۔ مگر
اُس جانب کی روشنی دن کو شرماتی تھی۔ آنکھیں چکاچوند ہوتی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ
تمام مکان بقعہ نور ہو گیا ہے۔ بیساختہ کلمۂ سُبْحَانَ اللّٰہِ میری زبان پر جاری ہوا۔ اور
حمد و ثنائے الٰہی کرنے لگا۔ اور اعتقاد میرا دوبالا ہو گیا۔ اپنی ماں کو بُلا کر دکھایا۔ وہ
بھی اس عجیب سانحہ سے حیران ہو کر حمد خدا کرنے لگی۔ مگر میری طرح ایمان نہ لائی۔ پس
مَیں اسی وقت روانہ مشہد ہوا۔ وہاں پہنچا۔ تو دروازہ روضہ مبارکہ کا بند تھا۔ دل میں کہا۔
خداوندا اگر صاحب قبر کی امامت برحق ہے۔ تو اس دروازے کو میرے اُوپر کشادہ فرما۔

یہ کہکر ہاتھ مارا۔ دروازہ کھُل گیا۔ پھر سوچا کہ شاید اچھی طرح بند نہ ہُوا تھا۔ پھر اپنے آپ ایسا بند کیا۔ کہ بغیر کنجی نہ کھل سکے۔ مگر پہلی نیت کرکے دوبارہ ہاتھ مارا۔ پھر صاف کھُل گیا۔ پس آستانہ عرش نشانہ میں داخل ہوکر زیارت کی۔ اور نماز بجالایا۔ اور میرا اعتقاد بہ نسبت آنجناب زیادہ ہُوا۔ اس دن سے معمول ہے۔ کہ ہر جمعہ کو نوقان سے زیارت مشہد کو جاتا اور وہاں جاکر نمازیں بجالاتا ہُوں +

ویگر۔ علی بن الحسین قہستانی سے نقل کیا ہے۔ کہ مَیں مرو الرود میں تھا۔ ایک مرد مصر کا رہنے والا حمزہ نام وہاں سے گزرا۔ اس نے بیان کیا۔ کہ مَیں بارادہ زیارت حضرت امام رضاؑ مصر سے نکلا۔ مغرب کا وقت تھا۔ کہ داخل آستانہ ہُوا۔ زیارت کرکے نماز پڑھی۔ اس روز کوئی اور زائر نہ تھا۔ عشا کی نماز ہوچکی۔ تو خادم نے کہا دروازہ بند کرتا ہُوں۔ باہر جاؤ۔ مَیں نے کہا۔ دُور کے فاصلے سے زیارت کے شوق میں آیا ہُوں۔ آج کی رات یہیں رہنے دو۔ کہ عبادت جی بھر کر کروں۔ مجھ کو اندر چھوڑ کر باہر کا دروازہ لگا دو۔ بارے میری التماس قبول ہُوئی۔ اور مَیں تن تنہا اس درگاہ ملائک پناہ میں مشغول آہ وزاری وعبادت جناب باری ہُوا۔ بقول شاعر؎

چوں بہ بزم دوست خواہی رفت تنہا خوشتر است
گر دلیل راہ خواہی اشک شبہا خوشتر است

نماز ودُعا کرتے کرتے تھک گیا۔ تو تھوڑی دیر کے لئے سر بزانو بیٹھ گیا۔ کہ دم لے لُوں۔ پھر جو سر اُٹھاتا ہُوں۔ تو سامنے کی دیوار پر یہ اشعار لکھے پائے۔؎

من سرّہ ان یری قبرًا بروبتہ[1] | یفرج اللہ عمّن زارہٗ کربہ
فلیات ذا القبران اللہ اسکنہ | سلالۃً من نبی اللہ منتجبہٗ

یہ دیکھ کر اپنی جگہ سے اُٹھا۔ اور مشغول عبادت خدا ہُوا۔ تا اینکہ وقت سحر قریب ہُوا۔ تو پھر

---

[1] ترجمہ اشعار۔ جس کو اس قبر کی زیارت کرنی اچھی معلوم ہوتی ہو۔ جس سے زیارت کرنے والوں کا غم درد اس زیارت کی بدولت دور ہوتا ہے۔ اسے چاہئے۔ کہ اس قبر پر آوے۔ بتحقیق کہ اللہ تعالےٰ نے اس میں اپنے برگزیدہ نبیؐ کے نواسے کو ساکن کیا ہے + ۱۲

رُو بقبلہ ہو بیٹھا۔ اب کے جو سر زانو سے اُٹھایا۔ تو دیوار پر کچھ نہ تھا۔ حالانکہ وہ تحریر تر و تازہ تھی۔ گویا اسی وقت کسی نے لکھا تھا۔ پھر محو کر دیا۔ حیران تھا۔ کہ الٰہی یہ کیا اسرار ہے۔ اتنے میں صبح ہو گئی۔ اور مَیں وہاں سے رخصت ہوا۔ بروایت دیگر کہ مجلسی علیہ الرحمہ نے بحار میں وارد کی ہے۔ ایک فرشتہ سبز لباس سے آراستہ آسمان سے اُترا۔ اور اس نے مرقد مطہر کے شامیانہ پر یہ اشعار لکھے تھے۔

دیگر۔ محمد بن ابی عبد اللہ ہروی نے کہا۔ مَیں مشہد مقدس شاہ خراسان میں حاضر تھا۔ ایک شخص اہل بلخ سے وہاں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ اس کا غلام تھا۔ ۔اس شخص نے سر مبارک کی طرف غلام نے پائینتوں نماز پڑھنی شروع کی۔ پھر دونوں مشغول دُعا و زاری ہوئے۔ بعد ازاں سجدے میں جُھک گئے۔ ایک طولانی سجدے کے بعد پہلے آقا نے سر اُٹھایا۔ اور غلام کو آواز دی۔ وہ ابھی سر بسجود ہی تھا۔ صدائے طلب سن کر حاضر خدمت ہوا۔ آقا نے کہا۔ تو چاہتا ہے۔ کہ تجھے راہ خدا میں آزاد کروں۔ کہا میرا مقصود یہی ہے۔ کہا مَیں نے لوجہ اللہ آزاد کیا۔ اور اپنی فلاں کنیز کا کہ فلاں مقام میں ہے تیرے ساتھ نکاح کر دیا۔ اور اس کو بھی خوشنودی خدا کی خاطر آزاد کیا۔ اور مہر اس کا بذمہ خود لیا۔ اور اپنی فلاں اراضی یا باغ کو تم پر اور تمہاری اولاد و اولاد اولاد پر جب تک کہ یہ نسل دُنیا میں باقی رہے وقف کیا بشہادت اس امام ثامن ضامن علیہ السلام کے جن کے روضہ میں ہم موجود ہیں۔ غلام نے روضۂ منورہ کی طرف بنگاہ شوق دیکھا۔ اور رو دیا۔ پھر کہا قسم خدا کی۔ مَیں اس وقت سجدہ میں یہی دعا کر رہا تھا جس کا اثر برکت اسی وقت ظاہر ہوا۔ والحمد للہ۔ ولنعم ما قیل۔ ؎

کس درایں درگہ نیامد باز گردد نا امید
گر گدا کاہل بود تقصیر صاحب خانہ چیست

دیگر۔ ابو نصر موذن نیشاپوری نے کہا۔ مَیں ایک شدید مرض میں مبتلا ہوا۔ جس سے زبان بھاری ہو کر قوت گویائی جاتی رہی۔ اسی حالت رنج و تشویش میں مجھ کو خیال آیا کہ مشہد امام رضاؑ میں جا کر زیارت کروں اور دعا صحت کروں اپنے لئے۔

اور آنحضرتؐ سے شفاعت خواہ ہوں۔ شاید حق تعالےٰ بطفیل آنحضرتؐ یہ مصیبت
مجھ سے دفع کرے۔ پس اپنے گدھے پر سوار ہو کر اس طرف روانہ ہؤا۔ اور اس موضع
مطہر میں پہنچ کر بجانب بالین قبر دو رکعت نماز پڑھی۔ اور سجدہ میں جا کر تضرع وزاری
کے ساتھ دُعا مانگنے لگا۔ کہ خداوندا مجھ کو اس مرض سے شفا بخش۔ اور میری زبان
کی گرہ کھول کر اُسے گویا فرما۔ اور واسطہ دیا صاحب قبر علیہ السلام کا۔ اسی حالت
سجدہ میں غنودگی ہوئی۔ تو دیکھا۔ کہ قبر مبارک شق ہوئی۔ اور ایک مرد گندم گوں سن
کھولت اس سے برآمد ہؤا۔ انہوں نے میرے پاس آ کر کہا۔ اے ابو نصر لا الہ الا اللہ
کہ۔ مَیں نے اشارہ سے کہا۔ زبان بند ہے۔ کہ نہیں سکتا۔ آپ نے چلا کر کہا۔
تنکر للہ قدرتہ۔ قل لا الہ الا اللہ۔ نادان قدرت خدا کا انکار کرتا ہے۔ لا الہ الا اللہ
کہ۔ یکایک میری زبان کھُل گئی۔ اور مَیں نے لا الہ الا اللہ کہا۔ پھر کبھی زبان بند
نہ ہوئی۔ صحت پا کر اپنے گھر کو واپس آیا +

دیگر۔ ابو علی عامر بن عبد اللہ کہ اصحاب حدیث سے حاکم مرورود تھا۔ کہتا
ہے۔ کہ مَیں مشہد امام رضاؑ میں حاضر تھا۔ کہ ایک مرد ترکی قبۃ النور میں داخل ہؤا۔
اور سر مبارک کے قریب کھڑا ہو کر دُعا مانگنے اور تضرع وزاری کرنے لگا۔ کہ
پروردگارا اگر میرا بیٹا زندہ ہے۔ تو مجھ کو اس سے ملا دے۔ مر گیا ہے۔ تو اس کی
خبر مجھے تحقیق ہو جائے۔ چونکہ مَیں زبان ترکی جانتا تھا۔ کہا۔ اے مرد تیرے تئیں کیا
ہو گیا۔ کہا میرا ایک بیٹا تھا۔ کہ جنگ اسحاق آباد میں گم ہو گیا۔ مجھے اس کا کچھ حال معلوم
نہیں۔ اس کی ماں اس کی جُدائی میں تڑپتی اور دن رات روتی ہے۔ مَیں یہاں دُعا
کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ سُنا ہے۔ کہ اس جگہ کی دُعا مستجاب ہوتی ہے۔ مجھ کو اس کی
حالت زار پر رحم آیا۔ اس کا ہاتھ پکڑے باہر آیا۔ اور ارادہ یہ تھا۔ کہ آج اپنے گھر مہمان
رکھونگا۔ جب ہم مسجد سے باہر آئے۔ تو ایک جوان سرو قد سبزہ آغاز پیوند لگے
ہوئے کپڑوں میں ہمارے سامنے آیا۔ جونہی اس مرد ترکی نے اسے دیکھا۔
دوڑ کر لپٹ گیا۔ اور ہاتھ اس کی گردن میں ڈال دئے۔ اور فرط مسرت سے گریاں

ہوا۔ یہ جوان وہی اس کا بیٹا ہے۔ جس کے واسطے ایک ساعت پیشتر رو رو کر دعائیں
مانگ رہا تھا۔ مجھ کو حیرت تھی۔ پوچھا۔ اے جوان اپنا کچھ حال بیان کرو۔ کہا میں اسحاق
آباد کی لڑائی کے بعد طبرستان میں جا پڑا۔ وہاں ایک مرد دیلمی نے مجھے پرورش کیا۔
بڑا ہوا۔ تو ماں باپ کی تلاش میں نکلا۔ راستے میں جا رہا تھا۔ کہ ایک قافلہ مشہد کا
جانے والا ملا۔ ان کے ساتھ ہو لیا۔ حتے کہ یہاں آ پہنچا۔ ترکی نے کہا قسم خدا کی۔ میرا یقین
صاحب قبر کی نسبت زیادہ ہو گیا۔ اور اس کی عظمت مجھ پر ثابت ہو گئی۔ اب میں
عہد کرتا ہوں۔ کہ اس معطر و معنبر مشہد کو نہ چھوڑونگا۔ جب تک کہ جان میرے بدن سے
نکلے۔ گویا زبان حال اس کی اس شعر کا مضمون ادا کر رہی تھی۔ ؎

از سر کوئے خدا را بہشتم مفرست

کہ سر کوئے تو از کون و مکاں ما را بس

اللّٰھمّ ارزقنا زیارۃ تلک البقعۃ المبارکۃ بجاہ محمّد و آلہ الطّاھرۃ یا کریم ۔

دیگر۔ حاکم رازی مصاحب ابو جعفر عتبی نے کہا۔ مجھ کو ابو جعفر نے منصور بن
عبدالرزاق کے پاس ایک پیغام دے کر بھیجا۔ میں وہاں مقیم تھا۔ پنجشنبہ کا دن ہوا۔
تو اس سے زیارت حضرت امام رضاؑ کو جانے کی اجازت مانگی۔ اس نے کہا میں
تجھ سے ایک واقعہ اس آستان عرش نشان کا بیان کرتا ہوں۔ جو میرے ساتھ
گزرا۔ جوانی کے دنوں میں مجھے اس مشہد اور اس کے باشندوں سے نہایت
تعصّب تھا۔ جو لوگ زیارت کو آتے۔ ان کی روک ٹوک رکھتا۔ اذیت و آزار کرتا۔ اور
مال و اسباب ان کا لوٹ لیتا۔ غرض نہایت ظلم و تعدی کرتا۔ تا اینکہ ایک روز شکار
کو صحرا طوس میں گیا۔ ایک ہرن کو دیکھ کر شکاری چیتا چھوڑا۔ چیتے نے ہرن کا تعاقب
کیا۔ آہو بھاگا۔ مگر جب کوئی مفر نہ ملا۔ تو اپنے تئیں حرم محترم امام قبلہ گاہ انام میں ڈالا۔
چیتا وہاں ٹھیر گیا۔ ہر چند میں نے جد و جہد کیا۔ کہ آگے جا کر اس کا شکار کرے۔ مگر
اس نے جرأت ایک قدم اٹھانے کی نہ کی۔ گویا کسی نے پاؤں باندھ دئے ہیں۔
مگر جو نہیں ہرن اس مامن سے نکلتا۔ چیتا اس پر جھپٹتا۔ وہ پھر اندر چلا جاتا۔ پس

ہرن ایک حجرے میں احاطے کے اندر چلا گیا۔ میں اس کے پیچھے گیا۔ اور ابو نصر قاری
سے پوچھا۔ کہ ہرن اندر آیا تھا۔ کہا۔ میں نے نہیں دیکھا۔ حجرے میں جا کر دیکھا۔ تو کچھ
مینگنیاں پڑی تھیں۔ پیشاب کی علامت بھی موجود تھی۔ مگر ہرن کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اس
وقت میں نے عہد کیا۔ کہ آج سے اس روضہ کے زائروں کو نہ ستاؤنگا۔ بلکہ حتی المقدر
ان کے ساتھ نیکی و احسان کرونگا۔ اس وقت سے جو کوئی مشکل مجھ کو پیش آتی ہے۔
اس بارگاہ عالیجاہ پر جا کر دعا کرتا ہوں۔ ببرکت اس قبر مبارک کے آسان ہوتی ہے۔
لڑکا نہ ہوتا تھا۔ دعا کی۔ حق تعالے نے بیٹا دیا۔ وہ جوان ہو کر ایک لڑائی میں مارا گیا۔
تو پھر درگاہ ملائک پناہ میں حاضر ہو کر خواستگار پسر ہوا۔ پھر فرزند عطا ہوا۔ اب جو
حاجت ہوتی ہے۔ وہاں دعا کرتا ہوں۔ قبول ہوتی ہے۔ یہ ہے جو کہ اس
مشہد مقدس کی خوبی مجھ کو ثابت ہوئی ہے۔ حقیر مترجم کہتا ہے۔ کہ پیشتر باب ثانی
روضۂ مقدس میں گزرا۔ کہ شاہزادہ پسر سنجر شاہ سلجوقی کے شکاری جانور بھی حرم محترم
رضوی کے اندر شکار کا تعاقب نہیں کر سکے۔ اور یہ امر اس کی ہدایت یابی کا باعث
ہوا۔ اور ہارون رشید عباسی کو بعینہ یہی صورت نجف اشرف کے صحرا میں پیش
آئی تھی۔ کما مر ذکرہ ہناک۔ یہاں حیرت ہوتی ہے۔ کہ یہ معجزہ ایک رہزن ڈاکو پر
اس قدر موثر ہوا۔ کہ وہ اپنی عصبیت و عناد کو چھوڑ کر اہل اعتقاد میں شامل ہو گیا۔
برخلاف ہارون دون کے کہ اپنے تئیں ابن عم رسولؐ کہتا۔ اور امیر المومنین کہلاتا تھا۔
وہ یہ آیت بین و معجزہ باہرہ دیکھ کر اپنے ناصبیت پر بدستور قائم رہا۔ ایک انچ بھر
اس سے نہ سرکا۔ اور اسی طرح اولاد علیؑ و عترت رسول عربی کے قلع و قمع کرنے پر
تلا رہا۔ حتے کہ اس نے چیدہ و برگزیدہ علویین حضرت موسی کاظم صلوات اللہ علیہ کو
قتل کیا ہے۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ✦

دیگر ابو نصر موذن سے نقل ہے۔ کہ ایک رات وادی سناباد میں رو آیا۔ اس
زمانے میں وہ وادی سب سے اونچا تھا۔ جب رو مشہد مقدس کے قریب پہنچا۔ تو
مجھے خوف ہوا۔ کہ مبادا رو اس بقعہ معنبر کو خراب کرے۔ لیکن میں نے دیکھا۔ کہ قریب

مشہد وہ تمام پانی ایک جگہ زمین میں اُتر گیا۔ اور ایک قطرہ داخل مشہد نہ ہوا مثل حائر
کربلا کے کہ پانی نے اس جگہ داخل ہونے کی جرات نہ کی۔ اور حیران رہ گیا۔ اس
وادی کے سرے پر ایک قنات تھی۔ یہ تمام پانی اس میں چلا گیا۔ صاحب تحفہ
رضویہ شرح عیون الاخبار سے نقل کرتے ہیں۔ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔
کہ اس مشہد مقدس کے بہت سے خواص ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ خاصہ ہے۔
کہ حق تعالےٰ نے بلائے سیل وطاعون کو اس شہر سے اُٹھا لیا ہے۔ وہاں کے
باشندوں کو ان دو آفتوں سے صدمہ نہیں پہونچتا۔ اور جو حدیث کہ شیخ طوسی علیہ الرحمہ
نے تہذیب الاخبار میں نقل کی ہے۔ کہ حق تعالےٰ نے طوفان نوح میں چار مقامات
کو غرق ہونے سے نجات دی۔ ایک ان سے مقام طوس ہے۔ یہ بھی اس کی
مؤید ہے +

دیگر ابو نصر احمد بن محمد[1] نے کہا۔ میں امیر ابو نصر بن علی کی خدمت میں تھا۔ وہ
میری توقیر کرتا اور بذل احسان فرماتا۔ اور میری صحبت کو بسا غنیمت جانتا۔ یہ بات
اس کے اصحاب وندیموں کو ناگوار ہوئی۔ وہ مجھ سے حسد کرنے لگے۔ ایک بار
امیر نے ایک تھیلی تین ہزار درہموں کی سر بمہر مجھے دی۔ کہ خزانچی کے حوالے کردوں
میں تھیلی لئے نکلا۔ اور باہر آکر جہاں دربان بیٹھے تھے ان کے پاس بیٹھ گیا تھیلی
اپنے برابر رکھ لی۔ اور ان سے باتیں کرنے لگا۔ اس وقت ایک غلام خطلخ طاس
نام بھی ہمارے پاس بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر میں دیکھتا ہوں۔ تو تھیلی ندارد۔ ادھر
دیکھا اُدھر دیکھا۔ مگر کہیں پتہ نہیں۔ ان لوگوں سے پوچھا۔ کہا ہم نے تو تیرے
پاس کوئی تھیلی نہیں دیکھی۔ مجھ کو تو پہلے سے معلوم تھا۔ کہ یہ سب میرے دشمن
ہو رہے ہیں۔ پہلے ہی امیر سے میری بُرائیاں کرتے اور اس کا دل میری طرف
سے پھراتے ہیں۔ اب تو موقعہ مل گیا۔ جی بھر کر چغلخوری کرینگے تہمت لگائینگے

[1] بحار میں اس راوی کا نام محمد بن احمد ثانی نیشاپوری بتایا گیا ہے۔ اور امیر کا ابو نصر بن ابی الاصفہانی صاحب
الجیش کہا ہے۔ اور یہ صحبت صفانیاں کی بیان کی گئی ہے + ۱۲ منہ

پریشان تھا۔ اسی تشویش و اضطراب میں خیال آیا۔ کہ میرے باپ کو کوئی شدید
مشکل پیش آتی۔ جس میں راہ چارہ نہ ملتی۔ تو مشہد امام رضاؑ میں دعا کیا کرتا تھا۔ بہ برکت
روضۂ مبارکہ اس کی دعا قبول ہوا کرتی تھی۔ پس عزم کیا۔ کہ ہو سو ہو۔ اس درگاہ عالیجاہ
پر چلئے۔ یہ ٹھہرا کر میرے پاس گیا۔ اور کہا طوس جانے کی ضرورت آن پڑی ہے۔ لہذا
اجازت چاہتا ہوں۔ یہ سُن کر اس کے تیور بدل گئے۔ کہا۔ دیکھو۔ جہانت نہ کر بیٹھنا
کہ تمہارا اعتبار جاتا رہیگا۔ اور ہاں ہم اجازت کیونکر دیں۔ تو گیا اور واپس نہ آیا۔ تو
روپیہ کس سے لینگے۔ کوئی ضامن دو۔ میں نے کہا۔ چالیس روز تک نہ آیا۔ تو میرے
گھر بار سے وصول کرنا۔ نیز ابو الحسن خزاعی حاکم طوس کو لکھ بھیجنا۔ وہ میرا مال و اسباب
ضبط کر کے یہاں بھیج دیگا۔ غرض ان باتوں کے بعد اجازت دی۔ میں نے اس کے
پاس سے نکل کر سواری کرایہ کی۔ اور چل کھڑا ہوا۔ بعد طے مراحل مشہد مقدس پہونچا۔
اور آستان ملک پاسبان میں داخل ہو کر بسمت سر مبارک کھڑے ہو کر دعا کی۔ خداوندا
اس مال کا نشان مجھے مل جائے۔ کہ رُوسیاہی و ندامت سے نجات ہو۔ بارے یہ
دُعا درجہ اجابت کو پہونچی۔ اور بحالت غنودگی دیکھا۔ کہ حضرت رسول خداؐ فرماتے ہیں
وہ مال خطلخ تاش غلام نے لیا ہے۔ اور اپنے گھر کے چُولھے تلے دبایا ہے۔ یہ
خواب دیکھ کر اُٹھا۔ اور عتبۂ مبارک کو بوسہ دے کر واپس آیا۔ ابھی چالیس دن
میں تین روز باقی تھے۔ کہ امیر ابو نصر کے پاس پہونچا۔ اور کہا۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ
روضۂ مبارکہ امام رضاؑ کی برکت سے اپنی آرزو پر فائز ہوا۔ کیسۂ زر خطلخ غلام کے
پاس ہے۔ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ نے خواب میں خبر دی۔ ابو نصر نے
غلام کو بلایا۔ وہ کیوں اقرار کرنے لگا تھا۔ میں نے کہا اے امیر اس کی ضرورت
نہیں۔ حضرت رسول خداؐ نے خود اس کا نشان بتلایا ہے۔ اس کے گھر میں چولھے
کے نیچے گڑا ہوا ہے۔ اور ہنوز مہر امیر کی اس پر باقی ہے۔ پس ایک معتمد کو بھیجا۔
وہ جا کر تھیلی نکال لایا۔ امیر بہت خوش ہوا۔ اور کہا۔ اے ابو نصر۔ تیرا رتبہ میرے
نزدیک بڑھ گیا۔ اب تو زیادہ انعام و اکرام کا مستحق ہے۔ جب مشہد مقدس کو جائے

سواری ہمارے پاس سے لے جایا کر۔ ابو نصر کہتا ہے۔ کہ مجھے خوف ہوا۔ کہ یہ ترک بچے جو اس کے گرد جمع ہیں۔ میری طرف سے اس کا دل پھر تینگے۔ پس اپنی سلامتی اس میں جانی۔ کہ وہاں سے کنارہ کش ہوں۔ بقولے ع

اگر خواہی سلامت بر کنار ست

پس نیشاپور میں آکر دکان کھولی۔ انجیر فروشی کرتا ہوں۔ اور اسی پر قناعت ہے۔ وَلَاحَولَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّابِاللّٰہ ✤

دیگر۔ محمد بن عبداللہ کوفی حاکم ترقان نے کہا۔ دو مرد رے سے نصر بن احمد حاکم بخارا کے پاس سفارت کو جاتے تھے۔ ایک رے کا باشندہ شیعہ دوسرا قمی سنی متعصب۔ کیونکہ قدیم زمانے میں وہاں ناصبیت کا چرچا تھا۔ شہر طوس میں پہونچے۔ تو رازی نے قمی سے کہا۔ مشہد امام رضا یہاں سے نزدیک ہے۔ آؤ۔ آنحضرتؑ کی زیارت کرلیں۔ اس نے کہا۔ ہم رسالت پر جا رہے ہیں۔ پہلے اپنے کار مفوضہ سے فارغ ہولیں۔ پھر کوئی دوسرا کام کرینگے۔ پس بخارا کو روانہ ہوئے اور وہاں اداء رسالت کیا۔ بوقت مراجعت پھر مشہد کے برابر آئے۔ تو رازی نے تحریک کی۔ کہ زیارت آنحضرتؑ اعظم قربات ہے۔ قمیؔ نے کہا۔ مَیں قم سے چلا۔ تو سُنّی تھا۔ اب نہیں چاہتا۔ کہ رافضی ہو کر وہاں واپس جاؤں۔ مگر رازی شوق زیارت میں بیتاب تھا۔ کہا۔ اچھا تم اسباب و دوّاب پر رہو۔ مَیں تنہا جاتا ہوں۔ پس اپنے گدھے پر سوار ہو کر راہی مقصود ہوا۔ اس بقعہ عرش رتبہ پر پہونچکر زیارت کی آرزوئے دلی پر فائز ہوا۔ رات ہوئی۔ تو خادم درگاہ سے کہا۔ مَیں چاہتا ہوں۔ کہ رات کو تنہا مشغول عبادت رہوں۔ مہربانی کرکے کنجیاں روضۂ اقدس کی مجھے دیدو۔ خادم نے قبول کیا۔ رازی تجدید وضو کرکے گرد روضہ کے پروانہ وار گرد شمع کے پھرنے لگا۔ پھر بالین قبر پر آکر مشغول نماز و تضرع و نیاز بدرگاہ کریم کارساز ہوا۔ بعد ازاں تلاوت قرآن شروع کی۔ اس وقت معلوم ہوا۔ کہ کوئی دوسرا شخص اس کے ساتھ قرآن پڑھ رہا ہے۔ پس قرآن ترک کیا۔ اور اٹھ کر چار طرف روضہ کے پھرا۔ مگر کوئی دوسرا نظر نہ آیا۔ لاجرم پھر

اپنی جگہ بیٹھ کر مشغول تلاوت ہوا۔ پھر دوسری بار آواز محسوس ہوئی۔ خاموش ہو کر کان اس طرف لگائے۔ کہ کہاں سے آواز آتی ہے۔ معلوم ہوا کہ درون قبر شریف سے آواز تلاوت آرہی ہے۔ حتےٰ کہ سورہ مریمؑ سے اس آیہ شریفہ کو تلاوت کیا۔ یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا و نسوق المجرمین الی جھنم وردا۔ تو اُس کو اس طرح پڑھا۔ یوم یحشر المتقون الی الرحمٰن وفدا و یُساق المجرمون الی جھنم وردا۔ حتےٰ کہ قرآن ختم ہوا۔ تو صبح ہو گئی تھی۔ وہاں سے فارغ ہو کر قریہ نوقان میں آیا۔ اور وہاں کے قاریوں سے اس قرأت کی بابت پوچھا۔ انہوں نے کہا۔ یہ قرأت لفظ و معنی کے اعتبار سے خوب ہے۔ مگر ہم نے کسی قاری کی قرأت میں نہیں پایا۔ وہاں سے نیشاپور آکر یہی سوال کیا۔ کسی نے ٹھیک جواب نہ دیا۔ تا اینکہ رے میں ایک قاری سے اس کا ذکر آیا۔ تو اس نے کہا۔ یہ قرأت تو نے کہاں سے سُنی۔ یہ قرأت رسول اللہؐ اور اُن کے اہل بیت اطہارؑ کی ہے۔ پھر باصرار تمام اس کا سبب دریافت کیا۔ مَیں نے تمام قصہ اُس کے روبرو بیان کیا۔ اس کا اعتقاد اس قرأت کی صحت کی بابت زیادہ ہوا۔ صاحب تحفہ رضویہ نقل روایت کے بعد کہتے ہیں۔ کہ تتبع کتب اخبار و احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کل تین بزرگوار ایسے ہوئے ہیں۔ جنہوں نے بعد رحلت از دُنیاء غدار تکلم بقرآن کیا ہے۔ پہلے ان سے حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ ہیں۔ کہ جس وقت اشقیاء امت حضرت امیر المومنینؑ کو بجبر و تعدی مسجد رسول اللہؐ میں لائے۔ تاکہ ابوبکر سے بیعت کریں۔ اس وقت سب نے دیکھا۔ کہ ایک ہاتھ پیغمبرؐ کی قبر سے نکلا۔ اور یہ آیہ شریفہ بسبیل عتاب بابوبکر تلاوت کی۔ اکفرتَ بالذی خلقک مِن تراب۔ یعنی اے ابوبکر تو کافر ہو گیا اس خدا سے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا۔ سب نے پہچانا۔ کہ دست مبارک پیغمبرؐ ہے۔ اور آواز بھی آپؐ ہی کی ہے۔ دوسرے سید الشہداء ابا عبد اللہ الحسینؑ۔ کہ سر مبارک آنحضرتؑ نے بہت سے موقعوں پر جیسا کہ تحفہ حسینیہؑ میں نقل کیا گیا۔ قرآن کی تلاوت فرمائی۔ تیسرے

ان میں حضرت امام رضاؑ ہیں۔ جیسے کہ اس حدیث میں ذکر ہؤا۔ حقیر مؤلف اوراق کہتا ہے۔ کہ صاحب تحفہ کا یہ حصر کہ تین بزرگواروں نے بعد رحلت قرآن سے تکلم کیا شاید درست نہ ہو۔ کیونکہ ہمارے سامنے چند ایسے مقام موجود ہیں۔ جہاں حضرت امیر المومنینؑ نے بعد رحلت قرآن کی تلاوت کی ہے۔ زیادہ تلاش کی جائے۔ تو زیادہ مقامات بھی نکل سکتے ہیں۔ اور ممکن ہے۔ کہ سوائے حضرت امیرؑ کے دیگر حضرات کا قرآن پڑھنا بھی دریافت ہو سکے۔ پس حصر درست نہ ہوگا۔ حضرت امیر المومنینؑ کے معجزات یہ ہیں۔ کتاب مستطاب فرحۃ القلوب میں رسالہ تزئین المجالس تصنیف سید شمس الدین بن سید محمد بدیع رضوی سے نقل کیا ہے۔ کہ انہوں نے ملا گیلانی سے روایت کی ہے۔ کہ کوفہ میں ایک طالب علم رہتا تھا۔ اس کا بیٹا بہت کند ذہن و غبی نکلا۔ ہر چند سعی کی۔ کہ پڑھنے لکھنے میں سواد حاصل کرے۔ فائدہ نہ ہؤا۔ بنا بریں وہ لڑکا مشہد مقدس امیر المومنینؑ میں آیا۔ اور بتوسل آنحضرتؑ دعا کی۔ کہ زیادہ نہیں اتنا تو ہو جاؤں۔ کہ قرآن پڑھ سکوں پس خواب میں دیکھا کہ ایک جگہ سر راہ بیٹھا قرآن پڑھ رہا ہے۔ مگر درست نہیں پڑھ سکتا۔ اتنے میں حضرت قرآن ناطق وہاں وارد ہوئے۔ اور اس کے کان میں یہ آیہ شریفہ پڑھا۔ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ۔ بیدار ہؤا۔ تو تمام قرآن از بر تھا۔

دیگر۔ بحار الانوار سے بحوالہ فرحۃ الغری ابن طاؤس علیہ الرحمہ نقل ہؤا ہے۔ کہ علی بن مظفر بخارا نے کہا۔ ایک اراضی میں میرا حصہ تھا۔ شرکاء نے ظلم کیا۔ اور وہ حصہ دبا لیا۔ اس کی شکایت روضۂ مبارکہ امیر المومنینؑ پر جا کر کی۔ اور نذر کی۔ کہ اگر میرا حصہ مجھے مل جاوے۔ تو مکان مجلس بارگاہ کا بنوا دوں۔ تھوڑے عرصہ میں وہ مغصوب حصہ مجھ کو مل گیا۔ مگر تعمیر مجلس سے غافل تھا۔ کہ آنحضرت صلوات اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا۔ کہ قبۂ مبارک سے ایک گوشہ میں کھڑے ہیں مجھے دیکھا۔ تو میرا ہاتھ پکڑ کر دروازہ براق تک تشریف لائے۔ اور مجلس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ یا علی یوفون بالنذر الخ۔ میں نے خواب میں عرض کیا۔ حبًا و کرامۃ لک یا

امیرالمومنین ع - یعنی آپ نے تلاوت آیہ شریفہ وفائے نذریاد دلایا - ابن مظفر نے کہا - بسروچشم - پس صبح ہوئی - تو تعمیر میں مشغول ہوا - یہ دو نوں روایتیں دال ہیں کہ حضرت امیرالمومنین ؑ نے بعد وفات تلاوت قرآن فرمائی - اور خواب و بیداری میں فرق کرنا کچھ فائدہ مند نہیں - کیونکہ احادیث کثیرہ شہیرہ اس پر دال ہیں - کہ حضرات کی نسبت خواب و بیداری کی یکساں حالت ہے +

فصل دوم

اُن معجزات باہرات کے بیان میں جو جناب شمس الدین محمد بدیع ابن ابی طالب رضوی رہ کے جبکہ بعہدہ سرکشیکچی (افسر نگہبانان ہیڈ کانسٹیبل) آستان فیض نشان مامور تھے زمانے میں یا اس کے قریب تر واقع ہوئے - اور ان کے نزدیک قطعی و یقینی تھے - انہوں نے ۱۱۴۵ھ میں بصورت ایک کتاب کے جمع کیا - اور وسیلۃ الرضوان اس کا نام رکھا - ملا نوروز علی بسطامی ۱۲۷۰ھ میں اس وسیلۃ الرضوان کے مطالعہ سے مشرف ہوئے - اور بکمال اعتقاد و وثوق وہ واقعات اپنی کتاب تحفہ رضویہ میں نقل کئے - چنانچہ اس کے شروع میں کہتے ہیں - وچوں آں سید بزرگوار از جملہ اجلاء و معتمدین و در احوال ہر ایک از ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کتاب بے مثل وسیلۃ الرضوان تالیف فرمودہ - و متون اخبار را نقل فرمودہ - وضبط آں را درست یافتم - لہذا آں وقائع را بعبارۃ نقل نمودہ - ملحق بایں نسخہ شریفہ نمودم تا باعث روشنائی چشم محبان و مزید اعتقاد شیعیان آں سرور عالمیان شود - پھر ملا صاحب کہتے ہیں کہ کتاب مذکور میں لکھا ہے - کہ حقیر جامع رسالہ ہذا کا اس وقت ۴۵ سال کا سن ہے - میری یاد میں قریب ایک سو پچاس یا اس سے زیادہ - کور شل - دگنگ نے ببرکت روضہ مبارکہ شفا پائی - اور شیخ بزرگوار حر عاملی کا بیان ہے کہ

بہت سے معجزات اور امور غریبہ مَیں نے خود معائنہ کئے۔ ملّا بسطامی کہتے ہیں۔ کہ اِس عبارت سے معلوم ہُوا۔ کہ سیّد شمس الدین مذکور جناب حر عاملی جامع احادیث و اخبار ائمۂ اطہار کے ہم عصر تھے۔ پس صاحب رسالہ نے کہا۔ کہ ملا محمد شریف طبیب خادم روضۂ منورہ نے چند معجزے نقل کئے۔ اور بیان کیا۔ کہ سنہ گیارہ سو گیارہ روز شنبہ ساتویں ذی الحجہ سے ۲۳ ماہ مذکور تک پینتیس[۳۵] یا چونتیس[۳۴] مرد و زن کور۔ شل۔ گنگ اس مقدس مقام میں شفایاب ہوئے۔ ایک اندھا آخر ماہ مذکور میں اچھا ہُوا۔ اس کے بعد فاضل بسطامی نے کہا۔ کہ اس سیّد بزرگوار نے بہت سے معجزات درج کئے ہیں۔ مگر مَیں نے بنظر اختصار صرف ایک سو چار واقعہ کی نقل پر اکتفا کی۔

راقم الحروف حقیر مظہر حسن الموسوی عاملہ اللہ بلطفہ الجلیّ و الخفیّ کہتا ہے چونکہ بعض ان واقعات سے علاوہ متضمن اعجاز ہونے کے کچھ کچھ تاریخی حالات روضہ مبارکہ پر بھی شامل ہیں۔ لہٰذا ان کا ترجمہ رسالہ ہٰذا میں کیا جاتا ہے۔ ومنہ الاعانۃ والتوفیق +

واقعۂ اوّل شیخ بزرگوار جناب حر عاملیؒ اپنی کتاب میں نقل کرتے ہیں۔ کہ میں چھبیس[۲۶] سال متصل ارض اقدس میں مجاور رہا۔ بہت سے غرائب معجزات مشاہدہ کئے۔ ازانجملہ یہ کہ ایک شخص ہمارے ہمسائے میں رہتا تھا۔ اس کے ایک لڑکی گونگی تھی۔ ایک روز وہ لڑکی زیارت روضۂ مقدسہ کو گئی۔ تو دیکھا کہ مرقد منور کے قریب ایک مرد نیکو ہیئت تشریف رکھتے ہیں۔ اس نے خیال کیا۔ کہ حضرت امام رضاؑ ہیں۔ آپ نے لڑکی کو خطاب کر کے کہا۔ کہ کیوں کلام نہیں کرتی۔ یہ کہنا تھا کہ وہ لڑکی متکلم ہوئی۔ اور مرض گنگی اس سے زائل ہُوا۔ صاحب تحفہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے خصوص المعجزات میں اس بزرگوار کے ہاتھ کا لکھا ہُوا دیکھا۔ کہ اشعار ذیل اس لڑکی کے خطاب میں ارشاد فرمائے۔ ؎

یا کلیم الرضا علیہ السلام[۱]	وعلیک السلام والاکرام
کلمینی عسی ان اکون کلیماً	لکلیم الرضا علیہ السلام

[۱] (ترجمہ) اے امام رضا علیہ السلام کے ساتھ کلام کرنیوالی لڑکی تیرے اُوپر سلام مع الاکرام ہو۔ تو میرے ساتھ کلام کر تاکہ مجکو وہ مرتبہ حاصل ہو جاوے۔ جو کہ کلیم الرضا کے ساتھ کلام کرنیوالے کا ہوتا ہے +

برائے آخرالابیات پھر فرماتے ہیں۔ کہ مجھے یاد نہیں پڑتا۔ کہ میں نے کبھی اس مشہد

لیس فی خواطری انی دعوت فی ھذا المشھد وطلبت من اللہ تعم حاجۃ لا وتضیعھا لی والحمد للہ وتفضیل ذالک بضیق عندالمجال ویطول فیہ المقال ولذالک اکتفیت بالاجمال	میں دعا کی ہو۔ اور حق سبحانہ تعالٰے سے کسی حاجت کا خواہاں ہُوا ہُوں۔ اور اس جل شانہ نے

میری اس حاجت کو رفع نہ کیا ہو۔ اور اس کی تفصیل سے ضیق فرصت مانع ہے چونکہ کلام اس میں طولانی ہوتا تھا۔ لہذا میں نے اجمال پر کفایت کی +

واقعۂ دوم یہ حقیر عرصہ تیس سال سے ماتمدار امام مظلوم حسینؑ شہید ہے۔ تعزیہ خانوں کی آئین بندی اور زینت کرنا میں نے موقوف کیا۔ بجائے اس کے در و دیوار کو سیاہ کرتا ہُوں۔ یہ ڈھنگ دیکھ کر اوروں نے بھی میری تقلید کی۔ چنانچہ یہ طریقہ اس ملک میں رواج پاگیا۔ اکثر اشخاص نے ائمۂ علیہم السلام کو خواب میں دیکھا کہ اس طرز جدید کی تحسین فرماتے ہیں۔ کہ فلاں شخص اچھے طریق پر ماتم داری کرتا ہے اور جنہوں نے اس کی پیروی کی۔ انہوں نے بھی خوب کام کیا۔ ایک شب شبہائے محرم سے چند صلحاء و فضلاء کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ ماتم داری کے ثواب اور مرثیہ گویوں کے مدارج کا مذکور تھا۔ اس میں ملا محتشم کاشی کا ذکر ہُوا کہ ان کے مرثیے درجۂ قبولیت کو پہنچے۔ چند اشخاص نے خواب میں دیکھ کر یہ امر معلوم کیا۔ اس احقر نے بھی کچھ بند مرثئے کے لکھے تھے۔ اس وقت متوجہ امام دو جہان مولائے غریباں ہو کر عرض رساں ہُوا کہ اے آقا میں خادم خاکروب اس آستاں کا ہُوں تین سے برس ہُوئے۔ آباؤ اجداد یہ خدمت کرتے آئے ہیں۔ لوگ ہم کو تمہاری اولاد سے گنتے ہیں۔ کیا ہو۔ اگر یہ چند بیت مرے درجۂ قبولیت کو پہنچ کر باعث نجات آخرت ہوں۔ اس کے ساتھ ہی گریۂ عظیم مجھ پر طاری ہُوا اور روتا روتا سو گیا۔ خواب میں دیکھتا ہُوں۔ کہ حضرت امام رضاؑ کی زیارت کو گیا ہُوں۔ اور طلا کار پھاٹک میں کھڑا دعائے اذن دخول پڑھ رہا ہُوں۔ چند اشخاص روئے مبارک کے سامنے ضریح مقدس کے آگے کھڑے

ہیں۔ ان سے تین نفر میرے پاس آئے۔ کہ امام تجھ کو بلاتے ہیں۔ میں جا کر ضریح مبارک کے آگے کھڑا ہؤا۔ اور آداب بجالایا۔ ارشاد ہؤا۔ کہ جو مرثیہ لکھا ہے۔ اس کو پڑھو۔ بے ساختہ بند قافیہ کربلا کا میری زبان پر جاری ہؤا۔ اس کو پڑھتا تھا۔ اور زار زار روتا تھا۔ شدت گریہ سے آنکھ کھل گئی۔ صبح کو زیارت کے لئے گیا۔ تو دیکھا۔ ملا نصر اللہ موذن دار الحفاظ میں روے مبارک کے سامنے کھڑے وہی بند پڑھ رہے ہیں۔ سُن کر گریاں ہؤا۔ اور یقین ہو گیا۔ کہ درجۂ قبولیت کو پہنچا۔ بند یہ ہے :۔

اے چرخ خوں فشاں کہ بمیدان کربلا
درہم شکستہ پیکر سلطان کربلا

واحسرتا کہ نخل برومند دیں شکست
از تند باد صرصر طوفان کربلا

خوں ریخت آسماں چہ بدبیند اہلبیت
صید بے بخوں طپیدہ بمیدان کربلا

از تیر و تیغ و نیزہ نمودند کوفیاں
درخوان غم ضیافت مہمان کربلا

برخواست آہ و نالۂ جاں سوز از حرم
قاسم چہ کرد رُوئے بمیدان کربلا

گشتند از فرات چہ سیراب شامیاں
دادند آب تیغ بمہمان کربلا

ماندند جملہ پردہ گیاں نبی ز ظلم
تنہا ز خویش و قوم بہامان کربلا

از چشم اشکبار یتیمان اہل بیت
شد رود خون رواں بہ بیابان کربلا

از صرصر حوادث ایں چرخ بے مدار
خاموش گشت شمع شبستان کربلا

نزدیک شد کہ قطع شود رحمت خدا
تا شد جدا از تن سر سلطان کربلا

روزے کہ گشت دامن آں شاہ تر ز خوں
زد چاک دشت دہر گریبان کربلا

ہر لالہ کہ سر زند از خاک آں زمیں
دارد بسینہ داغ شہیدان کربلا

چوں شمس باد تشنہ لب کربلا کند
بارد سرشک دیدہ بدامان کربلا

تیسرا واقعہ

ملا محمد باقر خادم پسر حکیم شریف نے نقل کیا۔ کہ شمعیں کہ رات بھر روضۂ مبارک میں روشن رہتی ہیں۔ رات کو گوشہ ہائے مکان میں رکھی جاتی۔ ایک بار دیکھا۔ .... کہ آدھی رات کے وقت ایک شمع

شمعداں سے کج ہوکر قالیں اور نمدوں پر گری۔ مگر ان کو اصلاً آگ نہ لگی۔ باوجودیکہ شمع بڑے بٹرے جلا کی۔ حتےٰ کہ جل کر تمام ہوگئی۔ ایسا واقعہ ایک دفعہ نہیں بارہا دیکھا گیا۔ مؤلف نے بھی بچشم خود اس کا مشاہدہ کیا +

واقعہ دیگر درخت کبر[1] و گل نرگس کا گنبد مبارک پر نکلنا اور سبز ہونا ہے۔ حالانکہ تمام عمارت خشت پختہ و چونہ گچ کی ہے۔ اور تانبے کی چادریں اس پر نصب ہیں جن کے اوپر سونے کا پانی پھرا ہوا ہے۔ اور ذرا درز و فرجہ درمیان میں نہیں۔ باوجود اس کے درخت کبر ہر سال سبز ہوتا اور پھل لاتا ہے۔ حتےٰ کہ اس کے پھل نواب اشرف و اعلےٰ کے واسطے شربتخانہ سرکار فیض آثار میں لے جاتے اور ترشی بناتے ہیں۔ اور تبرک کے طور پر اردوے معلےٰ شاہی میں بھیجا جاتا ہے۔ کئی سال سے برابر یہی حال ہے۔ دوست دشمن اس امر غریب کو ملاحظہ کرتے اور انگشت حیرت بدنداں ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ سال تحریر رسالہ ہذا یعنی ۱۳۰۱ھ تک باقی ہے۔ جو اس معجزہ ظاہر کا انکار کرے اور راہ تعصب دینی کریگا +

واقعہ دیگر یہ واقعہ جس کو خالصا ئے استرآبادی نے نظم بھی کیا ہے۔ اس طرح پر ہے۔ کہ الوشہ ملعون نے استرآباد کو تاخت تاراج کیا۔ تو وہاں تک ایک پیرہ زن کی ایک حسین صاحب جمال لڑکی تھی۔ اس کو بھی اسیری میں لے گئے۔ بوڑھی عورت لڑکی کی جدائی میں بیقرار جو کچھ پاس تھا۔ لوگوں کو دیتی تھی۔ کہ لڑکی کی تلاش کریں یا اس کی خبر لادیں۔ جب سب طرف سے مایوس ہوئی۔ تو روئے امید روضۂ سلطان العرب والعجم علیؑ بن موسی الرضاؑ کی طرف لائی۔ پس اس مقام مرجع خاص و عام میں پہنچ کر پہلے زیارت کی۔ پھر عرض حال کیا۔ کہ اے مولے میرے۔ تم ضامن غریبان و کس بیکساں ہو۔ میں اور لڑکی دونو غریب ہیں۔ میں لڑکی تم سے لونگی۔ اتفاقاً لڑکی کو اور گنج لے گئے تھے۔ اور وہاں سے بخارا۔ بخارا سے بلخ میں جا کر فروخت کیا۔

---

[1] کبر بفتحتین ایک میوہ ہے ترش مزہ دار نوترار سپاری جس سے اچار بناتے ہیں۔ ملک خراسان میں بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ از منتخب و لطائف ۱۲ غیاث اللغات +

پھر سند پھر مند میں لے گئے۔ قضارا ہند میں ایک شخص شیعہ متقی رہتا تھا۔ کہ ہمیشہ زائران امام غریب کے ساتھ سلوک کرتا۔ اُس نے خواب میں دیکھا۔ کہ دریا میں گر کر ڈبکیاں کھا رہا ہوں۔ ایک لڑکی صاحب حسن و جمال کنارہ پر کھڑی ہے۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر بڑی کوشش سے غرقاب ہلاکت سے نکالا۔ وہ مرد مومن اسی فکر میں تھا۔ کہ سُنا۔ ایک سوداگر بلخ سے بہت سا اسباب تجارت لیکر آیا ہے۔ اس کے پاس جاکر کچھ اشیاء خریدکیں۔ اس میں ایک لڑکی اس کو دکھائی گئی۔ غور کیا۔ تو بعینہ وہی دختر تھی۔ جس نے خواب میں اسے غرق ہونے سے بچایا تھا۔ جلد اس کو خرید لیا۔ اور گھر پر لایا جب اس کا حال معلوم ہوا۔ اور دریافت ہوا کہ دست اغیار نے اس کے دامن عصمت کو نہیں چھوا۔ تو چاہا۔ کہ اپنے بیٹوں سے ایک کے ساتھ اسکی شادی کردے۔ لڑکی نے کہا۔ مَیں شوق زیارت امام رضاؑ میں بیتاب ہوں۔ جو کوئی مجھ کو خراسان لے جاوے۔ اس کے ساتھ عقد کرونگی۔ بڑا بیٹا اُس مرد دیندار کا اس شرط پر راضی ہوا۔ اس سے لڑکی کا عقد ہو گیا۔ وہ اُس کو لیکر خراسان آیا۔ اور صحن مبارک کے قریب خیابان میں ایک مکان لیکر رہنے لگا۔ تھوڑے دنوں میں لڑکی بیمار ہو گئی۔ اس کا شوہر روضۂ مبارکہ میں آکر رونے اور بیقرار ہونے لگا۔ اس کی صحت کی دُعائیں مانگتا تھا۔ پس از عرض مدعا باہر نکلا۔ تو ایک بوڑھی عورت اس کے سامنے آئی۔ کہا۔ اے مادر مَیں پردیسی غریب الوطن ہوں۔ زوجہ بیمار ہمراہ رکھتا ہوں۔ تمکو واسطہ صاحب قبر کا دیتا ہوں۔ کہ میرے گھر پر چل کر ذرا اس بیمار کو دیکھو۔ شائد تم ہی کوئی دوا کر سکو۔ بڑھیا ساتھ ہو لی۔ گھر پر پہنچی۔ تو دیکھا۔ وہی لڑکی ہے۔ جسکی تلاش میں سرگرداں ہے۔ ایک نے دُوسرے کو پہچانا۔ اور شکر الٰہی بجالائے۔ ببرکت روضۂ مبارک سب کی مراد بر آئی۔

واقعہ دیگر حکیم محمد شریف خاتون آبادی نے نقل کیا۔ کہ بروز شنبہ ۴ محرم ۱۱۰۷ھ کو ایک شخص نے روضۂ مبارکہ میں شفا پائی جس کو بہت مدت پہلے حرامیوں نے اطراف قندھار میں لوٹا اور شانے پر زخم لگایا تھا۔ اس کی وجہ سے

اس کا تمام ہاتھ شل ہو گیا۔ سوائے ایک دو انگلی کے اس میں مطلق حرکت نہ رہی تھی۔ نیز اس سال چند بیمار ببرکت آنحضرتؑ شفایاب ہوئے۔ ازانجملہ ملا محمد باقر ولد حکیم محمد شریف نے نقل کیا ہے۔ کہ میرے والد کے پاؤں میں ورم پیدا ہوا۔ کہ بڑھتے بڑھتے بقدر خربوزہ کے ہو گیا۔ کفش اور موزہ تک نہیں پہن سکتے تھے۔ راہ چلنا تو خود ناممکن تھا۔ عرصہ تک اس تکلیف میں مبتلا رہے۔ ایک ایسا ظالم مادہ تھا۔ کہ کاٹنے اور نشگاف دینے میں جان جانے کا خطرہ تھا۔ ان کے دل میں خیال آیا۔ کہ سوائے معجزۂ حضرات ائمۂ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین یہ مرض دفع نہ ہو گا۔ رات کو حضرت امام علی بن موسی الرضاؑ کو خواب میں دیکھا۔ فرمایا۔ اس کا علاج ہم سے متعلق ہے۔ میرے جدّ مظلوم ابوعبداللہ الحسینؑ کی طرف رجوع کرو۔ یہ خواب دیکھ کر والد مرحوم بہت متاثر ہوئے۔ اور ارادہ زیارت عتبات عالیات کا کر کے اسی روز با قدرت سے طرق کی طرف روانہ ہوئے۔ رات کو طرق میں توقف ہوا۔ صبح سویرے خواب سے اٹھے۔ تو اس مادے کا نشان نہ تھا۔ گویا پاؤں میں کبھی کوئی بیماری لاحق ہی نہ ہوئی تھی۔ پھر جب تک زندہ رہے۔ کوئی اثر اس کا معلوم نہ ہوا۔

واقعۂ دیگر مولانا محمد معصوم یزدی نے کہ مشہد مقدس رضوی میں ساکن جملہ صلحائے ومعتمدین سے ہیں بیان کیا۔ کہ مجھ کو تیسرے دن کا لازمی بخار آتا تھا۔ اس سے نہایت تعب و تکلیف میں تھا۔ ہر چند علاج و مداوا کیا۔ ذرا فائدہ نہ ہوا۔ ایک روز اپنے مکان میں سوتا تھا۔ کہ عالم رویا میں دیکھا۔ کہ ایک بزرگ نورانی شکل قدسی شمائل روحانی خصلت مجھے کہتے ہیں۔ کہ فلاں حجرہ میں جو صندوقچہ کے اندر دوا رکھی ہے۔ کیوں اس کو بدن پر نہیں ملتا۔ میں نے کہا۔ کونسا حجرہ۔ فی الحال ایک حجرۂ منقش میری نظر میں جلوہ گر ہوا۔ خواب سے بیدار ہوا۔ تو شدت درد و آزار میں جو کچھ دیکھا تھا بھول گیا۔ حرارت کی کرب و ابتدا سے رو رہا تھا۔ کہ مخدرہ صالحہ میری والدہ ماجدہ اس وقت میرے پاس آئی۔ اور مجھ کو اس حال پُرملال میں دیکھ کر بولیں بیٹا فضل خدا سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ تم نے غبار ضریح مقدس کہ ہر درد کی

دوا ہے کبھی بدن پر ملا ہے۔ میں نے کہا۔ اماں وہ غبار کہاں ہے۔ مجھ کو عنایت کیجیے۔ اس وقت تک کیوں نہیں دیا۔ وہ اُسی وقت اُٹھیں۔ اور حجرہ میں گئیں۔ اور وہاں سے ایک صندوقچہ اُٹھالائیں۔ اُسے کھول کر تھوڑا سا غبار ضریح نکالا۔ میں نے سر و رو و سینہ پر ملا۔ اور لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر میں خواب سے بیدار ہُوا۔ تو پسینہ آیا ہُوا تھا۔ بدن میں خفّت اور سبکی محسوس ہُوئی۔ معلوم ہُوا کہ ببرکت غبار ضریح اقدس مرض بالکل زائل ہوگیا۔ پس اُٹھا۔ اور زیارت روضۂ مقدسہ بجالایا اور خدا کا شکر کیا +

واقعۂ دیگر فضیلت پناہ ممدوح نے نقل کیا۔ اور کہا میرے نزدیک صحیح ثابت ہے کہ ایک شخص فضلا سے اصفہان کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ہم عہد شباب میں اپنے والد ماجد اور تمام گھر کے لوگوں کے ساتھ مشہد امام رضاؑ کی زیارت کو گئے۔ چند روز وہاں ٹھیر کر ارادہ واپسی وطن کا کیا۔ ہمارے ایک کنیز تھی۔ کہ اس کی ایک آنکھ میں داغ پڑگیا تھا۔ جس نے تمام حدقہ کو ڈھانپ لیا۔ اور بینائی زائل ہوگئی۔ وہ اس روا روی میں حاضر درگاہ ہو کر روئی۔ اور گڑگڑا کر اس جناب سے خواستگار رفع آزار ہُوئی۔ پھر سر عتبہ مبارک پر رکھ کر سوگئی۔ اُسی حالت غنودگی میں جمال باکمال آنحضرتؑ کو دیکھا۔ کہ تشریف لاکر انگشت شہادت اس کی آنکھ پر اس طرح رکھی۔ کہ نصف حدقہ پر آئی نصف باقی خالی رہا۔ اتنے میں اس کی بی بی نے آکر آواز دی۔ کہ یہ وقت سونے کا نہیں۔ وداع و رخصت کا موقعہ ہے۔ کنیز خواب سے بیدار ہُوئی۔ تو نصف آنکھ جہاں تک انگشت مبارک پہنچی تھی۔ روشن ہوگئی۔ نصف بدستور بے نور رہی۔ نہایت درجہ متاسف ہوئی۔ بی بی کو بھی بہت ندامت ہُوئی۔ ظاہرا حکمت اس امر غریب میں اظہار کمال قدرت اس جناب کی ہوگی +

واقعۂ دیگر فاضل ممدوح مذکور یعنی مولوی محمد معصوم نے ذکر کیا۔ کہ ایک مرتبہ میری آنکھیں دکھنی تھیں۔ بڑھتے بڑھتے یہ نوبت آئی۔ کہ دکھائی دینا بند ہوگیا۔ بہت

علاج معالجے کئے۔ کچھ نفع نہ ہوا۔ حتّے کہ بصارت سے دست بردار ہوا۔ تو ایک رات خواب میں دیکھا۔ کہ حضرت ابوالحسن علی بن موسی الرضاؑ کی زیارت کو گیا ہوں روضہ میں اس وقت ضریح مبارک نہیں۔ قبر شریف منکشف ہے۔ اور اس پر بہت سی باریک مٹی مثل سرمے کے پڑی ہے۔ مَیں نے چاہا۔ کہ آگے جاکر وہ خاک پاک آنکھوں میں ڈالوں۔ ناگاہ کسی نے پکار کر کہا۔ کہ اے بے ادب تجھے معلوم نہیں کہ درمیان قبر و ضریح مبارک حرم ہے۔ ناچار وہیں بیٹھ گیا۔ اور ایک ہاتھ زمین پر ٹیک کر دُوسرا آگے بڑھایا۔ اور تھوڑی سی تربت شریف لیکر آنکھوں میں ڈالی۔ آنکھیں کُھل گئیں۔ اور مرض مزمن رفع ہوا۔ اب ایک سال کا عرصہ ہوا ہے۔ کہ کوئی شکایت آنکھوں کی بابت مجھ کو نہیں ہوئی۔ والحمدللّٰہ ٭

واقعۂ دیگر حکیم حسنا شربت دار سرکار فیض آثار نے کہ فراش حرم محترم بھی تھا کہا کہ مَیں شب پاسبانی دارالحفاظ میں پڑا سوتا تھا۔ یکایک خواب دیکھا۔ کہ پھاٹک حرم کا خود بخود کُھلا۔ اور حضرت سلطان الجن والانس علی بن موسی الرضاؑ نے برآمد ہو کر مجھ سے فرمایا۔ کہ اُٹھو۔ اور کہو کہ گلدستہ پر مشعل روشن کریں۔ کیونکہ کچھ اعراب بحرین کے رہنے والے آتے تھے۔ اطراف طرق میں راہ بھٹک کر حیران و سرگرداں ہیں۔ برف پڑ رہی ہے۔ ایسا نہ ہو۔ کہ سردی میں ٹھٹھر کر رہ جائیں۔ اور مرزا شاہ تقی ہمارے متولی سے کہو۔ کہ چند مشعل اور کچھ آدمی ساتھ لیکر اس طرف جائے۔ اور انہیں ڈھونڈ کر شہر میں لائے۔ مَیں یہ دیکھ کر اُٹھا۔ اور سر کشیک کو جگا کر یہ خواب اس سے کہا۔ بہت متعجب ہوا۔ بارے اس کو ہمراہ لیکر باہر نکلا۔ دیکھا۔ کہ واقعی برف شدت سے پڑ رہی ہے۔ مشعلدار سرکار کو کہا۔ کہ جلد مشعل روشن کر کے گلدستہ پر لے جائے۔ پھر جناب مرزا شاہ تقی متولی کے مکان پر پہنچے۔ اُس سے مضمون خواب نقل کیا۔ اور مشعلیں روشن کرا کر بسمت طرق روانہ ہوئے۔ قریب پہنچے۔ تو بحرینی قافلہ ملا۔ ان کو ساتھ لا کر متولی سرکار کے گھر میں داخل کیا۔ انہوں نے بیان کیا۔ کہ ہم زیارت کو آتے تھے۔ کہ رات کو برف باری کا طوفان عظیم آیا۔

راستہ بھول گئے۔ ہر چند تفحص کیا۔ راستہ نہ ملا۔ برف سے ہاتھ پاؤں ٹھٹھر گئے
ناچار مرنے کی ٹھان کر ایک جگہ میدان میں سواریوں سے اُتر پڑے۔ اور فرش وغیرہ
جو پارچے ساتھ تھے۔ سروں پر لے لئے۔ برف ہمارے اُوپر پڑ رہی تھی۔ اور ہم
گریہ وزاری میں مشغول تھے۔ ایک مرد صالح و طالب علم ہمارے درمیان تھا۔ اسکو
غنودگی ہوئی۔ تو دیکھا۔ کہ حضرت امام رضا صلوات اللہ علیہ کہتے ہیں۔ کہ ہم نے
گلدستہ پر روشنی کرا دی ہے۔ اُٹھو اور روشنی کی سیدھ باندھ کر چلے آؤ۔ ہمارا
متولی بھی تمکو راستہ میں ملیگا۔ یہ مژدہ سُن کر بسمت روشنی روانہ ہوئے۔ حتے کہ
تمہاری روشنی نظر آئی۔ پھر تم سے ملاقات ہوئی۔

واقعۂ دیگر

میر معین الدین اشرف خادم مرد فاضل صالح نے نقل کیا۔ کہ مَیں ایک
رات دار الحفاظ یا کشیکخانہ میں سوتا تھا۔ خواب میں دیکھا۔ کہ آستانۂ
مقدسہ سے تجدید وضو کے لئے باہر آیا ہوں۔ جونہیں کہ صفۂ میر علی شیر کے برابر
پہنچا۔ دیکھا کہ بہت سے آدمی صحن کے دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ ان کے
آگے آگے ایک بزرگ نیکو شمائل عظیم الشان تھے۔ اور ان کے ساتھ کچھ لوگ
پھاوڑے وغیرہ زمین کھودنے کے آلات ہاتھ میں لئے۔ صحن کے وسط میں
پہنچ کر اس بزرگ نے ایک قبر کی طرف اشارہ کر کے ان لوگوں سے کہا۔ اس کو
کھودو۔ اور اس بدبخت کو یہاں سے نکال دو۔ وہ لوگ اس قبر کو کھودنے لگے۔
مَیں نے ایک سے پوچھا۔ کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ کہا۔ حضرت امیر المومنین علیؑ بن
ابی طالبؑ۔ اس وقت مَیں نے دیکھا۔ کہ حضرت امام رضا علیہ التحیۃ والثناء روضۂ
مبارک سے نکلے۔ اور آنحضرتؑ کی خدمت میں آ کر سلام عرض کیا۔ آپ نے
جواب سلام دیا۔ حضرت ثامن الائمہؑ نے عرض کی۔ یا جدّاہ۔ مَیں چاہتا ہوں۔ کہ اس
شخص کی تقصیرات میری خاطر بخش دی جائیں۔ فرمایا۔ تم کو معلوم نہیں۔ کہ یہ فاسق
فاجر شرابخوار تھا۔ عرض کی بجا ارشاد ہوتا ہے۔ لیکن مرتے وقت وصیّت کی۔ کہ
روضۂ امام رضاؑ کے جوار میں مجھ کو دفن کرنا۔ اس لئے چاہتا ہوں۔ کہ میری وجہ

میں اس کی تقصیرات معاف ہوں - فرمایا - تمکو بخشا - یہ کہکر وہاں سے تشریف لے گئے - راوی کہتا ہے - کہ یہ خواب دیکھ کر میں ترساں ولرزاں خواب سے بیدار ہوا - اور کفش بانوں سے ایک شخص کو جگا کر اپنے ساتھ لے کر اس مقام پر آیا - دیکھا تو واقعی ایک تازہ قبر وہاں بنی اور تھوڑی مٹی اس کے اوپر سے ہٹی ہوئی ہے - اس کفش بان سے پوچھا - تجھے معلوم ہے - کہ یہ کس کی قبر ہے - کہا ہاں فلاں ترک کی ہے - کل ہی اس کو یہاں دفن کیا ہے +

واقعۂ دیگر حاجی محمد علی فراش حرم مبارک نے کہ مرد ثقہ تھا - اور دیگر اشخاص نے اپنے آبا و اجداد سے نقل کیا - کہ جس زمانے میں عبدالمومن خاں ازبک نے مشہد مقدس کو تسخیر کیا - اور خود داخل شہر ہوا - تو کسی شخص نے ایک تفنگ اس پر سر کی - عبدالمومن نے اس پر غضبناک ہو کر قتل عام کا حکم دیا - اس کے آدمی لوگوں کو قتل کرنے لگے - حتےٰ کہ روضۂ مقدسہ کے اندر جا کر بھی خونریزی سے باز نہ آتے تھے - کچھ اشخاص نے ضریح مقدس کو ہاتھوں سے پکڑ لیا - ان کے ہاتھ قلم کئے گئے آخر ارکان و اشراف شہر عبدالمومن کے پاس جا کر داد خواہ ہوئے - اور شہر کی جان بخشی چاہی - اور واسطہ امام عالیمقام کا دیا - اس وقت عبدالمومن نے کہا - اچھا - ایک شیشہ آب یا گلاب سے بھر کر گلدستہ پر لے جائیں - اور وہاں سے زمین میں ڈال دیں - اگر شیشہ سلامت رہا تو جانونگا - کہ تمہارے امام برحق ہیں - قتل عام اٹھا لونگا - پس بموجب اس کے کہنے کے ایک شیشہ پُر از آب اوپر لے گئے اور وہاں سے چھوڑا - لوگ دیکھ رہے تھے - شیشہ اس طرح زمین پر گرا - کہ چیٹ کر پھر اوپر اٹھا - اور پھر گرا - مگر نہ اس کا پانی کھنڈا - نہ شیشہ ٹوٹا - عبدالمومن یہ معجزہ باہرہ دیکھ کر قتل عام سے دست بردار ہوا +

واقعۂ دیگر فضیلت پناہ میر علی نقی نے نقل کیا - کہ ایک مرتبہ میری گردن میں علامت برص نمودار ہوئی - اطبا کو دکھایا - علاج کر رہا تھا - کہ اسی اثنا میں ایک شخص نے باتوں باتوں میں کہا - کہ اگر تو اچھا آدمی ہوتا - تو ہرگز مبروص نہ ہوتا -

اس دلخراش طعنہ سے مجھے بہت صدمہ ہُوا۔ اور یہی سوجھا کہ روضۂ مبارک پر جاکر زیارت کی۔ پھر رونے اور فریاد کرنے لگا۔ کہ یا حضرتؑ لوگ مجھے سیّد کہتے ہیں۔ اگر واقعی سیّد ہُوں۔ تو یہ بلا مجھ سے جلد دفع کیجئے۔ نہیں تو جو مصیبت میرے اُوپر پڑے تھوڑی ہے۔ اس سے زیادہ کا مستحق ہُوں۔ اور بہت نالہ وزاری اور آہ وبیقراری کے بعد گھر پر آیا۔ ایک کتاب وہاں پڑی تھی۔ اُسے کھول کر دیکھتا ہُوں۔ تو ایک نسخہ نظر آیا۔ کہ کسی نے ائمۂ علیہم السلام سے ایک سے مرض برص وبہق کی شکایت کی۔ حضرتؑ نے فرمایا۔ کہ حنا کو نُورہ کے ساتھ ملاکر اس مقام پر ملو۔ یہ دیکھ کر مجھے یقین ہُوا۔ کہ یہ اعجاز امام رضاؑ سے ہے۔ اسی وقت اس کا استعمال کیا۔ دو گھنٹہ کا عرصہ ہُوا تھا۔ کہ وہ مرض بالکل رفع ہوگیا ✦

واقعۂ دیگر ۱۳ سیادت پناہ نجابت دستگاہ میر محمد تقی خادم نے کہ صلحاء سے ہیں۔ نقل کیا۔ کہ ایک نابینا عورت قائن کی رہنے والی تھی۔ وہ ۱۱۲۵ہجری میں اپنے اعزہ واقربا کے ساتھ زیارت شاہ خراسان کے واسطے مشہد آئی۔ اور وہیں رہ گئی۔ چند گز پارچہ کرباس (گاڑہ) اس کے پاس تھا۔ کہ اُسے خرید وفروخت کرتی اسی سے اس کی بسر اوقات ہوتی تھی۔ اتفاقاً ایک دن زنانہ دنوں سے کہ شنبہ وسہ شنبہ ہے۔ یعنی دستور ہے۔ کہ ہر ہفتہ ان دو دنوں کو ظہر کے بعد روضۂ مبارکہ میں عورات کے واسطے زنانہ کردیتے تھے۔ کسی نے اُس کا وہ کرباس چُرا لیا۔ وہ بیچاری روضہ پر آکر لگی استغاثہ وفریاد کرنے۔ کہ یا امامؑ میری معاش کا سرمایہ یہی چند ورعہ گاڑہ تھا۔ اس سے تجارت کرکے اپنا پیٹ پالتی تھی۔ وہی جاتا رہا۔ اب میں کیا کرونگی۔ اس حالت نابینائی میں کیونکر بسر اوقات ہوگی۔ یہ دہلی چھوڑ کر کہیں جا بھی نہیں سکتی۔ للہ میری فکر کیجئے۔ یہ کہکر زمین پر گر پڑی۔ اور لوٹنیاں کھاتی اور روتی جاتی تھی۔ اس وقت ایک آواز ضریح مبارک سے اُسے آئی۔ کہ اُٹھ کھڑی ہو۔ تجھ کو شفا ہوگئی۔ کھڑے ہوکر جو خیال کیا۔ تو دونوں آنکھیں روشن ہوگئی تھیں بہت شکر کیا۔ جن لوگوں نے بحالت نابینائی دیکھا تھا۔ وہ آکر دیکھتے اور

معجزہ کی تصدیق کرتے۔ صاحب وسیلۃ الرضوان لکھتے ہیں۔ کہ ہمارے گھر کے لوگوں نے بھی اس کو دیکھا۔ وہ کہتے تھے۔ کہ آنکھیں ایسی روشن تھیں۔ کہ دیکھنے میں نہیں آئیں۔ دوسرا اعجاز یہ تھا۔ کہ رات دن زن مذکورہ کے نزدیک برابر تھے۔ یعنی رات کو اندھیرے میں بھی ایسا ہی دیکھتی تھی۔ جیسے دن کو روشنی میں بالکل چراغ کی حاجت نہ تھی۔ بہت عرصہ تک اس کے بعد زندہ رہی۔ ہمارے گھر آتی جاتی تھی۔ میرے نزدیک یہ مقدمہ بالکل ثابت ہے +

واقعۂ دیگر نیز سیّد مذکور نے نقل کیا۔ کہ ایک رات کو شبہائے احیا (وہ راتیں جن میں شب بھر جاگتے اور عبادت کرتے رہتے ہیں) سے درگاہ ملائک پناہ میں حاضر تھا۔ کہ یکایک ایک نور ضریح مبارک سے اٹھا۔ اور سقف قبہ تک پہنچ کر تنق بندھ گیا۔ لوگ اس کے دیکھنے کو جمع ہو گئے۔ ضعیف الاعتقاد کہتے تھے۔ کہ چراغوں کی روشنی ہے۔ حتیٰ کہ خدام نے آکر چراغ اٹھا لئے۔ تب جانا۔ کہ چراغوں کا نہیں۔ واقعی نور ہے۔ دیکھتے تھے اور حیران تھے بہت دیر تک یہ کیفیت رہی۔ پھر خود بخود زائل ہو گئی۔ نیز سید مذکور نے بیان کیا۔ کہ اب سے پانچ سال پہلے تین شخص کور و شل نے تین شبانہ روز میں متواتر برکت آنحضرت شفا پائی۔ یہ معجزہ میرے نزدیک قطعی ثابت ہے۔ اور جہاں تک میرا خیال ہے۔ میری یاد میں کوئی دو سو تین سو سے زیادہ نے شل ہونے اور نابینائی کی بیماری سے شفا پائی +

واقعۂ دیگر بروز سہ شنبہ ٦ رجب ۱۳۲۳ھ ہجری کہ یہ رسالہ تحریر ہو رہا تھا اہل باخرز سے ایک نابینا لڑکی نو سالہ اپنے خویش و اقربا کے ساتھ زیارت کو آئی۔ زیارت کرکے دعائے چشم کی۔ آنحضرت ؑ نے اس کو شفا بخشی۔ اور ایک جم غفیر نے کہ بحالت نابینائی اس کو دیکھا تھا۔ اب بینا دیکھ کر معجزہ تسلیم کیا۔ اور ثبوت واقعہ کے بعد نقارہ شادیانہ بجایا گیا۔ اور جیسا کہ معمول ہے۔ سرکار فیض آثار سے اس کو خلعت مرحمت ہوا +

واقعۂ دیگر

ملا درویش علی مداح مشہدی کی ایک دختر نابینا تھی۔ اس کو زیارت امام رضا کے لئے لائے۔ چونکہ روضۂ مبارک اس وقت مردانہ تھا عورات کا وہاں گزر نہ ہو سکتا تھا۔ اس کو جنگلہ فولادی کے پاس جو پس پشت مبارک واقع ہے۔ اور ضریح اقدس وہاں سے دکھائی دیتی تھی۔ لاکر کہا۔ یہیں سے سلام کرلے۔ اور چلی آ۔ روز شنبہ یا سہ شنبہ کو جب کہ زنانہ ہوگا۔ پھر آوینگے۔ اس وقت دعا شفا کرنا۔ لڑکی نے کہا۔ میں تو یہاں سے نہ جاؤنگی۔ حضرتؑ کو منظور ہوگا۔ تو یہیں شفا دینگے۔ پس جنگلے پر ہاتھ مار کر کہا۔ کہ یا حضرت میں یتیم بن ماں باپ کی بچی ہوں۔ یا تو مجھ کو شفا بخشئے۔ نہیں تو موت اس زندگی سے بہتر ہے۔ مجھ میں اب طاقت لوگوں کی جھڑکیاں سُننے کی نہیں رہی۔ اس سے سخت ایذا ہوتی ہے۔ پس رو رو کر دُعا کرتی تھی۔ حتے کہ دُعا اس کی درجۂ قبولیت کو پہنچی۔ یک بیک اپنی جگہ سے اُٹھی۔ اور تمام نے دیکھا۔ کہ اس کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔ اس نے چلا کر کہا۔ کہ حضرتؑ نے مجھے شفا بخشی۔ اور اپنی خالہ سے کہ ہمراہ آئی تھی۔ کہا۔ دیکھو یہ حضرت امام رضا علیہ السلام کھڑے ہیں۔ میں اُن کو دیکھ رہی ہوں۔

واقعۂ دیگر

کہ ۱۱۳۵ھ ہجری میں واقع ہوا یہ ہے۔ کہ ملا علی نقی ساکن مدرسہ صالحیہ نے نقل کیا۔ کہ یہ حقیر دار العلم شیراز سے معہ اپنے اہل و عیال کے بقصد زیارت حضرت غریب الغربا امام رضاؑ روانہ مشہد ہوا۔ اصفہان پہنچا۔ تو وہاں سے محمد جعفر صبّاغ ہمراہ ہوا۔ اس کے عیال بھی ساتھ تھے۔ لہٰذا ہم ایک ہی خیمہ میں ٹھہرے تھے۔ میرے ہمراہیوں نے خبر دی۔ کہ اس کے ساتھ ایک لڑکی نابینا بھی ساتھ ہے۔ جسے بقصد طلب شفا لئے جاتے ہیں۔ مشہد پہنچے تو تین مہینے وہاں قیام ہوا۔ پھر واپسی کا ارادہ کیا۔ بروز وداع دختر مذکور بہت بیقرار تھی۔ نہایت جزع و فزع کرتی اور با نالہ و آہ بینائی چشم کی دُعا مانگتی۔ حتے کہ روتے روتے بیہوش ہوگئی۔ تھوڑی دیر میں ہوش آیا۔ تو آنکھیں روشن ہوگئی

تھیں۔ قندیلہائے حرم کو دیکھ کر کہا۔ اماں یہ کیا چیزیں لٹک رہی ہیں۔ ماں کو معلوم ہوا۔ کہ بیٹی بینا ہوگئی۔ تو شدت سرور سے اس کو غش آگیا۔ اس میں اور عورات جمع ہوگئیں۔ اور تبرک کے لئے لڑکی کے کپڑے پھاڑتی تھیں۔ یہاں تک کہ اس کو اور جوڑا لاکر پہنایا۔ مرزا سلیمان حاکم مشہد کو خبر ہوئی۔ تو اس نے لڑکی کو بلوایا یہاں ایک جماعت زن و مرد نے شہادت دی۔ کہ یہ لڑکی دونوں آنکھوں سے نابینا تھی۔ حکم ہوا۔ کہ نقارہ و شادیانہ بجائیں۔ اور خلعت سرکار رضویہ سے عطا ہوا پس قافلہ روانہ ہوا۔ اصفہان پہنچے۔ تو جعفر صبّاغ کے گھر اُترے۔ اس کے عزیز واقربا آئے۔ اور لڑکی کی نسبت کی درخواست کی۔ سو تومان تک مہر قبول کرتی تھی۔ مگر لڑکی راضی نہ ہوتی تھی۔ ماں باپ نے اصرار کیا۔ تو بولی۔ بیاہ کرنا منظور ہے۔ تو اسی غریب مفلس سے بیاہو جس نے بحالت نابینائی میری خواہش کی تھی۔ اور مَیں راضی ہوئی تھی۔ اب مَیں اس کے ساتھ شادی کرنے پر رضامند ہوں۔ پس ایجاب و قبول ہوکر اس کے ساتھ شادی ہوگئی۔ تمام خرچ والدین دختر نے اپنے پاس سے اُٹھایا۔ شوہر کا ایک پیسہ خرچ نہ ہوا۔ اس معجزے کی خبر شدہ شدہ سرائے سلطانی میں پہنچی۔ وہاں اُس کو بلوا بھیجا۔ بڑے اعزاز و اکرام سے لے گئے۔ اور بیس روز تک حرم سرا میں مہمان رکھا۔ پھر بقدر تین ہزار تومان نقد و جنس دیکر رخصت کیا۔ اس نے وہ سب اپنے شوہر کے حوالے کیا۔ اب وہ مرد تجارت کرتا ہے اور چار پانچ ہزار تومان کا مقدور رکھتا ہے +

واقعۂ دیگر مؤلف رسالہ ہذا وسیلۃ الرضوان شمس الدین محمد رضوی اپنی واردات یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک بار مجھ کو مادہ وجع المفاصل کا پڑا۔ اور اس قدر شدت اس کی ہوئی۔ کہ توانائی حرکت مفقود ہوکر زمین گیر ہوگیا۔ زیادہ عرصہ اس حالت ناگوار کو گزرا۔ تو ایک روز میں نے بعلاقہ پدر و فرزندی مثل خدمتگاران قدیم کے عرض کی۔ اے مولا میرے باوجود حقوق خدمت مجھ کو اتنی مدت ہوگئی۔ کہ پڑا ہوا ہوں۔ حضرت اصلاً میری خبر نہیں لیتے۔ اور نہیں پوچھتے۔ کہ یہ غلام

ہمارا کیوں آستان بوسی کے لئے حاضر نہیں ہوتا۔ اور کس لئے مجھ کو شفا نہیں بخشتے
یہ کہتا اور زار زار روتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہؤا۔ کہ محمد کاظم فراش حرم محترم آیا ہے
اور ایک کوزۂ آب جس کو رات کے وقت پانی سے بھر کر بالائے سر روضۂ مبارک
میں رکھ چھوڑا تھا۔ اب شمع لئے اس کو لیکر آیا ہے۔ وہ پانی اس سے لے کر
میں نے نوشجان کیا۔ پانی کا پینا تھا۔ کہ گویا رُوح بدن میں داخل ہوئی۔ اور رگوں میں
میں سرایت کی۔ مختصر یہ کہ مجھ کو شفا کامل ہوئی +

واقعۂ دیگر

سیادت و نجابت پناہ میر سید محمد موسوی خادم روضۂ رضیہ
رضویہ کہ اکثر اوقات زیارت عتبات عالیات سے مشرف
ہوتے تھے۔ کہتے ہیں۔ کہ میں کاظمین علیہما السّلام میں ایک سید صالح سے ملا۔
اس نے کہا۔ خوشا حال تمہارا کہ خادم درگاہ آسماں پائیگاہ شاہ خراسان ہو۔ میرے
تمام دینی و دنیوی کام آنحضرت کی بدولت درست ہوئے۔ پھر کہتے ہیں۔ کہ
خلاصہ بیان اس سید کا یہ تھا۔ کہ میں بحرین کا رہنے والا ہوں۔ وہاں ایک مدرسہ
میں بزمرہ طلبا مقیم اور حالت میری خرج خورونوش کی طرف سے سقیم تھی۔ ایک
روز مدرسہ سے نکلا۔ تو میری آنکھ ایک حور شمائل آفتاب طلعت دختر پر پڑی جو
اسی وقت پہلوئے مدرسہ کے حمام سے نہا کر نکلی اور زلف شبرنگ اس کے
چہرے پر بکھری تھی۔ دراصل وہ شیخ ناصر لوءلودی کی لڑکی تھی۔ کہ بحرین میں
اس کے برابر کوئی دولتمند نہ تھا۔ رستہ اس کی خاطر بند کر رکھا تھا۔ میں لاعلمی میں
بڑھا چلا گیا۔ تھوڑی دیر تک اس ماہ لقا کو بنگاہ حیرت دیکھا کیا۔ حتے کہ تیر عشق
اس کا سینہ کے پار ہو گیا۔ وہ نظارہ تو ایک چشم زدن میں آنکھوں سے غائب
ہو گیا۔ مگر اس کا اثر میرے دل پر رہا۔ یہاں تک کہ مذاکرۂ علمیہ سب بھول گیا۔
فقط اس کی تصویر آنکھوں کے سامنے رہتی۔ اور آہ وزاری میں بسر کرتا تھا۔
قضارا ایک قافلہ زیارت امام غریباں کے لئے خراسان کو چلا۔ تو میں یہ خیال
کر کے اس مرض جانکاہ کی دوا امام ضامن ثامن کے شربتخانے کے سوا کہیں

نہ ملیگی۔ ان کے ساتھ ہولیا۔ منزل مقصود پہنچے۔ اور دیدۂ ہجران کشیدہ کو زیارت
حرم محترم اس امام انام سے نورانی کیا۔ تو ماہ مبارک رمضان آگیا تھا۔ رات کو
اس سرور کو خواب میں دیکھا۔ فرماتے ہیں۔ کہ اس مہینے میں تو ہمارا مہمان ہے۔
اس کے بعد تجھ کو بحرین کو رخصت کرینگے۔ اور دامن آرزو تیرا گل مقصود سے
بھر دینگے۔ غرہ ماہ مبارک کو ایک شخص ملا۔ اور اس نے باشارہ امام سواری
تین تومان میرے حوالے کئے۔ یعنی خرچ خور و نوش رمضان مل گیا۔ خوشی خوشی بسر
کرتا۔ اور روز و شب عبادت میں مصروف رہتا۔ تا اینکہ روز عید نماز عید پڑھ کر
وداع امام سعید کیا۔ اور روانہ منزل مقصود ہؤا۔ خیابان پائیں کے وسط تک
پہنچا تھا۔ کہ دست راست سے ایک آواز سُنی۔ کہ کوئی میرا نام لے کر پکارتا
ہے۔ اس طرف دیکھا۔ تو ایک شخص نے کہا۔ میں نے اسی وقت مولائے
مومناں سلطان خراسان کو خواب میں دیکھا۔ کہ جو شخص تیرے بیدار ہوتے ہی
تیرے سامنے آئے۔ اپنی سواری کا گھوڑا اور دس تومان اسے دیدو ہم بعوض
اس کے تمہارا فلاں مطالبہ جو وصول ہونے میں نہیں آتا۔ فلاں تاریخ تک وصول
کرادینگے۔ پس حضرت کا ارشاد بالکل درست ہے۔ یہ دونو چیزیں مجھ سے
لو۔ اور مجھ کو ممنون احسان کرو۔ یہ لیکر وہاں سے روانہ ہؤا۔ تو پہلی منزل طرق
میں ایک تاجر سے ملاقات ہوئی۔ جو خطرہ راہ کی وجہ سے مقیم اور پریشان حال
تھا۔ اس نے رات کو خواب میں دیکھا۔ کہ حضرت امام رضاؑ فرماتے ہیں۔ کہ
اگر پانسو تومان کا نفع فلاں سیّد بحرینی کو جو اس شکل و لباس میں تجھے ملیگا دیدو۔
تو ہم بخیریت منزل مقصود تک پہنچا دینگے۔ علاوہ بروز جزا پیش حق سبحانہ تعالے
تیرے شفاعت خواہ ہونگے۔ پس وہ تاجر سیّد کے ہمراہ ہؤا۔ اور دونوں بخیریت
اصفہان پہنچے۔ تاجر نے ایک سو تومان منافع شرعی یا پانچ سو تومان کا اس کے
حوالے کیا۔ جس سے اُس نے سامان عروسی درست کیا۔ اور وارد بحرین ہو کر اسی مدرسہ
میں اُترا۔ جہاں کہ پہلے رہتا تھا۔ دوسرے روز شیخ ناصر لوءلوی مع حشم و خدم مدرسہ

میں آیا۔ اور سید مذکور کے ہاتھ پاؤں چوم کر کہنے لگا۔ کہ کیونکر تیری تعظیم نہ کروں۔ تیری ہی وجہ سے حضرت امام رضاؑ میری شفاعت کے ضامن ہوئے ہیں۔ میں نے شب گزشتہ بلا کسی شک و شبہ کے آنحضرتؐ کو خواب میں دیکھا۔ فرماتے ہیں۔ کہ اگر فردائے قیامت ہماری شفاعت کی خواہش رکھتا ہے۔ تو فلاں مدرسہ کے فلاں حجرے میں ایک بحرینی سید کہ تازہ ہماری زیارت کر کے آیا ہے مقیم ہے اس کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کر دے۔ کیونکہ اس نے ہم سے اس کی خواہش کی پس حسب الامر اس نے اپنی لڑکی مجھ سے بیاہ دی۔ بعد ازاں مجھ کو حکم ہوا۔ کہ نجف اشرف جا کر ایک سال مقیم ہو۔ پھر کربلا کا حکم ملا۔ اب کاظمین آ کر حکم اشرف کا منتظر ہوں۔ دیکھئے کس طرف جانے کا ارشاد ہوتا ہے۔

ہمہ چشمیم تا بروں آئی ہمہ گوشیم تا چہ فرمائی

واقعۂ دیگر سید فاضل و محقق کامل ابوالفتح نصر اللہ بن سید حسین موسوی مدرس کربلائے معلےٰ کتاب روضات الزاہرات میں لکھتے ہیں کہ ہم زیارت امام رضاؑ کے قصد سے عراق سے خراسان کو چلے۔ ایک سوداگر بغداد کا رہنے والا ہمارے ساتھ ہوا۔ مشہد مقدس کے قریب پہنچے۔ تو اس تاجر نے کہا۔ سبحان اللہ میرے مانند امام رضاؑ کی زیارت کو کون آیا ہوگا۔ میرے بارہ تومان اس سفر میں خرچ ہو گئے۔ دروازہ کلاں روضہ منورہ پر پہنچے۔ تو ایک خادم اندر سے نکلا۔ اور سوداگر بغدادی کو اندر جانے سے مانع آیا۔ کہ مجھ کو میرے آقا امام رضاؑ کا حکم ہے۔ کہ بارہ تومان تجھ کو دیدوں۔ اور اندر قدم نہ رکھنے دوں کیونکہ تو بارہ تومان اس راہ میں خرچ کرنے سے پشیمان ہے۔ یہ بارہ تومان لے اور یہاں سے واپس ہو۔ بغدادی نے مال لیا اور واپس چلا گیا۔

واقعۂ دیگر فاضل محقق آقا ابراہیم نائب الصدر نے ایک جماعت ثقات و صلحاء مشہد کی زبانی نقل کیا۔ انہوں نے کہا۔ کہ یہ واقعہ ہمارے نزدیک متواترات سے ہے۔ کہ ایک اندھا آذربائیجان کا رہنے والا چند

رفقا کے ساتھ اپنے وطن سے بقصد زیارت سلطان خراسان علی بن موسیٰ الرضاؑ
روانہ ہؤا۔ منزل مقصود پر پہنچ کر یہ قافلہ شرف اندوز زیارت ہؤا۔ اور پس از انفراغ
عزم مراجعت کیا۔ رفقاء نابینا نے کچھ کاغذ زیارت ناموں کے منقش و مزیّن جن
کے اُوپر صورت روضۂ مبارکہ منقوش تھی۔ بطور تبرک خرید کئے تھے۔ دو تین فرسخ
دُور جا کر قیام ہؤا۔ تو وہ کاغذ نکال کر ایک دُوسرے کو دکھانے اور خوش ہونے
لگے۔ نابینا نے آواز کاغذوں کی سُن کر کہا۔ یہ کیسے کاغذ ہیں۔ انہوں نے براہ
تمسخر و استہزا کہدیا۔ کہ یہ سندیں ہیں براءت از آتش جہنّم کی۔ کہ امام علیہ السلام نے
ہم کو بخشی ہیں۔ اندھے نے کہا۔ تم آنکھوں والوں کو امامؑ نے تو سند عفو گناہان عطا کی۔
اور مجھ ضعیف اندھے کو کہ زیارت کے لئے اتنی دور سے آیا مرحمت نہ فرمائی۔ قسم خدا
کی اب وطن کو نہ جاؤنگا۔ جب تک کہ مجھ کو بھی سند عطا نہ فرمائینگے۔ یہ کہکر وہاں سے
اُلٹے پاؤں پھرا۔ ہرچند رفیقوں نے کہا۔ یہ کاغذات براءت نہیں۔ ہم نے دل لگی
سے تجھے یہ کہدیا تھا۔ مگر اس نے ایک نہ سُنی۔ اور روضۂ منوّرہ ؎

شہ ہر دو کون آں امام انام — علیؑ بن موسےٰ علیہ السلام

پر آکر ضریح مقدس کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ اور فریاد کی۔ اے آقا میرے
میں مرد عاجز ناتواں و نابینا ہُوں۔ اپنے ہم شہری رفیقوں کے ساتھ حضرتؑ کی
زیارت کو آیا تھا۔ آپ نے ان کو تو سند مغفرت گناہان و براءت از آتش جہنم عطا کی۔
اور مجھے محروم رکھا۔ یہ امر حضرتؑ کی بخشش عام و کرم تام سے بہت بعید ہے۔
مجھ کو حضرتؑ کے حق کی قسم ہے۔ کہ ضریح اقدس کو ہاتھ سے نہ چھوڑونگا۔
جب تک کہ مجھ کو بھی براءت عنایت نہ ہوگی۔ ناگاہ ایک کاغذ اس کے ہاتھ پر
پڑا۔ جس پر تین سطروں میں بخط سبز عربی عبارت تحریر تھی۔ جس کا حاصل
یہ تھا۔ کہ فلاں پسر فلاں آتش جہنم سے آزاد ہے۔ ساتھ ہی اس کی دونوں آنکھیں
مثل نرگس تر روشن ہوگئیں۔ پس شاداں و فرحاں وہاں سے لوٹا۔ اور اپنے
رفیقوں سے آکر ملا۔

واقعۂ دیگر۔ معجزہ منظومہ:۔

شنیدم ز ملا تقی و نقی	کہ بود عالم و صالح و متقی
بصافی دلش رشک باغ ارم	بُد از جملہ خادمان حرم
کہ بودم مشرف بصدق و صفا	بطوف حریم علیؑ رضاؑ
شلے دست کوتہ زبخت سعید	بپابوس شاہ خراساں رسید
پدر بردش اندر پس پشت و پشت	باو کرد و گفتش بظاہر درشت
نداری اگر نہ زعلت رہی	دریں باب اے باب نہ دم رہی
چو آں بے نوا ایں نوا را شنید	چو عشاق آہے زدل بر کشید
حسینی صفت دیدہ پُر آب کرد	بصوت مخالف کشید آہ سرد
بگفت اے بزرگ عراق و حجاز	چو من کو بحکم مدعایم بساز
امام زماں مقتدائے زمن	چہ باشد بری رنج و علت زمن
بقانوں چو کرد ایں دعا را تمام	باعجاز آں شہ علیہ السلام
زجا جست وقد و نکرد راست	فتادہ زخاک مذلت نجاست

واقعۂ دیگر قبۂ منورہ کی نور باری ہے۔ بیشتر اوقات اس بقعہ معطر پر بارش نور ہوتی رہی ہے۔ بہت سے ثقہ و سند اشخاص نے یہ کیفیت برای العین مشاہدہ کی ہے۔ چنانچہ ہم بھی پیشتر دو مقام پر اس کا ذکر کر آئے ہیں۔ یہاں جو کچھ فضیلت مآب ملا محمد رضائی مدرس و نائب سر کشیک آستانہ مقدس سے وسیلۃ الرضوان میں نقل کیا ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہیں۔ لکھا ہے۔ کہ محمد خاں افغان کے محاصرے کے زمانے میں میں دروازہ عیدگاہ کی حفاظت پر تعینات تھا۔ ناگاہ دیکھا میں نے کہ بہت سے اشخاص گنبد مطہر امام رضاؑ کی طرف متوجہ ہیں۔ کہ دیکھو کیسا نور اس قبۂ پاک پر برس رہا ہے۔ میں بھی ادھر متوجہ ہوا۔ تو دیکھا کہ فی الحقیقۃ نور کی بارش ہو رہی ہے۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ میں اس کیفیت کے مشاہدے سے مشرف ہوا۔ آگے چل کر مصنف وسیلۃ الرضوان کہتے ہیں۔ کہ میں جس زمانے میں یہ رسالہ

تالیف کر رہا تھا۔ افادت و افاضت پناہ افضل الزہاد و المتعبدین حسب حبیب محمد تقی ولد مرحمت مآب میر معز الدین رضوی کی خدمت میں جاکر التماس کیا۔ کہ اگر آپ نے کوئی معجزہ روضۂ مبارکہ کا خود مشاہدہ کیا ہو۔ تو مجھ کو عنایت فرمائیں۔ تاکہ رسالہ میں درج کروں۔ اور سرکار کو اس کا ثواب پہنچے۔ تو آپ نے یہ مضمون لکھ کر بھیجا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم وہو حسبی بندۂ فدوی تقی رضوی عرض کرتا ہے۔ کہ میں ایک رات کو پائین پائے مبارک سے گزر رہا تھا۔ کہ نظر قبہ مبارکہ پر جا پڑی۔ دیکھا۔ کہ ایک نور اس سے ساطع ہے تھوڑی دیر کھڑا اس کیفیت کو مشاہدہ کرتا رہا۔ وہاں سے چلا۔ جب بھی نور بدستور موجود تھا۔ صاحب تحفہ کہتے ہیں۔ کہ کوئی قبہ مبارکہ کی نور باری میں شبہ نہ کرے میں نے خود دیکھا ہے۔ کہ بعض اوقات قبہ بقعہ نور اور شدت نور ضیا سے رشک کوہ طور بن جاتا ہے۔ پھر یہ اشعار آبدار اس تشبیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

پنجۂ موسےٰ است نمایاں ز دور | نور تجلی است فروزاں ز طور

کوکبۂ سینۂ سینا است ایں | طنطنۂ بیضۂ بیضا است ایں

ایں شجر مرحلۂ ایمن است | نور شجر بیں کہ از ایں روشن است

زیں شجر الحق کہ انا الحق روا است | دعوئے حقیقت ازیں حق بپا است

بعد ازاں اس تشبیہ سے پشیمان ہو کر کہتے ہیں۔ ؎

نے نے ایں تشبیہ شد سہو القلم | نے نے از کلکم خطا رفت ایں رقم

یعنی یہ مشابہت غلطی اور سہو سے دی گئی۔ کیونکہ شجرۂ طور وادی ایمن سے یہی ہوا۔ کہ حضرت موسےٰؑ کو درجۂ نبوت پر پہنچا دیا۔ لیکن نور و ضیاء روضۂ علی بن موسیٰ الرضاؑ نے عالم کو روشن اور روئے زمین کوہ دریا۔ جمادات و نباتات کو نورانی فرمایا۔ یہاں ہر مجنوں مریض۔ کور و شل شفا پاتے ہیں۔ تجلی طور نے ستر اسرائیلیوں کو جلا کر خاک کر دیا۔ خود موسےٰؑ تین روز زمین پر بیہوش پڑے رہے۔ زائران خاص ظاہری اور باطنی آنکھوں سے اس نور کا مشاہدہ کرتے اور آنکھوں کو اس سے پر نور اور قلب کو مسرور فرماتے ہیں ✤

واقعۂ دیگر

علامی فہامی مولانا محمد مومن شیخ الاسلام کا بیان ہے۔ کہ اوائل عمر
میں مجھ کو ایک عارضہ ہوا جس سے آرام وچین بالکل جاتا رہا۔ دونوں
پاؤں میں ورم پیدا ہو کر دن بدن بڑھنے اور پھولنے لگا۔ حتے کہ طبیب اس ارض اقدس
کے اس کے علاج سے عاجز ہو گئے۔ ایک شگاف دینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔
لیکن شگاف خطرہ سے خالی نہ تھا۔ جان جانے کا اندیشہ تھا۔ لہذا صبر پر بنا رکھی۔
اور حکیم مطلق کی طرف سے انتظار فرج کھینچنے لگا۔ حتے کہ تین ساڑھے تین سال اسی
کرب واضطراب میں گزرے۔ کوئی صورت آرام کی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ ایک روز مجھ کو
محافہ میں لٹا کر ضرورتاً حمام میں لے گئے۔ وہاں چند بیدرد جاہل غافل پہلے سے وارد
حمام تھے۔ انہوں نے جو میرا یہ عارضہ عجیب دیکھا۔ لگے چڑانے اور تمسخر واستہزا
کرنے۔ مجھکو یہ دیکھ کر سخت صدمہ ہوا۔ اور رنج والم میرا تازہ ہو گیا۔ اسی حالت
اضطراب میں اپنے آدمیوں سے کہا۔ مجھکو یہاں سے لے چلو۔ اس وقت سوائے
درگاہ ملائک پناہ امام الانس والجن علی بن موسی الرضا ؑ کے کہ چارہ ساز بیچارگاں
اور دوائے درد بیماراں ہے کوئی ملجا و ماوے دکھائی نہ دیا۔ ناچار اس طرف کا رخ
کیا۔ اور روضۂ انور میں پہنچ کر ہائے ہائے کر کے رویا۔ اور بصدائے بلند پکارا۔ کہ
اے مولا میرے اے طبیب دردلا دوا۔ ہر چند یہ کمینہ روسیاہ اس قابل نہیں۔
مگر تم معدن رحمت ورافت ہو۔ میری بیماری کا علاج کرو۔ اور اس درد بے درماں
سے مجھے نجات بخشو۔ فضل وکرم الہی کے بعد میرا تکیہ تمہاری توجہ سامی پر ہے۔
ہر طرف سے لاچار ہوں۔ پس بحالت امیدواری وہاں سے مرخص ہو کر مکان پر آیا۔
رات کو حسب معمول سویا۔ صبح اٹھا۔ تو اس مرض جانکاہ میں گونہ خفت پائی۔ جو ورم
کہ پھول کر مثل مشک کے ہو گیا تھا۔ بقدر ثلث کم ہو گیا۔ اور درد بھی ہلکا ہونے
لگا۔ اگلی رات اس سے کمی ہوئی۔ تیسری رات صبح کو دیکھا۔ تو نشان اس کا باقی نہ
تھا۔ بلکہ اس کے ساتھ اور بعض امراض بھی جاتے رہے۔ شکر خدا بجا لایا۔ اس وقت
سے آج تک بفضل خدا وتوجہ امام دوسرا حضرت علی بن موسی الرضا ؑ سب طرح سے

تندرست و توانا ہوں۔ شکر اللہ ثم شکر اللہ ✦

واقعۂ دیگر حاج الحرمین الشریفین حاجی ذوالفقار مرد ثقہ و معتبر نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ اب سے تیس سال پہلے جس زمانے میں کہ میں مرزا صالح الرضوی ناظر سرکار فیض آثار کی خدمت میں رہتا تھا۔ کاشتکاران طرق سے کہ موقوفات سرکار سے ہے ایک مرد نے مرزا سے ذکر کیا۔ کہ مجھکو حق تعالےٰ نے ایک پسر عنایت کیا تھا۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی ماں مرگئی۔ کوئی ایسا نہ تھا کہ اس کو دودھ دے۔ ہمسایوں کے گھروں میں تلاش کیا۔ کہ کوئی شیر دار عورت اجرت لیکر اس کو دودھ دے۔ مگر کوئی راضی نہ ہوئی۔ ایک دفعہ تمام شب بچہ روتا رہا۔ اور مجھ کو رات بھر آرام نہ لینے دیا۔ کئی مرتبہ چاہا۔ کہ اس کو مار ڈالوں۔ مگر محبت پدری مانع آئی۔ صبح ہوئی۔ تو قلبہ رانی کے لئے جنگل میں گیا۔ اور بچہ کو ساتھ لیتا گیا۔ اس نیت سے کہ کسی کوئیں میں اس کو ڈال دوں اور اس جان کنی سے رہائی پاؤں۔ ایک کوئیں پر لاکر ڈالنا ہی چاہتا تھا۔ کہ میری نظر گنبد مبارک امام رضاؑ پر پڑی۔ ادھر متوجہ ہو کر فریاد کی۔ کہ اے ملجا و ماوائے دردمنداں و فریادرس بیچارگاں اس بچے کے حال زار پر رحم کرو۔ اور مجھ کو اس کے خون ناحق سے بچالو۔ پس بچے کو کوئیں کی مینڈ پر لٹا کر اپنے کام میں مشغول ہوا۔ تھوڑی دیر میں میرے سینے میں خارش پیدا ہوئی۔ دیکھا تو پستان سے شیر جاری ہے۔ لڑکے کے پاس آکر سر پستان اس کے منہ میں دیا۔ وہ چوستا رہا۔ تا اینکہ سیر ہو کر سو گیا۔ پھر جب روتا۔ میں دودھ پلا دیتا۔ اسی طرح اس کی پرورش ہوتی رہی۔ تا اینکہ دودھ چھڑانے کا زمانہ آگیا۔ تو دودھ میرے سینے میں خشک ہو گیا۔ اس مرد نے پستان کھول کر دکھائے۔ تو اس کے سرے مثل پستان عورت بزرگ ہو گئے تھے ✦

واقعہ عجیب و سانحہ غریب شفاء دو بیمار بلکہ چار بار باہم گزشتہ دیدا

آقا نور الدین محمد تاجر نے کہ تاجران معتبر سے نہایت موثق و معتمد علیہ ہے۔ اس معجزہ باہرہ کو بالفاظ رنگین و عبارت نشاط آگین رشتہ بیان میں کھینچا ہے۔ چنانچہ پہلے

وسیلۃ الرضوان میں بعد ازاں تحفۂ رضویہ میں اس کی عبارت سے نقل ہُوا ہے۔ مگر احقر الزمن مظہر حسن عفی عنہ خلاصہ ترجمہ اس کا اپنے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں یُوں ادا کرتا ہے لکھتے ہیں۔ کہ یہ احقر واقل عباد اللہ محمد نورالدین ایک بار ماہ شوال ۱۱۱۲ھ میں بارادہ سفر بحری بندر معمورہ کٹک میں مقیم تھا۔ اور انتظار موسم خوشگوار و ہوائے موافق سفر دریائی کا کھینچ رہا تھا۔ اس وقت مجھ کو ایک مرد اہل گیلان سے کہ ان بلاد کے معتبرین و معتمدین سے شمار ہوتا تھا۔ اور عرب و عجم و ہند و روم کا سفر کر چکا تھا کئی واسطے سے یہ روایت پہنچی۔ کہ اس نے کہا۔ کہ مَیں ایک مرتبہ بحر پر خط ہند کا سفر کر رہا تھا۔ اسی سلسلہ میں ملک بنگالہ میں میرا گزر ہوا۔ وہاں ایک سرائے میں کوئی چھ مہینے تک اقامت گزیں ہو کر داد و ستد میں مشغول تھا۔ قضارا میرے حجرے کے قریب ہی ایک اور سوداگر ٹھیرا ہوا تھا۔ جس کو رات دن آہ و بکا و نالہ و فریاد کے سوا دُوسرا کام نہ تھا۔ ہر وقت و ہر آن رو رو کر جان کھوتا اور دست دُعا بدرگاہ کریم کارساز دراز رکھتا۔ اس کی ہر دم کی گریہ وزاری و آہ بیقراری سے میرا ناک میں دم آگیا۔ کہ رہنا مشکل ہو گیا۔ تب مَیں نے چاہا۔ کہ کسی طرح سبب اس کی اس حالت زبون کا دریافت کروں۔ لاجرم اس کے پاس آمد و رفت کر کے تعارف پیدا کیا۔ پھر کمال دلجوئی و رفق سے اس کا پُرسان حال ہوا۔ کہ اے عزیز آخر تیرے اُوپر ایسی کیا مصیبت پڑی۔ جس سے تو اس قدر پریشان اور گریاں و نالاں ہے۔ کہ بدن پر گوشت کا نشان باقی نہیں رہا۔ فقط ہڈی چمڑا رہ گیا ہے۔ رنگ زرد دل پر درد ہے۔ مجھ سے اپنا حال پوست کندہ بیان کر۔ شاید کچھ مدد کر سکوں۔ تو مقدور بھر دریغ نہ کرونگا۔ بارے بہت اصرار و ابرام کے بعد در خزینہ راز کو باز کیا۔ اور گویا ہُوا۔ کہ مَیں مرد تجارت پیشہ ہُوں۔ دُور دُور کے سفر کر کے تجارت کیا کرتا تھا۔ اب سے بارہ سال پہلے ایک مرتبہ بہت سا مال سوداگری کا لیکر جہاز میں سوار ہُوا۔ اور تاجر بھی اس میں تھے۔ پس جہاز نے حرکت تھی۔ ہَوا موافق تھی۔ جہاز حسب نخواہ جا رہا تھا۔ چنانچہ بیس ۲۰ روز اسی طرح چلا گیا۔ پھر یک بیک طوفان کے آثار نمودار

ہوئے۔ یعنی آب دریا میں طلاطم پیدا ہو کر جہاز کو گرداب بلا میں لے گیا۔ جہاں وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ تمام ہمراہی غریق بحر فنا ہو کر فقط میں ایک ان کے درمیان سے بچا۔ جو ایک تختہ پر موجوں کے تھپڑ کھاتا زندگی سے مایوس اِدھر اُدھر پھرتا پھراتا خدا جانے کہاں کا کہاں جا نکلا۔ اتنے میں دُور سے زمین کی سیاہی نظر آئی۔ تائید ایزدی نے موجوں کا رُخ اس طرف کو پھیر دیا۔ اور دم کے دم میں مجھکو ایک جزیرے کے کنارے جا ڈالا۔ شیر اجل کے منہ سے نجات پائی۔ شکر خدا بجا لایا۔ اور گھاس پات جو کچھ ملا کھایا۔ اور اِدھر اُدھر پھرنے لگا۔ دیکھتا ہُوں تو جزیرہ بہت سرسبز و شاداب ہے۔ اور بالنواع و اقسام کے میووں سے اشجار لدے ہیں۔ غرض ہمہ نعمت موجود ہے۔ مگر ایک آدم زاد کہ مفقود ہے۔ ؎

بہشتے درطرادت شاد و خورّم ہمہ چیزش فراواں غیر آدم

بہت دنوں اکیلا حیران پریشان پڑا پھرتا تھا۔ حیوانوں کی طرح آب و علف کھاتا۔ راتوں کو درندہ جانوروں کے خوف سے درختوں پر چڑھ کر بسیرا لیتا۔ ایک روز ایک درخت کی جڑ میں جہاں بارش کا پانی اکٹھا ہو رہا تھا بیٹھا وضو کر رہا تھا کہ پانی میں ایک عورت کا عکس نظر پڑا۔ اُوپر کو نظر اُٹھاتا ہُوں۔ تو ایک دختر تازہ جوان نہایت حسین ماہ طلعت زہرہ جبیں شاخ درخت پر دکھائی دی صنعت کاملہ الٰہی کا مشاہدہ کرنے اور درود پڑھنے لگا۔ اِس صاحب عفّت وحیا نے جو مجھ کو اپنی طرف نگراں پایا شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ اور سر کے بالوں سے اپنے جسم نازنین کو چھپا لیا۔ اور آہستہ بولی۔ اے جوان خدا اور رسولؐ سے نہیں ڈرتا کہ بیگانہ عورت پر بیباکانہ نظر ڈالتا ہے۔ میں نے اس کلام سے متنبہ ہو کر سر جھکا لیا اور اسے خدائے پاک کی قسم دی۔ کہ صاف بتلا۔ کہ تو آدمی زاد ہے۔ یا از جنس حور و پری۔ کہا میں اولاد آدم سے ہُوں۔ تین سال سے اکیلی اس جزیرہ میں رہتی ہُوں۔ میرا باپ ایران کا رہنے والا سوداگر پیشہ تھا۔ بحری سفر کر رہا تھا کہ باد مخالف سے کشتی ٹوٹ گئی سب غرق ہو گئے۔ مجھ کو امواج دریا نے اس جزیرہ میں پہنچایا۔

اس کا حال دریافت ہؤا۔ تو مَیں نے بھی اپنی سرگزشت اس کے روبرو بیان کی۔ اور
جب معلوم ہؤا۔ کہ ناکتخدا ہے۔ تو بموجب شرع شریف نبوی عقد کی درخواست کی۔
وہ خاموش ہوگئی۔ خاموشی دلیل رضا تھی۔ پس مَیں نے منہ پھیر لیا۔ وہ پری درخت
سے اُتر کر ایک گوشہ میں جا بیٹھی۔ پس بموجب طریقہ حقہ امامیّہ صیغہ نکاح پڑھا۔
اور خوشی خوشی ساتھ رہنے اور لذیذ عیش سے بہرہ ور ہونے لگے تا اینکہ حق تعالےٰ
نے ہماری تنہائی پر رحم فرما کر یہ دو پسر جن کو تم دیکھتے ہو عطا کئے۔ پس بہت آرام
سے بسر ہونے لگی۔ کبھی اس یار دلنواز کی صحبت سے مسرت پاتا۔ کبھی ان دونو
میوۂ دل کو دیکھ کر شادماں ہوتا۔ اور شکر خدا بجالاتا۔ وہ ماہرو بھی بچوں کو دیکھ کر پھولی
نہ سماتی۔ یہاں تک کہ یہ دو نونہال حدیقہ امانی و آمال نشو و نما پا کر ایک آٹھ دوسرا نو سال
کا ہؤا۔ چونکہ ہم سب لباس سے عاری غول بیابان کی طرح ننگ دھڑنگ رہتے تھے
ایک روز اپنے اس یار جانی کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ اثنائے کلام میں میرے
منہ سے نکلا۔ کیا اچھا ہوتا۔ جو کہیں سے کسی قسم کا کچھ پارچہ بہم پہنچتا۔ جس سے اپنا
ستر ڈھک لیتے۔ اور خجالت عریانی سے نجات پاتے۔ لڑکے یہ باتیں سن کر متعجب
ہوئے۔ کہ کیا اس کے سوا کوئی اور وضع و قطع بھی بود و باش کی ہے۔ یا کوئی دوسرا
مکان اس جزیرہ کے علاوہ موجود ہے۔ ان کی ماں نے کہا۔ بیٹا تم کیا جانو۔ حق تعالےٰ
نے بہت سے ملک آباد بنائے ہیں۔ اور بے شمار اثاث اور سامان کھانے پہننے
کے پیدا کئے۔ ہم بھی اس وحشت سرا کے رہنے والے نہیں۔ بعزم سفر کشتی میں
جا رہے تھے۔ ہماری کشتی ٹوٹی۔ اور ایک تختہ کے ذریعہ سے اس جزیرہ میں پہنچے
لڑکوں نے کہا۔ پھر اب اپنے وطن کو کیوں واپس نہیں چلتے۔ کہا۔ بدون محکم و مضبوط
کشتی کے اس دریاء ناپیداکنار کا عبور دشوار ہے۔ انہوں نے کہا۔ اماں ہم کیوں
نہ ایک پائدار کشتی بنا لیں۔ کہ اس میں سوار ہو کر اس دشت بلا و وحشت تنہائی سے
رہائی پائیں۔ ماں نے جب انکو مصر دیکھا۔ تو کہا یہ بڑا درخت جو دریا کنارے گرا پڑا
ہے۔ اگر اس کو درمیان سے خالی کر دیں۔ تو یہی بجائے خود کشتی ہو جائیگا۔ لڑکے

پہاڑ پر چڑھ گئے۔ اور کچھ پتھر کے ٹکڑے جن کے کنارے باریک دھار دار تھے
اُٹھا لائے۔ ان سے شکم درخت کو کھودتے تھے۔ ان کی ماں بھی ازبسکہ برہنگی
کی عار اور تنہائی کے الم سے تنگ آگئی تھی ان کے ساتھ مل کر کام کرتی۔ تا اینکہ
کچھ عرصہ میں اس کے جوف میں اس قدر جگہ خالی کر لی۔ جس میں دس بارہ آدمی بیٹھ
جائیں۔ یہ دیکھ کر میں نے باوجود بے سروسامانی کے دامن ہمت چڑھائے۔ اور
کمر سعی و کوشش کسی۔ جزیرہ میں ایک پہاڑ سر افلاک کشیدہ بلند تھا۔ جس کے دوسری
طرف دامن کوہ میں عنبر کا ذخیرہ جمع تھا۔ وہاں سے عنبر لانا شروع کیا۔ حتے کہ کوئی
سو من (من تبریزی کوئی ڈیڑھ پاؤ انگریزی ہوتا ہے) عنبر اشہب جمع کر لیا۔ پھر کشتی
کی ایک سمت میں اسی موم سے حوض بنایا۔ اور کچھ ظروف اس سے بنا کر ان میں آب
شیریں لاتے رہے۔ تا اینکہ حوض اس سے پُر ہو گیا۔ پھر بہت سی چوب چینی جو ایک
درخت کی جڑ ہے اور اس جنگل میں بکثرت پیدا ہوتی ہے خوراک کے لئے جمع کی
اور درختوں کی چھال سے ایک مضبوط رسی بٹ کر اس کا ایک سرا کشتی میں باندھا۔
دوسرا کنارے کے ایک درخت کی جڑ میں مضبوط کیا۔ اور کشتی کو دریا میں ڈال کر
بادِ موافق کا انتظار کھینچنے لگے۔ جونہیں ہوا موافق شروع ہوئی۔ ہم سب کشتی میں
سوار ہو گئے۔ مگر رسی کھولنا بھول گئے تھے۔ کشتی نے حرکت نہ کی۔ تو خشکی میں
اترنے کی ضرورت ہوئی۔ چونکہ بدقسمتی سر پر سوار تھی۔ بجائے اس کے کہ میں اس
کام کو جاتا۔ یا کوئی لڑکا اُترتا۔ وہ مستمند غمدیدہ الم ہجراں کشیدہ یعنی لڑکوں کی ماں کشتی
سے زمین پر گئی۔ اور رسی کھول کر چاہتی تھی۔ کہ دوبارہ سوار ہو۔ کہ ناگاہ موج دریا
کا طمانچہ کشتی کے لگا۔ اور چشم زدن میں اس کو کنارہ سے اُٹھا کر وسط دریا میں ڈالا۔
اب وہ مہجور درد فرقت سے چور کنارے پر کھڑی دیکھ رہی ہے۔ اور کشتی ہے کہ
لمحہ لمحہ اس سے دور ہوتی جاتی ہے۔ اس وقت جو فریقین کی حالت تھی۔ زبان کو
یارا نہیں کہ شمہ اس کا بیان کر سکے۔ جب تک کشتی دکھائی دیتی رہی۔ ادھر اُدھر
دیوانہ وار دوڑی پھرتی تھی۔ جب آنکھوں سے اوجھل ہونے کو ہوئی۔ تو درخت

پر چڑھ کر بنگاہ حسرت اس طرف دیکھتی اور رو رو کر جان کھوتی تھی پھر اپنے تئیں زمین پر گرا دیا - اور ماہی بے آب کی طرح تڑپتی اور اس شعر کا مضمون ادا کرتی تھی ۔

دوری ز برت سخت بود سوختگاں را
سخت است جدائی بہم آمیختگاں را

ادھر لڑکوں نے جب ماں کو نہ پایا - نالہ و فریاد سے کشتی کو سر پر اٹھا لیا - مجھ سے لپٹے ہوئے آہ و بکا کرتے اور بیحال ہوتے تھے - ایک غم مفارقت دلدار دوسرے انکا اضطراب و اضطرار سخت مخمصہ میں مبتلا تھا - چاہتا تھا - کہ دریا میں گر کر جان دے دوں - بارے اپنے تئیں بمشکل سنبھالا - رفتہ رفتہ کشتی دریاء عمیق میں پہنچکر ڈگمگانے اور چکر کھانے لگی - تو طبیعتیں اس طرف متوجہ ہو گئیں - اور پہلی حالت میں سکون ہوا - پس سات روز تک کشتی چلتی رہی - آٹھویں دن یہ مرکب بے لنگر و بادبان ساحل مراد پر لگا - ننگ برہنگی سے شام تک زمین پر نہ آئے - رات ہوئی - تو وہاں سے نکل کر اور ایک ٹیلے پر چڑھ کر دیکھا - ڈور سے علامت آبادی دکھائی دی چراغ روشن نظر آیا - اس کی طرف روانہ ہوا - تو شہر آباد تھا - ایک عالی شان مکان کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی - صاحب خانہ مرد تاجر یہودی باہر نکلا - تھوڑا سا عنبر اشہب کہ ساتھ لیتا گیا تھا - اسے دیکر تین جوڑے کپڑوں کے ایک کمبل اس سے خرید کیا - پھر کنار دریا واپس آ کر خود لباس پہنا - لڑکوں کو پہنایا - صبح ہوئی - تو شہر میں آ کر یہ حجرہ جس میں تم دیکھتے ہو کرایہ پر لیا - اور کمبل کی بوریاں بنا کر راتوں رات تمام چوب چینی اور عنبر کشتی سے یہاں لے آیا - اور قدرے اس میں سے فروخت کر کے مثل سوداگروں کے ساز و سامان درست کیا - اس وقت سے آج تک کہ ایک سال کا عرصہ گزرا ہے ہمارا رات دن یہی وطیرہ ہے - کہ اس غم و الم میں رویا کرتے ہیں - کوئی صورت اس سے رہائی کی نہیں پاتے -

رسائی ہمامن مظلوماں
یعنی حرم محترم شاہ خراساں

راوی کہتا ہے - کہ سلسلہ کلام یہاں تک پہنچا - تو میں بھی بے اختیار رونے لگا - دیر تک یہی کیفیت رہی - کہ فریقین چوں ابر نوبہار زار و قطار گریاں تھے - آخر میں نے اپنے تئیں ضبط کر کے کہا -

اے عزیز اگر اس افتاد کا چارہ اور اس درد کی دوا ہے۔ تو وہ فخر الاکابر والاعاظم فرزند دلبند امام موسیٰ کاظم علیہ السلام یعنی صاحب عدل و احسان مدفون بارض خراسان شفیع روز جزا بادشاہ اقلیم صبر و رضا امام ثامن ضامن حضرت علی بن موسیٰ الرضا صلوات اللہ علیہ کی درگاہ ملائک پناہ ہے۔ جس طرح ہو سکے۔ اپنے تئیں اس در دولت پر پہونچا۔ اور اپنا مدعا وہاں بیان کر۔ انشاءاللہ آرزوئے دلی پائیگا۔ اور مقصد قلبی برائیگا۔ تحقیق کہ جس حاجتمند نے وہاں عرض حال کیا۔ اس کی مراد برآئی۔ اور جو مظلوم ستمدیدہ وہاں پہنچا۔ اس نے داد پائی۔ وہ یتیموں کے باپ بیووں کے وارث کس بیکسان مایہ مفلسان دادِ دہ مظلوماں ہیں۔ یہ بات اس کے دل پر پتھر کی لکیر کی طرح جاگیر ہوگئی چنانچہ اسی جلسہ سے اٹھ کر سامان سفر کی تیاری میں مشغول ہوا۔ نیاز درگاہ کے لئے ایک قندیل طلائی کئی من طلائے خالص کا تیار کرایا۔ جب سب ساز و سامان درست ہوگیا۔ تو لڑکوں کو ہمراہ لیکر چل نکلا۔ اور بحر و بر کوٹے کرتا اور کوہ و صحرا کو پٹتا رہبری بخت خداداد سے مقام طرق پر کہ ایک فرسخ مشہد مقدس سے اس طرف ہے جا پہونچا۔ رات کو خادم حرم کو بشارت ہوئی۔ کہ ہمارا ایک زائر آتا ہے۔ اس کا استقبال کرو۔ لاجرم صبح متولی اعظم و جملہ ملازمان حرم نے شہر سے باہر نکل کر ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور بکمال عزت و احترام سے شہر میں لائے۔ پس شرائط زیارت بجالایا۔ اور قندیل طلا کو روضۂ مبارکہ پر چڑھایا۔ پھر روئے اخلاص خاک پاک پر رکھ کر رو دیا۔ اور گرد مرقد منور طواف کرنے لگا۔ دن بھر یہی کیفیت رہی۔ رات کو جب خادم دروازہ ہائے حرم بند کرنے لگے۔ تو اس عقیدتمند کو وہیں چھوڑ گئے۔ پس گوشۂ تنہائی میں مصروف دعا و استغاثہ ہوا۔ کہ اے چارہ ساز بیچارگاں و فریادرس مظلوماں اس درگاہ کے سوا میری کوئی امیدگاہ و جائے پناہ نہیں۔ پوری امیدواری کے ساتھ حاضر ہوا ہوں اپنی پیاری زوجہ کو حضرت سے طلب کرتا ہوں۔ مجھ کو عطا فرمادیں۔ اسی حالت کرب و بیقراری میں دو ثلث شب گذر گئی۔ ایک تہائی باقی تھی۔ کہ روتے روتے حالت غنودگی اس پر طاری ہوئی۔ سر سجدہ میں رکھ کر سو گیا۔ اس وقت خواب میں کیا

دیکھتا ہے۔ کہ کوئی پکارتا ہے۔ کہ اُٹھ کھڑا ہو۔ یہ صدائے دلربا سُن کر اُٹھا۔ تو دیکھا کہ تمام عالم نُورانی ہو رہا ہے۔ اور حضرت امام رضاؑ سامنے کھڑے اس سے فرماتے ہیں۔ کہ اس مکان کے عقب میں جا۔ اپنی زوجہ کو وہاں پاویگا۔ ہم اس کو جزیرہ سے لے آئے ہیں۔ عرض کی فدا ہُوں حضرت پر۔ دروازہ ہائے روضۂ منورہ بند ہیں میں باہر نہیں جا سکتا۔ فرمایا۔ جو تیری زوجہ کو اس قدر دور تر فاصلے سے یہاں لے آیا ہے۔ وہ دروازوں کو نہیں کھول سکتا۔ پس جس دروازے پر جاتا۔ باعجاز امام انام دروازہ کھُل جاتا۔ مقام معین پر پہنچا۔ تو دیکھا کہ اس کی زوجہ اسی حالت برہنگی میں جیسے کہ جزیرہ میں چھوڑ آیا تھا حیران کھڑی ہے۔ شوہر کو دیکھتے ہی اس کے دامن سے لپٹ گئی۔ پوچھا یہاں تجھ کو کون لایا۔ کہا۔ کنار دریا کھڑی رو رہی تھی اور آنکھیں میری شدت گریہ سے درد کرنے لگی تھیں۔ کہ اتنے میں ایک جوان سرو قد ماہ خد جس کے نور سے کوہ و صحرا روشن ہو گیا۔ وہاں آیا۔ اور دست مبارک اپنا میری آنکھوں پر پھیرا۔ کہ درد ان کا جاتا رہا۔ پھر فرمایا۔ کہ آنکھیں بند کرلے۔ میں نے آنکھیں بند لیں۔ پھر جو کھولیں۔ تو اپنے تئیں یہاں پایا۔ حیران کھڑی تھی۔ کہ اتنے میں تم کو دیکھا۔ اس کو ساتھ لیکر اپنے مقام قیام پر آیا۔ اور لڑکوں سے بلایا۔ سب نے ایک دُوسرے کو دیکھ کر جان تازہ پائی۔ اور سجدات شکر بدرگاہ خدا ادا کئے۔ اور خوش و خرم ساکن خراسان ہو کر زندگی بسر کرنے لگے۔ حتےٰ کہ داعی اجل کو اجابت کیا +

فصل سوم

ان معجزات کے بیان میں جو ملا نوروز علی البسطامی مؤلف تحفہ رضویہ نے خود مشاہدہ کئے۔ یا ان کے نزدیک مرتبۂ یقین کو پہنچے +

واضح رہے۔ کہ فاضل البسطامی خادم روضۂ رضیۂ رضویہ معتبر علماء فرقۂ حقہ

سے صاحب تصانیف عدیدۂ مفیدہ ہیں۔ از انجملہ یہی تحفہ رضویہ ہے جس کو ۱۲۷۵ھ میں بمقام مشہد تالیف کیا۔ اور جس سے اس کتاب لمعۃ الضیاء میں اس کے بہت سے مقامات کا اقتباس کیا گیا۔ دیگر تحفۃ الحسینیہ فضائل ومعجزات خامس آل عبا حضرت سیدالشہدا کے بیان میں۔ دیگر سرور العارفین ایک لاکھ تیس ہزار بیت کتابت کے احوال مختار میں۔ دیگر وسیلۃ النجاۃ وامواج البکاء۔ دیگر سفینۃ النجاۃ تینوں شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کے بیان میں۔ دیگر ذخیرۃ المعاد شرح دعاہائے ماہ مبارک رمضان میں۔ دیگر سراج المتہجدین آداب وادعیہ ونوافل تہجد وشب زندہ داری میں۔ آپ شاگرد رشید فاضل کامل عالم عامل شمس الدین بن جمال الدین بہبہانی طاب ثراہما۔ مجاور عتبہ عالیہ رضویہ کے ہیں۔ جنہوں نے مشاہیر علماء عراق استاد الکل حضرت آغا باقر بہبہانی ومرحوم بحر العلوم۔ وجناب مرزا مہدی وصاحب ریاض المسائل جیسے اساتذہ کرام کی خدمت میں رہ کر کسب علوم فرمایا تھا۔ بعد کو زہد وتقوے وترک دنیا غالب ہوا۔ تو مشہد مقدس میں آ کر گوشۂ غزلت میں منزوی ہوئے صحن عتیق (قدیم) میں مقابل گنبد مبارک ایک حجرہ میں بیٹھے۔ تصنیف تالیف میں مشغول رہتے۔ ازبسکہ باب آمد وشد خلائق کا اپنے اوپر بند کیا تھا۔ حتٰے کہ منصب شرعی امامت نماز وقضا وافتا ومہر فتوے تک سے سروکار نہ تھا۔ بنابرآں بہت عسرت کے ساتھ بسر اوقات ہوتی۔ اکثر اوقات فاقہ کشی کی نوبت پہنچتی تھی۔ جب کبھی بھوک سے بیتاب ہوتے۔ تو مطالعہ کتاب سے سر اٹھا کر گنبد مبارک کی طرف دیکھتے۔ اور آیہ شریفہ امن یجیب المضطر الخ کو تلاوت فرماتے۔ اور آنکھوں میں آنسو بھر لاتے۔ اسی وقت یا تھوڑی دیر بعد کوئی مرد پیدا ہوتا۔ اور استخارہ کی التماس کر کے پیسہ دو پیسہ اجرت کا پیش کرتا۔ اُس کی روٹی بازار سے خرید کراتے۔ اور نان خشک بلا نان خورش نوشجاں کر کے شکر خدا بجالاتے۔ پھر بدستور مشغول تصنیف وتالیف ہو جاتے صبح سے شام تک سوائے اوقات نماز ان کا یہی شغل تھا۔ آپ کی تصانیف اکثر فقہ یا اصول فقہ میں ہوتی تھیں۔ درس تدریس بہت کم فرماتے تھے۔ زہد وتقوے اس قدر

بڑھا ہوا تھا۔ کہ کل ساز و سامان آپ کا اگر اندازہ کیا جائے۔ تو پانچ درہم سے زیادہ
کا نہ ہوگا۔ بعض اوقات اگر کوئی لذیذ طعام بطور تعارف و ہدیہ کے خدمت میں لاتا۔ تو
اصلاً اس کی طرف میل نہ فرماتے۔ وہ عیال کو عطا ہوتا۔ خود اپنی نان خشک پر قناعت
فرماتے۔ اس وجود مقدس نے ماہ مبارک رمضان ۱۲۴۸ھ میں رحمت خدا کی طرف
انتقال کیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ مرقد منور اسی حجرے کے برآمدے میں ہے۔
جہاں نصف صدی تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ اس حجرے اور جس میں
کہ فاضل جلیل جرنبیل مولانا الشیخ حر عاملی صاحب وسائل طیّب اللہ رمسہ دفن ہیں۔
ایک حجرہ درمیان ہے۔ آپ کی تصانیف سے عمدہ عمدہ کتابیں یادگار ہیں۔
مشہور ان سے شرح معالم الاصول پانچ جلدوں میں قریب ایک لاکھ تیس ہزار
بیت کے اور حاشیہ قوانین دو جلدوں میں۔ اور جواہر الکلام اصول دین میں گوہر
مراد لاہیجی کے طرز پر اور صرف و نحو و معانی بیان میں بھی کتابیں لکھی ہیں۔ پھر فاضل
بسطامی کہتے ہیں۔ کہ مولانا ممدوح الصدر اس کمترین پر کمال لطف فرماتے۔ اور
مجھ کو درس دینے میں دیگر طلبہ سے ممتاز فرماتے۔ حالانکہ اور کسی کو یہ بات حاصل
نہ تھی۔ میں بھی کسی وقت اس جناب کی خدمت سے غافل نہ ہوتا۔ اس سعادت
عظمٰی کے حصول میں ہمہ تن مصروف رہتا۔ حتّٰی کہ فقر و پریشانی لاحق حال بندہ ہوئی
بحدیکہ تحصیل معاش پر قادر نہ رہا۔ تو ناچار ارادہ ترک اقامت مشہد مقدس کا کر کے
چاہا۔ کہ اہل و عیال سمیت دار الخلافہ اصفہان کو چلا جاؤں۔ یہ عزم مصمم ہوا۔ اور دن
روانگی کا مقرر کر لیا۔ تو اس دن کی سحر کو میری والدہ ماجدہ نے جو بحمد اللہ دم تحریر رسالہ
ہذا تک بقید حیات ہیں۔ اور سن شریف ان کا سو سال سے متجاوز ہو چکا ہے۔
خواب میں دیکھا۔ کہ حضرت ضامن غربا امام علیؑ بن موسیٰ الرضاؑ اپنے روضہ
مبارکہ میں تخت نور پر جلوہ فرما ہیں۔ اور پائین تخت سے ایک نہر پُر از آب صاف
جاری ہے۔ یہ کمینہ درگاہ بندہ وار حاضر خدمت ہے۔ اس وقت حضور والدہ
کی طرف مخاطب ہو کر حرف زن ہوئے۔ کہ یہ تمہارا بیٹا ہمارے مشہد کو چھوڑ کر

باہر جانا چاہتا ہے۔ اس کو منع کرو۔ اور کہو۔ کہ معاش کی طرف سے اندیشہ نہ کرے۔ اس کے اخراجات ہمارے ذمہ ہیں۔ یہ کہکر ریال واشرفیوں سے جن کا ڈھیر آگے لگا ہُوا تھا ایک مٹھی اس عاصی کو مرحمت فرمائی۔ کہ اس کو خرچ کر۔ اور کہیں جانیکا خیال دل میں نہ لا۔ مَیں نے وہ مال لیا۔ تو دو ریال یا دو اشرفی ان میں سے دریا میں گر پڑیں۔ حکم ہُوا کہ ان کو نکال لو۔ بنابریں پانی میں اتر کر دونوں عدد نکالے۔ صبح والدہ نے یہ خواب مجھ سے بیان کیا۔ ہم نے ارادہ سفر ترک کر کے بدستور مجاورت روضۂ اقدس اختیار کی۔ تھوڑے عرصہ بعد دور دراز فاصلے سے قافلہ زوّار حاضر درگاہ ہُوا۔ اور ان سے اس قدر نفع مجھکو ہُوا۔ کہ میری عسرت مبدل بفراغت ہو گئی۔ اور خدمت شیخ بزرگوار میں حاضر رہا +

دیگر ابتدا میں جب کہ تحفہ حسینیہ کی تالیف میں مصروف تھا۔ کہ وہی حقیر کی پہلی تالیف ہے۔ اس وقت کتب احادیث اخبار و فضائل و مصائب ائمہ اطہار سے میرے پاس کچھ نہ تھا۔ یعنی باوجود شوق مفرط تالیف کے سامان تالیف مہیا نہ رکھتا تھا۔ لہذا ایک روز بوقت صبح بالائے ممبر مطہر عرض حال بدرگاہ ایزد متعال کیا۔ اور گڑگڑا کر جناب الٰہی میں دُعا مانگی۔ کہ پروردگارا واسطہ اس روضۂ مقدس کا کہ مجھ کو بہت سی کتابیں حدیث۔ فقہ۔ رجال وقصص حکایات وغیرہ کی عنایت فرما تاکہ مَیں یہ نسخہ شریفہ تالیف کر سکوں۔ تیر دعا ببرکت صاحب روضہ ہدف اجابت پر پہنچا۔ یعنی زیادہ عرصہ نہ گزرا۔ کہ کتب مفیدہ کا عمدہ سامان میرے پاس جمع ہو گیا۔ حتے کہ اس وقت تین سے جلد کتاب یا اس سے زیادہ اس ذرہ بیمقدار کے کتب خانہ میں جمع ہیں۔ اور مَیں نے دو جلد تحفہ حسینیہ کے لکھنے کی توفیق پائی۔ بعد ازاں اور کتابیں لکھیں۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ +

ازانجملہ محاصرۂ مشہد مقدس کے زمانے میں کہ ۱۲۶۵ھ میں شروع ہُوا۔ میرے گھر میں اتنی گیہوں نہیں تھی۔ کہ آخر سال تک کفایت کرتے۔ ایک شخص جلد اوّل تحفہ حسینیہ کی مجھ سے لے گیا۔ کہ اس کے عوض سو من گندم دی۔ مَیں اس کے

وعدہ پر مطمئن تھا۔ تا اینکہ ایک روز ضریح مقدس کے آگے کھڑا زیارت پڑھ رہا تھا۔ اس وقت اس شخص کا آدمی آیا۔ اور کتاب واپس دے کر کہا۔ کہ اس نے کہا ہے۔ کہ مجھ سے گیہوں کا انتظام نہ ہو سکا۔ لہذا کتاب واپس بھیجتا ہوں۔ یہ جواب پاکر مجھ پر رقت طاری ہوئی۔ اور میں نے عرض کی۔ اے مولا میرے حضرت کا ذخیرہ گندم فساق فجار تر کمانیہ کھا رہے ہیں۔ اور اس عاصی نے تمہارے جد کے مدائح ومناقب میں یہ کتاب لکھی۔ اور اجرت کتابت وقیمت کاغذ ومصروف جلد اپنے مال سے دیا۔ اس ناہموار زمانے میں کوئی اس کو مجھ سے نہیں لیتا۔ یہ کہکر کتاب کو ضریح کے پاس رکھ دیا۔ اور عرض کی۔ کہ میں اس کے عوض گندم حضور سے لونگا بہت سا گریہ والحاح کر کے روضۂ منور سے باہر آیا۔ اور بلا ارادہ واختیار ایک دوست کے مکان پر گیا۔ اس نے مراسم رسمی کے بعد یہ حالات معلوم کر کے سومن آرد حقیر کو اس وعدہ پر دیا۔ کہ اس کی قیمت رفع محاصرہ کے بعد لے لونگا۔ نیز روضہ عرش درجہ میں ایک روز میرے ایک دوست نے کہا۔ کہ حاجی حسین طہرانی نے وصیت کی ہے۔ کہ اس کی حویلی فروخت ہو۔ تو اس کی قیمت سے دو جلد تحفہ حسینیہ کی خرید کر وقف کروں۔ اور اس کی تولیت بھی تم پر ہے تمہارے پاس اگر کوئی نسخہ موجود ہو۔ تو لے آؤ۔ کیونکہ اب حویلی بکنے والی ہے۔ میں نے دو جلدیں تحفہ کی حاضر کیں۔ انہوں نے اس کی قیمت میں گیہوں دی۔ اس طرح آنحضرت صلوات اللہ علیہ کی التفات سے اس قدر آٹا اور گیہوں میرے پاس ہو گیا۔ کہ محاصرہ کے بعد تک کو کافی ہوا۔ بلکہ بعض مجاورین کو بھی اس میں سے دیا۔

از انجملہ یہ کہ جو معجزہ سابق میں مذکور ہوا۔ کہ ایک شخص کی زوجہ جزیرہ میں رہ گئی تھی۔ اس نے اور اس کے بیٹوں نے مشہد میں آکر التجا کی۔ اور عورت کے طلبگار ہوئے۔ حضرت نے ایک شب میں اس کی زوجہ کو اس کے پاس پہنچا دیا۔ اس معجزے کے لئے میں نے ایک سید روضہ خواں ساکن مشہد سے خواہش کی۔ کہ اس کو نظم کر دے۔ اس نے بموجب میری خواہش کے نظم کیا۔ ایک اور روضہ خواں

درگاہ کی مسجد میں اس کے کچھ اشعار پڑھ رہا تھا۔ اور میں سُنتا تھا کہ ناگاہ اس شقی مخذول العاقبۃ کے جس نے محاصرہ شہر کر رکھا تھا۔ ملازموں میں سے تین نفر فراش نے آکر کہا کہ تمکو بلایا ہے چلو۔ میں نے جانا کہ اس شقی کے ہاتھ سے رہائی ممکن نہیں۔ ناچار روضۂ اقدس سے ملتجی ہُوا۔ اور وہی اشعار پڑھتا ہُوا چلا۔ وہاں پہنچا۔ تو اس بدبخت کے حکم سے قید ہوگیا۔ مکان قید سے گنبد مبارک نظر آتا تھا۔ میں نے اس کی طرف متوجہ ہوکر التماس کی۔ کہ اے فریادرس بیچارگاں امام الانس والجان جس طرح حضرت ؑ نے اس مرد لاچار پر نظر رحمت کی۔ اور اسکی زوجہ کو جزیرہ ہند سے لاکر اس سے ملا دیا۔ مجھ کو بھی اس شقی ازلی کے ہاتھ سے نجات بخشو۔ میرے عیال و اطفال اور ماں باپ میرے واسطے مضطرب الحال و پریشان ہیں۔ یہ دعا میری درجۂ اجابت کو پہونچی۔ اور دو روز بعد اس کی قید سے بدولت ایک شیعہ کے رہا ہُوا۔ حالانکہ کوئی آسیب جانی یا مالی اس حقیر کو نہ پہونچا۔ بلکہ دفتا دمی اس لعین کے تابعین سے قید کی پہلی رات کو اپنے اعمال ناشائستہ سے تائب ہُوئے صیغہ توبہ ان کو اسی احقر نے پڑھایا +

ازانجملہ یہ کہ اسی محاصرے کے دنوں میں جب کہ وہ شریر سونے چاندی کی قندیلوں کو جو مسلمانوں نے سالہا سال میں پیش کش کئے تھے لوٹ رہے تھے۔ ایک رات کو ایک شقی نے کہ شقاوت میں مثل و نظیر نہ رکھتا۔ ارادہ کیا کہ خزانہ روضۂ منورہ کو غارت کرے۔ چونکہ بھاری قفل در خزانہ پر لگا ہُوا تھا۔ جس کا کھلنا اس کی خاص کنجی کے بغیر ناممکن تھا۔ اور جناب آقا سید محمد رضوی خزانہ دار روضۂ اقدس ان اشقیا کے ارادہ سے مطلع ہو کر کہیں پوشیدہ ہو گئے تھے تو اس شقی نے کہا کہ قفل کو توڑ ڈالو۔ کیا بے حرمتی ہوتی ہے۔ اور اس خوف سے کہ کوئی گزند ان کو پہونچے کسی نے اس کی جرأت نہ کی۔ تو اس بدبخت نے اپنی گردن پکڑ کر کہا کہ اس کا وبال میرے اوپر ہے۔ جب اس پر بھی کوئی راضی نہ ہُوا۔ تو خود کلہاڑا لیکر قفل خزانہ توڑ دیا۔ مگر چند ہی روز بعد اسی موقعہ پر جہاں ہاتھ رکھا تھا۔ گردن پر گولی لگی

اس کے صدمہ سے تین روز تک کتے کی طرح فریاد کرتا تھا۔ چوتھے روز واصل جہنم ہوا*

ازانجملہ یہ کہ جیسا کہ علامہ محقق ابن شہر آشوب رہ نے نقل کیا ہے کہ مسترشد عباسی نے اموال روضۂ مبارکہ سید الشہدا خامس آل عبا حضرت امام حسین علیہ السلام کو غارت کیا۔ اور کہا۔ قبر کو ان چیزوں کی ضرورت نہیں۔ اور وہ اموال لے کر اپنے لشکروں میں تقسیم کر دئے۔ جب کربلا سے باہر گیا۔ تو باعجاز آنحضرت روحی لہ الفداء وہ اور اس کا بیٹا دونوں قتل ہو گئے۔ اسی طرح محاصرے ارض اقدس کے زمانے میں جس نے قنادیل طلاء و نقرہ لوٹے۔ اور دروازہ طلائی روضۂ اقدس اور دروازہ مرصع ضریح مقدس کے اکھاڑے۔ اور کہا۔ کہ امام رضا ؑ کو ان چیزوں کی حاجت نہیں۔ اور یہ اشیاء لیکر اپنے ہمراہیوں کو بطریق تنخواہ تقسیم کیں۔ تاکہ اس کی اعانت کریں۔ جب وہ ملعون مشہد مقدس سے باہر گیا۔ تو باعجاز امام علیہ السلام وہ اور اس کا بیٹا اور بھائی تینوں مارے گئے*

ازانجملہ یہ کہ ۱۲۷۸ھ میں جب کہ ہم یہ معجزات لکھ رہے ہیں۔ سید اجل انور جناب شریعت مآب آقا سید عبد الصمد بن آقا سید علی بن سید محسن الحسنی کہ علماء و فضلاء بادکوبہ سے ہیں۔ اس سال زیارت آنحضرت ؑ سے مشرف ہوئے۔ انہوں نے بیان کیا۔ کہ بعد زیارت عتبات عالیات کے جبکہ میں نے اپنے وطن مالوف بادکوبہ کو مراجعت کی۔ تو اشراف شہر سے ایک خاندان میں عقد کیا۔ مگر جب عورت سے خلوت کا وقت آیا۔ تو اصلاً اپنے میں رجولیت نہ پائی۔ اور ذرا خواہش اس کام کی طرف محسوس نہ ہوئی۔ جس قدر اس مرض کا علاج کیا۔ کچھ فائدہ نہ ہوا۔ حتیٰ کہ دس سال تک ہر قسم کی معجونیں کھائیں۔ دواؤں کا استعمال کیا۔ اور اطباء کی مجوزہ تدابیر عمل میں لایا۔ مطلق نفع نہ پایا۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر رُوئے امید بدرگاہ ملائک پناہ امام علی بن موسیٰ الرضا لایا۔ کہ اس درد بے درماں کی دوا سوائے اس دار الشفا

حقیقی کے کہیں نہ ملیگی۔ جب چند ماہ رہتے ہو گئے۔ اور کوئی التفات آنحضرت کی طرف سے ظاہر نہ ہوئی۔ تو بہت پریشان ہُوا۔ گویا کوہ غم والم سر پر ٹوٹ پڑا۔ پس بجمال ضراعت ولجاحت ضریح مقدس کی طرف متوجہ ہُوا۔ اور نہایت عجز و انکسار سے عرض کی۔ اے مولا میرے ع

کس دریں درگہ نیامد۔ باز گردد نا امید

یہ کمینۂ غلامان بڑی امیدواری سے حاضر درگاہ ہُوا تھا۔ اگر مدعا میرا حاصل نہ ہُوا۔ تو کیونکر وطن کو جاؤنگا۔ اور اہل بلاد کو یہ کہ حضور کی عنایات سے میری صحتیابی کے منتظر ہیں کیا منہ دکھاؤنگا۔ مارے شرم وخجالت کے مَیں اب وہاں جانے کے قابل نہیں رہا۔ میری بسر اوقات کا انتظام فرما دیجئے۔ اب مَیں یہیں سکونت اختیار کرونگا۔ ساتویں یا آٹھویں محرم کی تھی۔ کہ مَیں گریۂ بسیار اور الحاح بیشمار کے بعد دعاء عاشورہ پڑھکر مکان پر آیا۔ وہاں جو خیال کرتا ہُوں۔ تو اپنے میں تغیر محسوس کیا۔ غور سے دیکھا۔ تو مَیں وہ نہیں رہا تھا جو پہلے تھا۔ رغبت مفرطاپنی زوجہ کی طرف پیدا ہُوئی۔ اور ببرکت آنحضرتؑ مرض میرا بالکل رفع ہو گیا۔ اب بالکل تندرست ہُوں۔ بلکہ احتمال حمل اپنی زوجہ کی نسبت بیان کیا۔ غرض فائز المرام شاد کام مراجعت فرمائے وطن ہُوئے +

ازانجملہ واقعہ عجیب وسانحہ غریب کہ مرقد منور سے ظاہر ہُوا۔ وہ حکایت ہے۔ جو کتاب عیون الذکاء میں نقل ہُوئی ہے۔ کہ دو برادر تھے۔ ایک طالب العلم دُوسرا حاکم وقت کی نوکری کرتا تھا۔ طالب علم کہ مرد متقی عابد زاہد تھا۔ اس نے زیارت حضرت امام رضا علیہ السلام کے لئے مشہد جانے کا ارادہ کیا۔ اور وداع کے واسطے اپنے بھائی کے گھر جو سرکاری ملازم تھا گیا۔ اتفاق سے اسکا بھائی اس وقت گھر میں نہ تھا۔ اس کے عیال واطفال سے وداع ہو کر واپس آیا۔ اور روانہ منزل مقصود ہُوا۔ تھوڑی دیر میں جب بھائی گھر آیا۔ اور حال معلوم ہُوا۔ تو وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے پیچھے چلا۔ اور اثناء راہ میں اس سے جا کر ملا۔

اور وداع کیا۔ پھر خیال آیا۔ کہ میرا بھائی زیارت کو جاتا ہے۔ مَیں کیوں نہ جاؤں۔ غرض شوق
زیارت میں گھر واپس نہ آیا۔ وہیں سے قافلہ کے ساتھ ہو لیا۔ ازبسکہ وہ سرکاری ملازمت
میں تھا۔ ظلم و زیادتی کا خوگر تشدد کا عادی ہو گیا تھا۔ لہٰذا اہل قافلہ کو اس کے ہاتھ اور زبان سے
ایذا پہونچتی۔ لوگوں نے اس کی شکایت اس کے بھائی شقی سے کی۔ بھائی نے اس کو
سمجھایا۔ اور عذاب آخرت سے ڈرایا۔ مگر کچھ سود مند نہ ہُوا۔ برادر مومن اس کی وجہ سے
ہمیشہ شرمسار رہتا۔ تا اینکہ وہ بیمار ہو گیا۔ اور مشہد سے تھوڑی سی مسافت پر پہونچکر
راہی ملک بقا ہُوا۔ قافلہ والے اس کے مرنے سے خوش ہُوئے۔ برادر مومن نے
اس کی تجہیز و تکفین کی۔ اور اس کی لاش کو اس لئے کہ مشہد پہونچکر دفن کرونگا اسی کے
گھوڑے پر بار کر کے ساتھ لے لیا۔ وہاں پہونچا تو روضۂ اقدس کا طواف کرا کر صحن مطہر
میں دفن کیا۔ رات کو خواب میں دیکھا۔ کہ گویا زیارت آنحضرتؑ سے فارغ ہو کر باہر
جا رہا ہوں۔ ایک باغ دلکش اور پاکیزہ آگے آیا۔ اس میں داخل ہُوا۔ تو دیکھا۔ نہایت
نفیس باغ درخت میوہ دار قرینہ سے لگے نہریں آب صاف کی جاری وسط باغ
میں ایک عمارت عالی۔ اس میں نوکر چاکر سامان امارت سب مہیّا۔ عمارت کے اندر
ایک شخص بکمال جاہ و حشم مسند عزت و اقبال پر بیٹھا نظر آیا۔ حیران تھا۔ کہ الہیٰ یہ باغ
کیسا اور کیا عمارت ہے۔ اور یہ مسند نشیں مرد کون ہوگا۔ اتنے میں وہ مرد اُٹھا۔ اور
آکر اس کے پاؤں میں گر پڑا۔ غور سے دیکھا۔ تو وہی اس کا بھائی تھا۔ جس کو آج دن
کو دفن کیا تھا۔ پوچھا۔ بھائی تم تو حاکم جابر کے نوکر تھے۔ ظلم و تعدی تمہاری طبیعت ثانیہ
ہو گئی تھی۔ اس رتبۂ عالی کو کس طرح پہونچے۔ یہ کیا حالت ہے۔ جو تم میں دیکھتا ہوں۔
اس کا سبب بیان کر۔ اس نے کہا۔ جان برادر یہ سب کچھ تمہاری عنایت سے
ہے۔ مَیں اول سے اپنی داستان تم سے بیان کرتا ہوں۔ جس وقت میری حالت
احتضار تھی۔ تو نہایت کرب و شدت سے جان نکلی۔ تم نے لاش کو تابوت میں رکھ کر
گھوڑے پر باندھا۔ تو گھوڑا اور تابوت سب آگ کے ہو گئے۔ مزید بر آں دو
نفر خشن و شدید حربہائے آتشیں ہاتھوں میں لئے آموجود ہُوئے۔ وہ مجھ کو عذاب

کرتے تھے۔ اور میں ہر چند تم سے اور تمام قافلے والوں سے فریاد کرتا تھا کچھ
فائدہ نہ ہوتا تھا چنانچہ اسی عذاب میں مبتلا تھا۔ کہ ہم سب داخل مشہد مقدس ہوئے۔
اس وقت وہ دو مرد شدید و غلیظ مجھ سے علیحدہ ہوئے۔ اور آتش موقوف ہوکر
تابوت لکڑی کا اور گھوڑا گھوڑا ہوا۔ تم نے تابوت اُتار رکھا۔ اور علیحدہ ہوئے۔
تو وہ دو نفر دور ہوئے۔ میری طرف گھورتے تھے۔ میں ان کی دہشت سے کانپتا
اور تم سے التجا کرتا تھا۔ کہ کسی طرح ان کے ہاتھوں سے مجھے بچاؤ۔ بوقت عصر
جب تم میرا تابوت حرم میں لے گئے۔ تو دیکھا ایک بوڑھا آدمی دروازہ حرم پر کھڑا
ہے۔ اور حضرت امام رضاؑ قریب بضریح مبارک خود تشریف رکھتے ہیں۔ میں نے
سلام کیا۔ تو حضرتؑ نے روئے انور میری طرف سے پھیر لیا۔ اس پیر مرد نے کہا
عرض کر۔ کہ حضرت میرا قصور معاف کریں۔ میں نے عرض کیا۔ مگر جواب نہ پایا۔ پھر
مجھ کو گرد روضۂ مبارک طواف دیا۔ تب بھی بموجب اشارہ پیر مرد نورانی عرض مدعا کیا۔
مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ پھر دُوسری مرتبہ کہا۔ مگر بے فائدہ۔ تیسری بار پیر مرد نے کہا حضرتؑ
کو آپ کے جدّ امجد کا واسطہ دے۔ کہ تیرا گناہ بخشیں۔ نہیں تو یہاں سے نکلتے ہی
انہیں عذابوں میں مبتلا ہو جائیگا۔ تب میں نے بہت عجز سے التماس کی۔ یا
حضرتؑ قسم ہے آپ کو اپنے جدِ امجد رسول اللہؐ کی۔ کہ میری عفو تقصیر کیجئے۔ میں
حضرت کا زوّار ہوں۔ مجھ کو حضرتؑ کا آزاد کردہ بنائیں۔ مجھ میں اس عذاب کی طاقت
نہیں۔ اس پر آپ اس پیر مرد کی طرف متوجہ ہوئے۔ کہ یہ لوگ ہمکو شفاعت خواہ
نہیں ہونے دیتے۔ یہ کہکر درمیان دو انگشت مبارک سے ایک کاغذ مجھ کو
عطا کیا۔ باہر گیا۔ تو خدام حضرتؑ نے پکار کر کہا۔ یہ آزاد کردۂ امام رضاؑ ہے۔ کوئی
اس سے متعرض نہ ہو پس مجھ کو اس باغ میں جہاں کہ تو دیکھتا ہے داخل کیا۔ اس
کے بعد میں نے ان دو شخصوں کی صورت نہیں دیکھی۔ اور ان نعمات میں ہوں۔
اور جانتا ہوں۔ کہ سب کچھ تیری بدولت ہے۔ اگر تو میری لاش کو اس مقدس جگہ
نہ لاتا۔ تو قیامت تک اسی عذاب الیم میں گرفتار رہتا۔ وہ مرد مقدس طالب علم

کہتا ہے۔ کہ میں خواب سے بیدار ہوا۔ تو میرا اعتقاد دربارہ ائمہ طاہرین زیادہ ہوا اور منتہائے فضیلت زیارت آنحضرت سے آگاہ ہوا۔

غریب سید ھا سادہ مگر عقیدہ کا پکا عبد اللہ دہقاں
اور اس کے اُوپر ایک نظر لطف و عنایت از طرف شاہ خراساں

جان ملکم نے اپنے سفرنامے میں بہت سے قصص و حکایات کہ ایران میں زبان زد خاص و عام ہیں لطیف پیرایہ میں نقل کئے ہیں۔ مگر مندرجہ عنوان حکایت انہوں نے اپنے ایک پرانے اور معتبر دوست درویش ظفر نامی ایرانی سے جو شیراز میں متولی اوقاف تھا سُنی ہے۔ جس کو اس نے ایک موزوں نشست سے مناسب مکان میں بیٹھ کر آپ کے روبرو بیان کی۔ تاکہ ثابت ہو جائے۔ کہ ایسے مقدس مقامات میں عقیدتمندانہ خیرات کرنا منتج نتائج عظیم اور موجب دینی و دنیوی کامیابی کا ہے۔ صاحب نے بہت شوق سے اس کو سُنا۔ اور بڑے اہتمام سے درج کتاب کیا۔ ہم بھی تھوڑے سے اختصار کے ساتھ انہی کی عبارت میں اُسے نقل کرتے ہیں۔ وہی ہذا۔ خراسان کے زرخیز صوبہ میں ایک سمت کو ایک گاؤں تھا جہاں ایک کاشتکار عبد اللہ نام رہتا تھا۔ اس نے اپنی برادری میں ایک عورت سے شادی کی تھی۔ جو ہر چند چنداں خوبصورت تو نہ تھی۔ مگر اس کے والدین نے فرط محبت سے اس کا نام زیبا رکھا تھا۔ اس عورت میں اپنے نادان والدین کی بہت سی عادتیں پائی جاتی تھیں۔ جن میں ایک خودنمائی بھی تھی۔ اسی خیال سے اس نے اپنے بیٹے کا نام یوسف اور بیٹی کا فاطمہ رکھا۔ وہ اپنی ہمسائیوں سے کہا کرتی تھی۔ کہ حضرت یعقوب کے بیٹے کا نام مبارک جو آخر کا بادشاہ مصر اور زلیخا کا مطلوب تھا۔ اس کی آئندہ زندگی میں برکت اور ترقی کا باعث ہوگا۔ علےٰ ہذا میری بیٹی فاطمہ نام پانے سے رسول اللہ کی بیٹی کی طرح خوش نصیب ہوگی۔ اور علیؑ جیسے شجاع کی بیوی بنی ہوگی۔ باوجود ان اعلےٰ ناموں کے۔ عبد اللہ کا گھر تمام بستی میں تنگدست اور مفلوک تھا۔ مگر قانع ہونے کی وجہ سے یہ شخص بڑی خوشی سے بسر اوقات

کرتا تھا۔ وہ تندرست اور تنومند تھا۔ اور ایک زمیندار کے یہاں مزدوری کیا کرتا۔ اس کا جھونپڑا بھی اسی کی زمین میں تھا۔ وہ ابتدا سے یہی کام کرتا تھا۔ اور کبھی کہیں باہر جانیکا اتفاق نہ ہوا تھا۔ نہ اس کو شوق ہی تھا۔ اپنی محنت کے معاوضہ میں اس کو اس قدر غلہ اور کپڑا ملتا۔ کہ اس کے اور اس کے بیوی بچوں کے لئے کافی ہو جاتا تھا۔ مگر روپیہ کی شاید اس غریب نے کبھی صورت بھی نہ دیکھی ہو +

ایک روز ایسا اتفاق ہوا۔ کہ عبداللہ کا آقا (زمیندار) اس کی محنت و کوشش سے اس قدر خوش ہوا۔ کہ دس قرش اس کو انعام میں دئے۔ اس غیر مترقبہ دولت کے مل جانے سے قریب تھا۔ کہ اس کو زیادتی خوشی سے غش آ جائے۔ یا شادی مرگ ہو جائے۔ اس نے اپنے آقا کا خاص شکریہ ادا کیا۔ کہ میں تمہارے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ اور روزانہ مشقت سے فارغ ہو کر جوش مسرت میں اپنی بیوی کے پاس پہنچا۔ اور دسوں قرشوں کو اس کے سامنے پھیلا کر رکھ دیا۔ کہ پیاری زیبا میں یہ دولت تمہارے واسطے لایا ہوں۔ زیبا بھی یہ نظارہ دیکھ کر پھولی نہ سمائی۔ اس نے دو بچوں کو اس غیر معمولی خوشی میں شریک ہونے کے لئے بلایا۔ عبداللہ نے بڑے شوق سے زر کی طرف دیکھ کر کہا۔ اب ضروری بات یہ سوچنے کے قابل ہے۔ کہ اس رقم کثیر سے کیا کام کرنا چاہئے۔ کہ رئیس نے مجھے کل کی تعطیل عطا کی ہے۔ میرا خیال یہ ہے۔ کہ میں کل مشہد ہو آؤں۔ جس کو میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ گو وہ چھ سات فرسخ سے زیادہ دور نہیں۔ میں مقدس امام مہدی (امام رضا کو کوئی امام مہدی سے تعبیر نہیں کرتا۔ ملکم صاحب نے یہاں اور چند اور مقامات پر یہی لکھا ہے۔ غالباً آپ کو وہ لفظ جو درویش ظفر نے کہا بھول گیا۔ اور سہاکریس اپنی طرف سے امام مہدی کہتے چلے گئے۔ ایسی اغلاط یورپین حضرات سے تحت عامۃ الوقوع ہوا کرتے ہیں) کے مقدس مزار پر دعا مانگونگا۔ اور نیک مسلمانوں کی طرح دو قرش اپنی دولت کا پانچواں حصہ نذر کرونگا۔ باقی ماندہ رقم سے عمدہ اشیاء اپنی پیاری بیوی اور عزیز بچوں کے لئے مشہد کے مشہور اور عظیم الشان بازار سے خریدونگا۔

اب تم یہ بتلاؤ۔ کہ تمکو کیا کیا چیزیں پسند ہیں۔ زیبا بولی۔ مجھ کو اعتدال پسند ہے۔ مَیں سوائے ایک بیش قیمت ریشمی تھان کے اور کچھ نہیں چاہتی۔ نوعمر یوسف نے کہا میرے لئے ایک عمدہ تلوار اور چالاک گھوڑا خرید کر لانا۔ پھر اس کی بہن فاطمہ نے ملائم لہجہ میں کہا۔ مَیں ہندوستانی رُومال اور سُنہری کام کی جُوتیاں منگاتی ہُوں۔ عبداللہ کہنے لگا۔ کل شام تک یہ سب چیزیں تمہارے پاس آ جائینگی۔ اطمینان رکھو۔

اگلے روز علے الصّباح اپنے بچّوں کا منہ چُوم کر وہ روانہ مشہد ہُوا۔ وہ بھاتیوں کی طرح ایک موٹا لٹھ کندھے پر رکھے ہُوئے تھا۔ جب عبداللہ اس مقدس شہر میں پہنچا۔ تو وہ شاندار سنہری گنبد اور میناروں کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا۔ اور چونکہ اس نے سنا تھا۔ کہ بہشتیوں کے مکان بڑے تکلّف سے باغات میں بنے ہوئے۔ تو یہاں بعینہ وہی کیفیت دیکھ کر سمجھا۔ کہ روئے زمین پر بہشت بنی ہے جُوں جُوں آگے بڑھتا تھا۔ اس کے حواس خمسہ مختل ہوتے۔ حتے کہ جس وقت مزار مقدس کے دروازہ کلاں پر پہنچا۔ تو ہیبت زدہ سا کھڑا ہو گیا۔ اور ایک مولوی سے جو قرآن پڑھ رہا تھا۔ پوچھا۔ کیا مجھکو نذر چڑھانے کے لئے اندر جانے کی اجازت ہے۔ اس ضعیف العمر نے جواب دیا۔ میرے بھائی شوق سے اندر جاؤ۔ اور نذر چڑھاؤ۔ خدا تمکو جزائے خیر دیگا۔ یہ کہکر فضیلت خیرات میں ایک حدیث بیان کی۔ کہ نماز بہشت کے آدھے راہ پر پہنچاتی ہے۔ روزے اس کے دروازوں تک لیجاتے ہیں۔ خیرات دروازوں کے اندر داخل کرتی ہے +

جب اس نے نیک اور خدا ترس مسلمانوں کے طریقہ پر اپنے خزانہ کا پانچواں حصہ امام کے مقدس مزار پر چڑھا دیا۔ تو وہاں سے بازار کو روانہ ہُوا۔ بازار کو دیکھ کر تو اس کے رہے سہے ہوش بھی غائب ہو گئے۔ اس نے ہزارہا آدمیوں کو اس کنارے سے اس کنارے تک آتے جاتے دیکھا۔ کسی جگہ گھوڑوں پر ایرانہ غاشئے پڑے ہُوئے تھے۔ کہیں رئیس زادوں کی جماعت ہنستی ہُوئی جا رہی تھی۔ کسی مقام پر اونٹ۔ خچر۔ مال تجارت سے لدے ہُوئے اس کثرت

سے آ گئے۔ کہ وہاں سے نکلنا دشوار ہو گیا۔ مختلف دوکانوں پر ہندوستان، چین، تاتار، ایران و فرنگ کا مال بکثرت رکھا ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر ہر ایک چیز کو دیکھا۔ اور آج تمام عمر میں اس کو یہ خیال آیا۔ کہ مجھ سا بیوقعت اور جاہل دنیا میں کوئی نہ ہوگا۔ جو آج تک ان نظاروں سے محروم تھا۔ رفتہ رفتہ وہ ایک دکان پر پہنچا۔ جہاں بیشمار ریشمی تھان امیر عورتوں کے پہننے کے قابل رکھے ہوئے تھے۔ اس نے سب سے بڑھیا نمونہ طلب کیا۔ دوکاندار اس کی صورت غور سے دیکھ کر سمجھا۔ کہ یہ ان کاشتکاروں میں سے ہے۔ جو باوجود دولتمندی کے اپنی اور بھائیوں کی طرح سادہ لباس پہنتے ہیں۔ لہٰذا وہ سمجھا۔ کہ یہ اچھا خریدار ہاتھ آیا۔ اس لئے کہ وہ تھان کی لطافت اور نفاست کو کیا سمجھ سکتا ہے۔ باوجود اس کے منہ مانگے دام دیگا۔ اسی خیال میں اس نے اپنی دکان کا ایک ایک ریزہ اُلٹ پلٹ کر دکھایا۔ عبداللہ نے اُنکی رنگت اور آب و تاب سے ایسا حیران ہوا۔ کہ وہ بہت دیر تک انتخاب نہ کر سکا۔ آخر کار اس نے ایک ارغوانی رنگ کے تھان کے خریدنے کا ارادہ کیا۔ جس کا کنارہ بافتہ کا تھا۔ اس کو تہ کر کے بغل میں دبایا۔ اور کہا۔ اس کی قیمت بتلاؤ۔ بزاز نے کہا۔ چونکہ تم نئے خریدار ہو۔ اس لئے تم سے رعایت کے ساتھ صرف دو سو قرش لے لونگا۔ ورنہ کسی اور سے اس نفیس ریزہ کے تین سے کم نہ لیتا۔ لیکن تم کو اس لئے اس قیمت کو دیتا ہوں۔ تاکہ تم پھر میری دوکان پر آؤ۔ عبداللہ اس کی صورت دیکھنے لگا۔ اور تھان اس کی دوکان پر رکھ کر کہنے لگا۔ ہیں۔ دو سو قرش۔ تم بھول گئے ہو اور آٹھ قرش باقی اپنی جیب سے نکال کر کہا۔ کہ کیا ایسے قرش۔ دوکاندار نے جھنجھلا کر کہا۔ ہاں ایسے قرش۔ یہ سُن کر عبداللہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ بیچاری زیبا۔ افسوس۔ پارچہ فروش نے دریافت کیا۔ کہ زیبا کون۔ عبداللہ نے کہا۔ ذرا میرا حال سنو۔ میں اپنے گاؤں کے رئیس کے یہاں بچپن سے نوکر ہوں۔ میں نے کل صبح تک قرش کی صورت نہیں دیکھی تھی۔ جب اس نے مجھ کو یہ دس قرش انعام دئے۔ تو میں بڑی خوشی سے مشہد آیا۔ اس شہر کی صورت بھی میں نے آج ہی دیکھی ہے۔

میں نے نیک مسلمانوں کی طرح پانچواں حصّہ اپنی دولت کا برگزیدہ امام مہدی کے مزار
پر چڑھایا - جو ہمارے پیغمبر صاحب کی مقبول اولاد سے ہیں - اور باقیماندہ آٹھ قرش
سے میں اپنی دلارام بیوی زیبا کے لئے ریشم یا بافتہ کا تھان اپنے بیٹے کے لئے
ایک بیش قیمت تلوار اور چالاک گھوڑا اور اپنی بیٹی کے لئے ایک ہندوستانی رومال
اور طلائی جوتیاں خریدنا چاہتا ہوں - اور تم فقط ایک تھان کے مجھ سے دو سو قرش
طلب کرتے ہو - تم کو اس قدر رقم کثیر کہاں سے دوں - اور پھر کون سی بقایا سے
اور چیزیں خریدونگا - پارچہ فروش نے غصہ میں آکر کہا - بیوقوف - اُلّو - گنوار جا میری دکان
سے دور ہو - مَیں نے تیری خاطر فضول اپنا وقت ضائع کیا - اور ناحق اپنا قیمتی کپڑا
الٹ پلٹ ڈالا - تو اپنی دلفریب زیبا اور بچوں کے لئے باسی روٹی اور سالا گڑ لیتا جا
لیکن اس نے اس نئے اور عجیب خریدار کو دکان کے دروازہ سے دھکّے دے کر
نکال دیا - عبداللہ اپنے دل میں کہتا چلا - کہ بے شک یہ بزاز حرامزادہ ہے -
لیکن مشہد میں آخر ایماندار آدمی بھی تو رہتے ہوں گے - اب گھوڑے بیچنے والوں کو
چل کر آزمانا چاہیئے - پس اُس نے دریافت کیا - کہ اسپ فروش کہاں ہیں - اب وہ
یوسف کے لئے ایک خوبصورت یابو خریدنے چلا - جس وقت گھوڑوں کے نخاس
میں پہونچ کر اس نے اپنی خواہش ظاہر کی - فی الفور اس کو بیس پچیس گھوڑے دکھائے
گئے - وہ ایک گھوڑے کو جو خوب اُچھلتا کودتا تھا - خریدنے ہی کو تھا - کہ ایک
اجنبی شخص نے اس کے کان میں کہا - کہ ہوشیار ہو کر خریدنا - یہ جانور گرم ہو کر دوڑتا ہے
ٹھنڈا ہونے میں اس کی لنگ ظاہر ہوتی ہے - یہ سن کر اس نے دوسرے گھوڑے کے
خریدنے کا ارادہ کیا - تو اسی مرد نے اشارہ سے کہا - کہ یہ منہ زور جانور ہے - تمہارے
لڑکے کو اس پر سوار ہونے میں خطرہ ہے - اس کو مت خریدو - یہ سُن کر عبداللہ نے
اپنے مہربان دوست سے کہا - تم مجھ کو کوئی اچھا جانور دکھلا سکتے ہو - اس نے کہا -
میرے بھائی کے پاس ایک اچھا جانور ہے - وہ اگر اس کے فروخت کرنے پر راضی
ہو جائے - تو تمہارا کام بن جائیگا - مگر دیکھئے - وہ فروخت بھی کرتا ہے - تاہم او دیکھیں

اگر اس کالڑہ کا مدرسہ گیا ہوگا۔ تو میں اُس کو راضی کرلونگا۔ عبداللہ نے کہا۔ میں بڑا شکرگزار
ہونگا۔ ضرور کوشش کیجئے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اور اس کا بھائی راضی ہوگیا۔
اور وہ ایک چھوٹا سا سبزہ رنگ کا گھوڑا جو سر اور دُم کو اُوپر اُٹھائے تھا کُودتا ہوا لے
آیا۔ سادہ لوح کاشتکار اپنے خیال میں سمجھا۔ کہ یوسف اس کے اُوپر سوار ہے۔
اور اپنا خیال ظاہری صورت میں لانے کے لئے جلد قیمت دریافت کی۔ مالک
بولا۔ اگر کوئی دُوسرا خریدار ہوتا۔ تو میں دو سو قرش سے ایک حبّہ کم نہ لیتا۔ مگر تم سے
دوستی اور معاملہ دونو باتیں کرنا چاہتا ہُوں۔ میں نے اپنے بھائی کو سمجھا بُجھا کر
ڈیڑھ سو قرش قیمت ٹھیرائی ہے۔ عبداللہ حیران ہوکر پیچھے ہٹ گیا۔ اور کہنے
لگا۔ کہ میں گھوڑے کے سوداگروں کو ایماندار جانتا تھا۔ مگر یہ پارچہ فروشوں سے
دغابازی میں کسی طرح کم نہیں۔ پھر اس نے اپنے دوست سے اپنے دولتمند
ہونے کا ذکر شروع کیا۔ اور تمام واقعات جو پارچہ فروش کی دکان تک گزرے
تھے بیان کئے۔ اس شخص کو اتنا تحمل نہ ہُوا۔ کہ اس کی داستان خاتمہ تک سُنتا۔
اس نے خفا ہوکر کہا۔ کہ مجھ سے سخت حماقت ہُوئی۔ کہ میں نے تجھ جیسے احمق
کندہ ناتراش کے لئے اپنا عزیز وقت ضائع کیا۔ اور چیں بہ جبیں ہوکر کہا۔ میرے
پاس سے دور ہو۔ اور اپنی محبوبہ زیبا اور پیارے یوسف اور فاطمہ کے لئے گدھے
کی ران کا سولھواں حصّہ خریدے۔ کہ وہ تمہاری حالت اور حیثیت کے لئے کافی
ہوگا۔ اس گھوڑے کی تو دم کا ایک بال بھی اس قیمت میں نہیں مل سکتا۔ یہ کہکر
وہ غصّے کے جوش میں تنتناتا ہُوا چلا گیا۔ اور عبداللہ قطعی ناامیدی کی حالت میں
رہ گیا۔ اب اس کو یہ خیال گزرا۔ کہ ریشمی تھان اور گھوڑے کی خریداری ملتوی کردوں
اور کم قیمت اشیاء جلدی سے خرید کر گھر کو جاؤں۔ مگر اس کو وہاں بھی مایوسی کا
منہ دیکھنا پڑا۔ سب سے کم قیمت تلوار تین قرش میں۔ اور سنہری جوتیاں تین
قرش میں۔ اور دستی رُومال بارہ قرش میں آتا تھا۔ اور اس کے پاس کل جمع میں آٹھ
قرش تھے۔ تمام خریداری سے دل برداشتہ ہوکر نیک مرد نے گھر کی طرف قدم

اُٹھائے۔ جب وہ شہر کی سرحد پر پہنچا۔ تو اس کو سائل فقیر ملا۔ جس کی صدا تھی۔ خیرات کرو خیرات کرو۔ جو غربا کو دیتا ہے۔ وہ خدا کو اُدھار دیتا ہے۔ اور جو خدا کو دیتا ہے وہ سوگنا اجر پاتا ہے۔ عبداللہ نے دریافت کیا۔ تم کیا صدا کہہ رہے ہو۔ درویش نے وہی صدا اس کو پھر سُنا دی۔ نیک اور ایماندار کاشتکار نے کہا۔ مجھ کو تیرا معاملہ سب سے زیادہ پسند آیا۔ اس سے بہتر اور کونسا معاملہ ہوگا۔ دیکھو۔ میرے پاس آٹھ قرش ہیں۔ ان کو تم لے لو۔ اور خدا تعالےٰ کے نام پر صرف کرو۔ لیکن یہ شرط ہے کہ مجھ کو اس کے عوض سوگنا ملے۔ کیونکہ بغیر اس معاوضہ کے میں اپنی محبوبہ زیبا اور اپنے جگر گوشۂ یوسف اور فاطمہ کی خواہشوں کو پُورا نہ کر سکونگا۔ اور اپنی سادہ دلی سے اس نے فقیر کو اپنا تمام حال سُنا دیا۔ تاکہ وہ اس کی نازک حالت سے بخوبی واقف ہو جائے۔ وہ فقیر عبداللہ کی راسخ الاعتقادی پر اپنے دل میں بہت ہنسا۔ اور آٹھوں قرش اس سے لیکر اپنے پلّے میں باندھ لئے۔ اور عبداللہ سے کہا۔ چلا جا۔ اور خدا کی درگاہ سے اس معاوضہ کا پختہ یقین رکھ۔ وہ فقیر اپنی صدا کہتا ہُوا چلدیا۔ خیرات کرو۔ خیرات کرو۔ جو غریبوں کو دیتا ہے۔ خدا کو دیتا ہے۔ اور جو خدا کو دیتا ہے۔ سوگنا عوض حاصل کرتا ہے۔ جب عبداللہ گھر کے قریب پہنچا۔ تو دونوں بچے دُور سے دیکھ کر اس کے پاس دوڑے چلے آئے۔ یوسف کا بھاگتے بھاگتے دم پھُول گیا۔ اور وہ فاطمہ سے پہلے آکر عبداللہ کو لپٹ گیا۔ اور کہنے لگا۔ میرا گھوڑا اور میری تلوار لاؤ۔ اور چھوٹی فاطمہ نے پیچھے آکر کہا۔ میرا ہندوستانی رُومال اور سنہری جوتیاں کہاں ہیں۔ فاطمہ کے بعد زیبا بھی آکر تقاضا کرنے لگی۔ میرا ریشمی تھان مجھ کو حوالے کرو۔ پھر نیک عورت کہنے لگی۔ میرے پیارے عبداللہ دولت حاصل ہونے سے تمہارا مزاج بھی بدل گیا۔ تم اب متین اور مستقل مزاج ہو گئے ہو۔ اپنا بوجھ خود نہ لا سکے۔ بلکہ مزدور کر لیا۔ جو تلوار۔ تھان۔ رُومال۔ جوتیاں وغیرہ گھوڑے پر لاد کر پیچھے سے لا رہا ہے۔ وہ دونوں بچوں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی۔ میرے پیارو۔ تھوڑی دیر صبر کرو۔ تمہاری چیزیں ابھی تمکو

ملی جاتی ہیں۔ عبد اللہ نے فقط سر ہلا دیا۔ لیکن دروازے میں داخل ہونے تک کوئی بات نہ کی۔ پھر وہ ایک ذلیل چٹائی پر بیٹھ کر اپنی ساری سرگزشت سنانے لگا جس کا ہر ایک لفظ صبر و تحمل سے سنا گیا۔ لیکن جب اس نے کہا۔ کہ میں نے آٹھوں قرش ایک فقیر کو دیدئے۔ تو اُن کے غصہ کی کچھ انتہا نہ رہی۔ زیبا کو اپنے شوہر کی نسبت دنیا کا تجربہ زیادہ تھا۔ اس لئے اس کا مزاج اس وقت کی مایوسی سے بہت زیادہ برہم ہو۔ وہ اپنے خاوند کو اس کی بیوقوفی پر بلند لہجہ سے بُرا بھلا کہنے لگی۔ کہ جو کثیر رقم تو نے اس قدر عرصہ میں اپنے رئیس کی سخاوت سے حاصل کی تھی۔ اس کو ایسی بے پروائی سے ضائع کر دیا۔ اسی رنج میں وہ مضطرب ہو کر رئیس کے پاس چلی گئی۔ اور تمام واقعہ اس کے گوش گزار کیا۔ اس کا مزاج یہ سُنتے ہی برہم ہو گیا۔ اور اس نے فوراً عبد اللہ کو بُلا بھیجا اور کہنے لگا۔ اے کندہ ناتراش یہ تو نے کیا کیا۔ میں اتنا بڑا رئیس اور زمیندار ہو کر ایسے آوارہ گرد حرامخوروں کو ایک پول سیاہ سے زیادہ نہیں دیتا۔ تو نے ایک مکار کو اتنی بڑی رقم حوالے کر دی۔ اور چونکہ اس نے تمہارے لئے سو گونے عوض کا وعدہ کیا ہے۔ اس لئے میں تمہارے لئے وہ فکر کرتا ہوں۔ کہ تم آئندہ ایسی حماقت نہ کرنے پاؤ۔ پس اس نے دو ملازموں کو بُلا کر کہا۔ کہ ایک شخص اس کے ہاتھ پکڑے دوسرا اس کی برہنہ کمر پر سو دُرّے لگائے۔ اس تعزیری حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ اور عبد اللہ بالکل مجروح ہو کر شام کے وقت گرتا پڑتا بمشکل تمام اپنے گھر پہنچا۔ اس کی جیب میں ایک پیسہ نہ تھا۔ اور وہ پارچہ فروش اسپ فروش اسلحہ و پاپوش فروش و فقیر و رئیس جورو بلکہ تمام دُنیا کی بدسلوکی سے نالاں تھا۔ لیکن اس مصیبت کی رات کے گزرنے کے بعد اس کے اقبال کا زمانہ آنے والا تھا۔

عبد اللہ کی نکبت و افلاس دور ہوتی ہیں

اگلے روز علی الصباح رئیس نے اس کو بُلا بھیجا۔ اپنی روانگی سے پہلے اس نے اپنی بیوی کا قصور معاف کر دیا۔ جو اپنی ناعاقبت اندیشی پر بڑی نادم تھی۔ کہ میرے خاوند کو میری وجہ سے یہ اذیت پہنچی۔ اس نے اپنے دونوں بچوں کو پیار کر کے کہا۔ خوش رہو۔ کیونکہ خدا کی بندہ نوازی سے امید قوی ہے۔ کہ اس مایوسی

کی تلافی ہوجائے۔ جو تمکو میری وجہ سے اُٹھانی پڑی۔ جب وہ رئیس کے سامنے پہنچا۔ تو کہنے لگا۔ عبداللہ مَیں نے تمہارے واسطے ایک کام تجویز کیا ہے۔ جس سے تمہارے ہوش بخوبی درست ہوجائینگے۔ اس خشک زمین میں مجھ کو کنواں کھدوانا منظور ہے۔ تم کو ہر روز محنت کرنی چاہئے۔ جب تک کہ پانی نکل آئے۔ وہ یہ کہکر چلا گیا۔ عبداللہ اپنی محنت اور مصیبت کے خیال میں بہت دیر تک وہیں بیٹھا رہا۔ پہلے دو روز میں اس سے کام نہ ہوسکا۔ مگر تیسرے روز جب دو گز گہری زمین کھود چکا۔ تو اس کو ایک پیتل کے برتن کا کنارہ نظر آیا۔ اس کو نکال کر دیکھا۔ تو اس کے اندر گول گول سفید پتھر پڑے ہوئے تھے۔ جو چمک دمک آب و تاب میں نہایت خوشنما تھے۔ وہ سمجھا۔ کہ یہ رئیس کے دبائے ہوئے چاول ہیں۔ جو بہت عرصہ زمین میں دبے رہنے سے پتھر ہوگئے ہیں۔ مگر مَیں اس نقصان سے بہت خوش ہوں۔ وہ ظالم آقا ہے۔ چونکہ یہ بہت خوبصورت ہیں۔ مَیں ان کو گھر لیجاؤنگا۔ پھر اس کو یاد آیا۔ کہ مشہد کے بازار میں بھی ایک دوکان پر اس نے ایسے پتھر دیکھے تھے۔ ذرا زیادہ کھودنے سے اس کو ایک اور برتن ایسی ہی پتھروں سے بھرا ہوا ملا۔ اوہو یہ تو زیادہ سیاہ ہیں۔ میرے خیال میں یہ گیہوں ہونگے۔ یہ سفید پتھروں سے بھی زیادہ خوش رنگ ہیں۔ اب مَیں دیکھوں۔ کہ یہ کانچ تو نہیں۔ اور اس نے ایک پتھر نیچے رکھکر دوسرے سے توڑنا چاہا۔ مگر وہ نہ ٹوٹا۔ تو خیال ہُوا کہ میں نے کوئی بیش قیمت شئے پائی ہے۔ جس قدر وہاں سے نکلے۔ یہ ان کو اپنے پاس رکھتا گیا۔ شام کو جو گھر آیا۔ تو ان سب کو ایک بوری میں بھر کر گھر لے گیا اور اپنی بیوی سے چھپا کر ایک جگہ رکھ دئے۔ اب اس نے ارادہ کیا۔ کہ اپنے آقا سے ایک روز کی چھٹی لیکر مشہد جاؤں۔ اور وہاں خوشنما پتھروں کو فروخت کرکے اتنا روپیہ حاصل کروں۔ کہ اس سے ریشمی کتھان بیش قیمت گھوڑا چمکدار تلوار۔ طلائی جوتیاں اور ہندوستانی رومال بسہولت خرید سکوں۔ اس کے دماغ میں یہ سما گیا۔ کہ میری دل آرام زیبا اور پیارے بچے مجھے دیکھکر کس قدر خوش ہونگے۔

جب کہ مجھ کو گھوڑے پر سوار اور مذکورہ اشیاء کو میرے ساتھ اس پر لدی ہوئی دیکھینگے۔
جس وقت نیک طینت عبداللہ دولت پیدا کرنے کے خیال میں غرق ہو رہا تھا۔
اس وقت بھی اس کا یہ ارادہ ضرور تھا۔ کہ اپنے مال میں سے پانچواں حصہ امام مہدی
کے مزار پر ضرور چڑھاؤنگا۔ کئی ہفتہ کی لگاتار محنت کے بعد جب کوئیں میں پانی نکل
آیا۔ تو رئیس نے اس کی کوشش سے بہت خوش ہو کر اس کے لئے ایک روز کی
تعطیل منظور کی۔ عبداللہ آدھی رات کے وقت اپنے مکان سے چل دیا۔ تاکہ
اس کا تھیلا جو کمر پر رکھ کرلے جا رہا تھا کسی کو دکھائی نہ دے۔ مشہد کے قریب
پہنچ کر تھیلے کو اسی زمین میں ایک درخت کی جڑ میں چھپا دیا۔ اور اس میں سے
ایک مٹھی پتھر بانگی کے طور پر بازار میں دکھانے اور ان کی قیمت کا اندازہ لگانے کو
نکال لئے۔ چنانچہ وہ اسی دکان پر پہنچا۔ جہاں اس نے ایسے پتھر رکھے ہوئے
دیکھے تھے۔ اس نے دوکاندار کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ تم کو اس قسم کے پتھر
خریدنا منظور ہیں۔ جوہری بولا۔ بڑی خوشی سے۔ کیا تمہارے پاس کوئی ہے۔ جو
فروخت کرتے ہو۔ عبداللہ نے کہا۔ ایک کیا میرے پاس سینکڑوں ہیں۔ کہا۔
سینکڑوں۔ عبداللہ نے جواب دیا۔ سینکڑوں نہیں بلکہ ایک بڑا تھیلا بھرا ہوا
ہے۔ جوہری نے کہا۔ میرے خیال میں معمولی سنگریزے ہونگے۔ مجھ کو ایک دو
لاکر دکھاؤ۔ عبداللہ نے ایک مٹھی جیب سے نکال کر سامنے رکھ دئے۔ اور کہا
لو دیکھ لو۔ جوہری ان کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے خوف اور گھبراہٹ
سے کہا۔ تم ایک گھنٹہ میری دکان پر بیٹھے رہو۔ اور میں فوراً واپس آتا ہوں۔ یہ کہکر
وہ چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد شحنہ اور پولیس کو ساتھ لے کر آموجود ہوا۔ اور شحنہ سے کہنے
لگا یہ شخص ہے جس نے کسرے کے زمانے کا گمشدہ خزانہ پا لیا ہے۔ لیکن میں
اس کے ساتھ کسی بات میں شریک نہیں ہوں۔ اس کی جیب میں یاقوت۔ زمرد
الماس بھرے ہوتے ہیں۔ جن کی قیمت کا کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اور کہتا ہے
کہ میرے پاس ایک تھیلا بھرا ہوا ہے۔ شحنہ نے فوراً عبداللہ کی جامہ تلاشی لی۔

اس کی جیب میں سے ایک مٹھی بھر جواہرات برآمد ہوئے۔ تب اس سے کہا۔ تم ہمارے ساتھ چل کر بتلاؤ۔ وہ تھیلا تم نے کہاں رکھا ہے۔ چنانچہ اس نے ان کے ساتھ جا کر وہ جگہ بتلادی۔ تمام جواہرات پر بڑی احتیاط سے مہر لگائی گئی۔ اور مال مع ملزم حاکم شہر کے پاس پہنچایا گیا۔ جس نے عبداللہ کے ساتھ بہت سخت قانونی جرح کی۔ بیچارے کاشتکار نے اپنی تمام کہانی شروع سے آخر تک سنائی۔ یعنی دس قرش کا تمام عمر میں انعام۔ مہدی کی زیارت پر اپنی خیرات۔ مذکورہ بالا چیزوں کی خریداری کا قصد۔ پارچہ فروش کی دغابازی۔ گھوڑے کے سوداگر کی چالاکی۔ اسلحہ فروش کا دھوکہ۔ جفت فروش کی بدمعاملگی۔ فقیر کی وعدہ وہی۔ اپنی بیوی کی مایوسی اور غضبناکی۔ رئیس کی بیرحمی۔ کنوئیں کا کھودنا اور خوشنما پتھروں کا برآمد ہونا۔ انکی فروخت کا ارادہ مع ان کی قیمت سے پانچویں حصے کے پھر مزار پر چڑھانے کی نیت کے تمام سرگزشت اس نے ایسی صفائی اور سادگی سے بیان کی۔ کہ اس کی راست گوئی حاکم کے دل پر نقش ہو گئی۔ اس کے بیان کی تصدیق اس کے بیوی بچوں سے طلب کی گئی۔ لیکن باوجود کافی ثبوت کے عبداللہ اور اس کا خاندان اور دریافت کیا ہوا خزانہ چند روز بعد پانچسو سواروں کی حراست میں اصفہان بھیجے گئے۔ اور اس بیش قیمت خزانے کے برآمد ہونے کا حال عباس اعظم کے وزیروں کو ہرکاروں کی معرفت پہلے بتلادیا گیا۔ اور وہ تمام کارروائی سے اچھی طرح واقف ہو گئے تھے۔

مشہد میں جس زمانے میں اس مقدمے کی تحقیقات ہو رہی تھی۔ اس وقت اصفہان میں کچھ واقعات پیش آئے۔ شاہ عباس اعظم نے ایک رات مقدس امام کو خواب میں سبز لباس میں دیکھا۔ اس بزرگ نے شاہ عباس کی طرف نظر عنایت سے دیکھ کر کہا۔ عباس میرے دوست کی حمایت کر۔ اور اس کو کسی طرح تکلیف نہ پہنچنے دے۔ شاہ یہ خواب دیکھ کر بہت گھبرایا۔ اور نجومی رمالوں سے اس کی تعبیر پوچھی۔ لیکن کوئی معقول جواب نہ دے سکا۔ اگلی رات وہی خواب پھر دکھائی دیا۔ اور وہی

بشارت دوبارہ دی گئی۔ شاہ کو اس کا اور زیادہ خیال ہوا۔ اور اس نے اعلٰے منجم
اور اس کے ماتحتوں کو ڈانٹ کر کہا۔ کہ اگر تم نے آج شام تک مجھ کو اس اندیشہ سے
مطمئن نہیں کیا۔ تو تمہارا سر کٹوا دونگا۔ مگر وہ سب حیران تھے۔ اور ان کے قتل
کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اس میں مشہد کے گورنر کا ہرکارہ پہنچا۔ وزیر اس کے
پاس سے شاہ کے پاس مراسلت لے کر دوڑ گیا۔ اور عرض کی۔ جہاں پناہ کا دل
مطمئن ہو۔ کہ خواب کی تعبیر بالتحقیق معلوم ہوگئی۔ خراسان کا ایک کاشتکار مسمی عبداللہ
جو اگرچہ جاہل اور غریب ہے۔ لیکن بڑا نیک طینت اور مخیر ہے۔ اس نے کسرے
کا مدفون خزانہ برآمد کیا ہے۔ اس کے حال پر خدا کی خاص بندہ نوازی ہے۔ اور
مقدس امام مہدی کا یہ شخص راسخ الاعتقاد شیعہ ہے۔ لہٰذا جہاں پناہ کو بشارت
دی گئی ہے۔ کہ اس نیک اور خاکسار دیندار کی حمایت اور عزت کریں۔ شاہ عباس نے
مشہد سے آئے ہوئے خط کو بہت دلچسپی سے سنا۔ اور اس کی طبیعت کو بالکل اطمینان
ہوگیا۔ اس نے تمام امرا اور فوجی افسروں کو حکم دیا۔ کہ اصفہان سے ایک منزل میرے
ہمراہ مقدس امام کے دوست کی پیشوائی کو چلو۔ جب ملزمان مقدمہ کی آمد بہت قریب
معلوم ہوئی۔ تو بادشاہ اپنے خیمہ سے کچھ فاصلے تک ان کے استقبال کے لئے
پیادہ پا گیا۔ اول سو سوار نظر آئے۔ ان کے بعد عبداللہ مشکیں بندھا ہوا اونٹ پر
سوار تھا۔ دوسرے اونٹ پر۔ اس کی بیوی جس کے پیچھے دونوں بچے یوسف اور
فاطمہ تیسرے اونٹ پر سوار تھے۔ قیدیوں کے پیچھے خزانہ آرہا تھا۔ ایک سو سوار
نگرانی کے واسطے دونوجانب تعینات تھے۔ اور دو سو ان کے پیچھے آتے تھے۔
شاہ نے ان اونٹوں کو جن کے اوپر عبداللہ اور اس کے اہل وعیال سوار تھے۔
اپنے قریب ٹھیرایا۔ اور اپنے دست مبارک سے ان رسیوں کو کھولا۔ جو عبداللہ
کے ہاتھوں میں بندھی ہوئی تھیں۔ اس کے مصاحبوں نے عبداللہ کی بیوی اور
اس کے بچوں کو قید اسیری سے آزاد کیا۔ خوش نصیب عبداللہ کو اسی وقت شاہانہ
خلعت پہنایا گیا۔ اور شاہ نے اس کو اپنے تخت کے پاس ایک معزز جگہ دی +

اس وقت عبداللہ نے کہا۔ اے بادشاہ میں ایک بہت غریب آدمی تھا۔ جس نے کبھی روپیہ کی صورت نہ دیکھی تھی۔ مگر اپنی تقدیر پر فارغ اور اپنے بال بچوں میں خوشی سے بسر اوقات کرتا تھا۔ روپیہ کا ہاتھ میں آنا تھا۔ کہ میرے واسطے مصیبتوں کا لگاتار سلسلہ پیدا ہو گیا۔ حماقت اور حرص نے ذاتی حیثیت سے زیادہ مجھ میں خواہشیں پیدا کر دیں۔ اور اہل و عیال جن سے بکمال محبت رکھتا تھا۔ میری وجہ سے مصیبت اور مایوسی میں مبتلا ہوئے۔ اب جبکہ میری موت قریب ہے اور جہاں پناہ جھوٹے اعزاز سے میرا دل خوش کرتے ہیں۔ تو میری گزارش نہایت عاجزی سے یہ ہے۔ کہ میرے بعد میری وفادار بیوی اور پیارے بچوں کی جان بخشی کی جائے۔ پھر میری نسبت حضور جو سزا تجویز کریں۔ اور جس طرح مجھ کو قتل کریں۔ بجا ہے۔ ان الفاظ پر عبداللہ کو رقت ہوئی۔ اور وہ شاہ کے سامنے زار و قطار رونے لگا۔ شاہ عباس کو اس نیکوکار کا شکار پر از حد رحم آیا۔ اور اس کے اطمینان کے لئے اس نے زوردار لفظوں میں کہا۔ عبداللہ میں جھوٹی نہیں درحقیقت تمہاری عزت کرتا ہوں۔ تیری خاکساری اور نیک نیتی کی دعائیں اور تیرا عاجزانہ نذرانہ امام مہدیؑ کی مقدس درگاہ میں قبول ہوا۔ اور آنحضرتؐ نے بنفس نفیس مجھ کو تاکید کی ہے کہ میں تیری حمایت اور عزت کروں۔ تو میری دارالحکومت میں چند روز قیام کر تاکہ سفر کا تکان جاتا رہے۔ اس کے بعد میں تجھے صوبۂ خراسان کا جہاں سے تو اسیر کر کے بھیجا گیا ہے۔ حاکم بنا کر بھیجونگا۔ اور تیری امداد اور مشورے کے لئے ایک تجربہ کار دانشمند مقرر کرونگا۔ مجھ کو تیری خدا پرستی اور ایمانداری سے قوی امید ہے۔ کہ رعایا کو تیرے عہد میں خوشحالی اور آسودگی نصیب ہوگی۔ تیری نیک بیوی زیبا کو ریشمی لباس مل گیا ہے۔ جس کی وہ ایک مدت سے تمنا کر رہی تھی۔ اب میرا اتنا اور کام باقی ہے کہ یوسف کو ایک خوبصورت گھوڑا اور بیش قیمت تلوار اور فاطمہ کو ہندوستانی رومال اور طلائی جوتیاں عطا کروں۔ شاہ کے طرز گفتگو اور نیک برتاؤ سے عبداللہ کی طبیعت سے وحشت اور دہشت فرو ہوئی۔ اور وہ اس غیر مترقبہ عنایت کا از حد شکرگزار ہوا۔ وہ چند روز

بعد خراسان کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اور اپنی ہمدردی اور انصاف پسندی سے تمام سلطنت میں مشہور ہو گیا۔ اس نے مزار مقدس کی تعمیر کی۔ اور اس کے اخراجات کے لئے اراضی لیکر وقف کی۔ وہ اپنی تمام ترقی حضرت مہدیؑ کی سرپرستی سے منسوب کرتا تھا یوسف کے حال پر شاہ عباس کی نظر عنایت رہی۔ حتیٰ کہ اس نے شہسواری اور جنگی لیاقت میں بڑا نام پیدا کیا۔ فاطمہ کی شادی ایک معزز امیر کے بیٹے سے ہوئی۔ اور زیبا کو باقی تمام عمر یہ مسرت حاصل رہی۔ کہ اس کا اختیار خانگی امور کے انتظام میں بلا شرکت غیرے رہا۔ کیونکہ اس کے مقتدر شوہر نے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا۔ وہ اپنے اقبال کے زمانے میں بھی زیبا کی قدر اسی طرح کرتا رہا۔ جیسا کہ افلاس میں اس کا دلدادہ تھا ؞

باب سوم

در فضیلت زیارت آنحضرتؑ و کیفیت زیارت و ما یناسب بہا

برخے از حث و ترغیب بر زیارت قبور مطلق معصومین علیہم السلام } جس طرح ان حضرات عالیات کی زندگی میں ان کی زیارت موجب تضاعف برکات و اکتساب حسنات ہے۔ ویسے ہی ان کی وفات کے بعد ان کی قبور پر حاضر ہونا اور ان کی ارواح طیبہ سے کسب فیوض کرنا اور فوائد دینی و دنیوی اٹھانا عین مطلوب و مقصود ہے۔ پس لازم ہے۔ کہ مومنین شرائط زیارت حضرت خاتم المرسلینؐ و

ائمۂ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین باخلاص تمام بجالائیں - اس بارے میں احادیث بسیار وارد ہوئی ہیں - مگر یہاں بہت کم ان سے نقل کی جاتی ہیں +

ازانجملہ امام محمد باقرؑ سے منقول ہے - کہ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم امام حسینؑ کو دیکھتے - تو گود میں اٹھا لیتے - اور حضرت امیر المومنینؑ سے فرماتے کہ یا علیؑ نگہبانی کرو اس نور چشم کی - پھر بہت پیار کرتے اور زار زار روتے - اور فرماتے کہ اے نور چشم - میں بوسہ دیتا ہوں تلواروں کے لگنے کی جگہوں کو تمہارے جسم سے - امام حسینؑ نے عرض کی - یا ابت اے پدر بزرگوار - کیا میں قتل ہونگا - فرمایا - ہاں اے لخت جگر تمکو اور تمہارے بھائی اور باپ سب کو قتل کرینگے - اور مقام تمہارے قتل ہونے کے جدا جدا ایک دوسرے سے دور ہونگے - عرض کی یا رسول اللہؐ اس دور دراز فاصلے پر کون ہماری قبروں پر جائیگا - اور کون ان کی زیارت کریگا - فرمایا - اے فرزند زیارت نہ کرینگے میری اور تمہاری مگر صدیقان امت - یعنی جو لوگ ہماری زیارت کرینگے درجہ صدیقاں پائینگے - اور بسند معتبر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ سے منقول ہے - کہ فرمایا - یا علیؑ جو عمارت کرے تمہاری قبروں کی اور شرائط رعایت ان کی بجالائے - ایسا ہے گویا اس نے اعانت کی سلیمان بن داؤد نبی کی بنائی بیت المقدس میں - اور جو زیارت کرے تمہاری قبروں کی - اس کا ثواب ستر حج کے برابر ہے - جو کہ حج واجب کے بعد کئے ہوں - تحقیق کہ زیارت کرنے والے جب زیارت کر کے گھروں کو واپس جائینگے - تو گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائینگے - گویا شکم مادر سے پیدا ہوئے ہیں - پس بشارت ہو تمکو اور تمہارے شیعوں اور دوستوں کو ان نعمات بہشت کی جو باعث خنکی چشم ہیں - اور جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا - نہ کسی کان نے سنا - نہ کسی کے خیال میں آئے ہوں - اور حضرت صادقؑ سے پوچھا گیا - کہ کیا ثواب ہے زیارت قبر امام حسینؑ کا - فرمایا - جو کوئی قبر حسینؑ شہید پر جاوے - اور دو یا چار رکعت نماز اس کے پاس پڑھے - اس کے واسطے ثواب ایک حج اور ایک عمرے کا لکھا جاتا ہے - پھر فرمایا - یہی ثواب ہے اس شخص کا - جو کسی ایک امام واجب الاطاعت کی ہم سے

زیارت کرے۔ اور حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے پوچھا۔ کہ زیارت کس امام کی افضل ہے۔ فرمایا۔ جس نے ہمارے درمیان سے پہلے امام کی زیارت کی۔ ایسا ہے۔ جیسا کہ آخری امام کی زیارت کی۔ اور جس نے آخر امام کی زیارت کی۔ ایسا ہے۔ جیسا کہ اوّل امام کی زیارت کی۔ یعنی تمام ائمہ معصومینؑ رتبہ میں یکساں اور ان کی زیارت ثواب میں برابر ہے۔ اور حضرت امام رضاؑ نے فرمایا۔ کہ ائمہ طاہرینؑ سے ہر ایک امام کا ایک عہد ہے۔ ان کے شیعوں اور دوستوں کی گردنوں میں۔ وفائے عہد سے ہے۔ کہ وہ ان کی مقابر کی زیارت کریں۔ پس جو لوگ کہ دلی رغبت سے ان کی زیارت بجالاتے ہیں۔ اس خیال سے کہ جس امر کی انہوں نے رغبت دلائی ہے۔ اس میں ان کی تصدیق کریں۔ تو البتہ وہ حضرات بروز قیامت حق تعالےٰ سے ان کے شفاعت خواہ ہونگے +

فضیلت زیارت حضرت امام رضاؑ

امام رضاؑ چونکہ بلا رضائے خود باصرار ماموں بلکہ اس کے اجبار و اکراہ سے خراسان تشریف لائے۔ جو عرب سے دور حدود اسلام کے ایک گوشہ میں واقع ہے۔ لہذا غریب الغرباء کے مظلومانہ لقب سے ملقب ہوئے۔ پھر چونکہ اسی غربت کربت میں زہر ستم سے شہید ہو کر سرزمین طوس میں دفن ہوئے۔ تو آپ کی مظلومیت اضعافاً مضاعفہ بڑھ گئی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آپ کی زیارت کے ثواب ہائے عظیم احادیث میں وارد ہوئے۔ اور اسی سبب سے اہل ایمان ہر زمانے میں زحمتیں سفر کی اپنے اُوپر گوارا کر کے اقصائے عالم سے آنحضرتؑ کی زیارت کو آتے۔ اور کسب حسنات بے اندازہ فرماتے ہیں۔ ہر چند دیگر ائمہ معصومینؑ سے بھی بنا بر مشہور کوئی اپنی اجل طبعی سے فوت نہیں ہوا۔ بہت سے زہر جفا سے۔ کچھ تیغ ستم سے شہید ہوئے۔ خصوصاً حضرت سید الشہدا ابو عبد اللہ الحسین ارواحنا لہ الفداء مع اپنے اعزہ و اقربا کے تین دن کی بھوک پیاس میں جس بیدردی سے قتل کئے گئے

اس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی - یہی وجہ ہے - کہ آپ کے روضۂ منورہ کی زیارت ضروریات مذہب شیعہ سے قرار پاگئی ہے - تاہم آنحضرت ؑ کے مشاہد مقدسہ یا تو عین وطن (مدینہ) میں ہیں - یا نجف اشرف - کربلاء معلّےٰ - کاظمین - سامرہ وغیرہ میں ذرا اس سے فاصلے پر - مگر سب کے سب عرب یا عراق عرب میں - کوئی اس سے باہر نہیں - بخلاف روضۂ منورہ امام رضاؑ کے کہ عجم کے اُس طرف گوشۂ شمال و مشرق میں دور دراز کے فاصلے پر جاکر واقع ہُوا ہے - لاجرم اس کے ثواب زیارت بھی بہت زیادہ ہیں - حتے کہ بموجب بعض احادیث جن کا بیان آگے آتا ہے - آپ کی زیارت کا ثواب حضرت سید الشہداءؑ کی زیارت کے ثواب سے بھی بڑھ کر بتایا گیا ہے +

واضح رہے - کہ احادیث فضیلت زیارت آنحضرتؑ بے شمار ہیں - مگر صاحب تحفۂ رضویہ نے صرف تیئیس ۲۳ حدیثوں کے ذکر پر قناعت کی ہے - بندۂ درگاہ کو اس سے بھی زیادہ اختصار مدنظر ہے +

حدیث اوّل - بسند معتبر کہ درمیان علماء امامیہ رضوان اللہ علیہم مشہور و متداول ہے - حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ سے منقول ہے - کہ آپ نے فرمایا - عنقریب میرا ایک پارۂ تن دفن ہوگا ایک شہر میں جس کو بندۂ نیکوکار سکندر ذوالقرنین نے سرزمین طوس میں بنا گیا ہے - اور جس کا نام سناباد ہے - پس جو کوئی

ستدفن بمدینۃ بناھا العبد الصالح الاسکندر ذوالقرنین بلدۃ بارض طوس یقال لھا سناباد بضعۃ منی فمن زارہ علی بعد دارہ وتشتت مزارہ ضمنتُ لہ علی اللہ الجنّۃ والضامن غارمٌ وکان فی درجتی یوم القیامۃ وکتب اللہ لہ ثواب الف حجّۃ مبرورۃ والف عمرۃ مقبولۃ اوقال لکل خطوۃ الفی حجّۃ مبرورۃ والفی عمرۃ مقبولۃ واللہ عند اللہ

زیارت کرے - اس کے باوجود دورئے وطن و پراگندگی مزار کے ضامن ہوتا ہوں میں اس کے لئے خدا پر بہشت کا اور ضامن مدیون ہوتا ہے - اور ہوگا - اس زوار کے لئے بروز قیامت میرا درجہ - اور لکھیگا خدا اس کے لئے ثواب ہزار حجوں پاکیزہ کا - اور ہزار عمرہ مقبولہ کا - یا یہ کہا - آنحضرت نے بعوض ہر قدم

دو ہزار حج مبرور اور دو ہزار عمرہ مقبول کا - اور علم اس کا خدا کے نزدیک ہے +
دیگر شیخ صدوق علیہ الرحمہ و دیگر علماء نے روایت کی ہے - کہ حضرت امام رضاؑ
نے فرمایا - کہ جو کوئی باوجود دوری راہ کے مجھ غریب کی زیارت کرے - تو میں روز قیامت
تین مقام پر اس کی دستگیری کرونگا - یعنی تین موقعہ پر اہوال قیامت سے اُسے نجات
بخشونگا - وقت تقسیم ہونے نامۂ اعمال کے - پُل صراط پر - اور بوقت لگائے جانے
میزان عدل کے - صاحب تحفہ بعد نقل اس حدیث کے فرماتے ہیں - کہ تین مقامات
کی خصوصیت اس لئے ہے - کہ زوّار آنحضرتؑ کے جس راہ سے آپ کی زیارت کو
آئیں - کم از کم تین منزلیں ان کو طے کرنی پڑتی ہیں - مثلاً راہ ایران سے عباس آباد
الماک - میان دشت کی تین منزلیں زیادہ خطرناک ہیں - اور توران سے آنیوالے
کو مرو - سرخس وغیرہ کی منازل اور کرمان سے آنے والے کو کئی منزل تک بلوچوں کا
خوف ہے - علیٰ ہذا کابل قندھار کا راستہ بھی بہت خوف و خطرے سے بھرا ہوا
ہے - چونکہ زائر آنحضرتؑ کا ان خوفناک منزلوں کو طے کرکے آتا ہے - تو بمقتضائے
ھَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ آنحضرتؑ پر بھی لازم ہوا - کہ بعوض اس کے قیامت
کے روز تین ہولناک مقاموں سے اس کو نجات بخشیں - اگرچہ ان منازل پر اس کو کوئی
ضرر بھی نہ پہنچا ہو - کیونکہ خود خوف ہی ایک ضرر عظیم ہے - بموجب آیۂ شریفہ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ
بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ آہ یعنی آزمائینگے ہم تمکو ساتھ تھوڑے سے خوف کے -
پس جب کہ زائران خوف و خطر کا متحمل ہوکر روضۂ عرش درجہ پر کہ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ
الْجَنَّةِ ہے پہنچا - تو وہ ضرور بتوجہ آنحضرتؑ بروز قیامت ان اہوال سے بے کھٹکے
گزر کر بہشت عنبر سرشت میں داخل ہوگا - انشاء اللہ تعالےٰ +
دیگر کتاب عیون اخبار الرضاؑ میں مروی ہے - کہ حضرت صادق آل محمدؐ نے
فرمایا - کہ میرا پسر زادہ علی بن موسےٰ طوس خراسان میں شہادت پائیگا - پس جو کوئی زیارت
کرے اس کی - در آنحالیکہ اس کے حق کا عارف ہو - تو میں روز قیامت اس کا ہاتھ پکڑ کر
داخل بہشت کرونگا - ہر چند مرتکب گناہ کبیرہ کا ہُوا ہو - راوی نے عرض کی - فدا ہُوں

آپ پر۔ عارف بحق کے کیا معنی۔ فرمایا جانے کہ وہ حضرت امام مفترض الطاعۃ و
غریب وشہید راہ خدا ہیں۔ پھر فرمایا۔ جو کوئی زیارت کرے اس کی۔ اور عارف بحق انکا
ہو۔ تو جناب اقدس احدیت اس زوار کو عطا فرمائیگا۔ ثواب ان ستر شہیدوں کا جو روبرو
رسول خدا کے شہید ہوئے ہوں +

آپ کی زیارت سے گناہ بخشے جاتے ہیں گو وہ جن وانس کے برابر ہوں

امالی میں روایت کی ہے۔ کہ ایک شخص نے
اہل خراسان سے حضرت امام رضاؑ سے
عرض کی۔ یا ابن رسول اللہ۔ میں نے حضرت
رسول خداؐ کو خواب میں دیکھا۔ فرماتے ہیں۔ اے اہل خراسان کیا حال ہوگا تمہارا
جب کہ ایک جزو میرے بدن کا تمہاری زمین میں دفن ہوگا۔ میری امانت تمہارے
سپرد اور میرا ستارہ تمہاری خاک میں غروب ہوگا۔ امام ہمامؑ نے یہ خواب سُنکر فرمایا۔
میں ہوں وہ ٹکڑا بدن رسول اللہؐ کا اور وہ ستارہ کہ تمہاری زمین میں چھپیگا۔ اور وہ امانت
کہ تمہارے سپرد ہوگی۔ آگاہ رہو۔ کہ جو کوئی میری زیارت کریگا۔ حالانکہ وہ حق اطاعت
میرا جو حق تعالےٰ نے واجب کیا ہے پہچانتا ہوگا۔ تو میں اور میرے آباء طاہرینؑ
بروز قیامت اس کے شفیع ہونگے۔ اور جس کی ہم اس دن شفاعت کرینگے وہ نجات
پائیگا۔ ہر چند کہ اس کے گناہ جن وانس کے برابر ہوں۔ بتحقیق کہ میرے پدر عالیقدر
نے بسند خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے روایت کی ہے۔ کہ جس شخص نے آنحضرتؐ
کو خواب میں دیکھا۔ اس نے درحقیقت آپ کو دیکھ لیا کیونکہ شیطان آنحضرتؐ کی اور
ان کے اوصیاء طاہرین وشیعیان مخلصین کی شکل سے متشکل نہیں ہو سکتا۔ وہ بلاشبہ
رویا صادقہ ہے۔ جو ایک حصّہ ہے نبوت کے ستر حصوں سے۔ تمام ہوئی حدیثؐ
اور اسی مضمون کی ایک اور حدیث جامع الاخبار سے نقل ہوئی ہے۔ کہ حضرت نے
فرمایا۔ مجھ کو بزہر ستم شہید کرینگے۔ اور ارض غربت میں دفن ہونگا۔ پس جو کوئی میری
زیارت کرے اس ارض غربت میں۔ ہم بروز قیامت اس کے شفاعت خواہ ہونگے۔
اور وہ نجات پاویگا۔ ہر چند کہ جن وانس کے گناہ اس پر ہوں۔ فاضل بسطامی ملا نوروز علی

صاحب تحفہ ان دونوں حدیثوں کی نسبت لکھتے ہیں۔ کہ جس قدر رحمت و رافت خداوند عالمیان بر ضامن غریبان ان احادیث سے دریافت ہوتی ہے۔ میں نے کسی امام کی زیارت کا اتنا ثواب نہیں دیکھا۔ خصوصاً ثواب زیارت حضرت سید الشہدا کے بیان میں علیحدہ کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام نجاۃ الخافقین فی زیارۃ الحسین رکھا ہے۔ اس میں قریب تین سے حدیث کے اس باب میں نقل کی ہیں۔ اور باعتبار اوقات و ازمنہ زیارت کے جو اس کے لئے مخصوص ہیں علیحدہ علیحدہ باب ترتیب دئے ہیں۔ حتےٰ کہ بعض علماء سے قول بوجوب زیارت نقل کیا ہے۔ اور وہ احادیث جن سے اس کا وجوب نکلتا ہے نقل کی ہیں۔ مگر احادیث مذکورہ بالا کے برابر کوئی حدیث مجھ کو نہیں ملی۔ بڑے بڑے عقلا کی عقلیں اس بشارت میں حیران ہیں۔ کہ کتنی بڑی قدر و منزلت حق تعالےٰ نے اُن حضرت کو عطا کی ہے۔ کہ ان کے زائروں کو نجات ملیگی۔ ہر چند کہ جن و انس کے گناہ رکھتے ہوں۔ ؎

اے خدا قربان احسانت شوم | این چہ احسان است قربانت

اللھم اجعلنا من زائریہ۔ بندہ مشتاق جامع اوراق کہتا ہے۔ کہ ملا صاحب ممدوح نے تھوڑی ہی دور آگے چل کر حدیث چہاردہم جو حضرت امیر المومنین ؑ سے نقل کی ہے اس کا حاصل ترجمہ یہ ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ میری اولاد سے ایک شخص میرا ہمنام ہوگا۔ جس کو سرزمین خراسان میں زہر جفا سے شہید کرینگے۔ آگاہ رہو کہ جو وہاں جاکر اس کی زیارت کرے۔ حق تعالےٰ اس کے گزشتہ و آئندہ گناہ بخش دیگا۔ ہر چند کہ تعداد میں ستارہ ہائے آسمان و قطرات باراں و برگ درختاں کے برابر ہوں۔ ظاہراً یہ بشارت بھی مغفرت گناہاں کی بشارات مذکورہ بالا سے کم تر نہیں۔ اگر وہاں جن و انس کے گناہوں کے برابر گناہوں کی معافی کا وعدہ دیا گیا ہے۔ تو یہاں ستارہ ہائے آسمان قطرات باراں و برگ درختاں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں۔ ہدا صل حضرت باری عز اسمہ بخشندہ بے حساب ہے۔ اور حضرات ائمہ ہدے مقبولان درگاہ و محبوب کبریا۔ پس بنظر ان کے

قرب و منزلت و عظمت و جلالت کے وہ جل شانہ ان کی خاطر سے جس قدر چاہے۔ اجر و ثواب بے حد و شمار عنایت فرمائے۔ اس میں حیرت و تعجب کا مقام نہیں۔ اس کے خزانۂ احسان و انعام میں کمی نہیں آتی۔ مؤلف کہتا ہے۔ اس حقیر نے آپکی کتاب نجاۃ الخائفین نہیں دیکھی۔ لیکن دیگر کتب اخبار و آثار موجود ہیں۔ جن میں ثواب زیارت مشاہد مقدسہ عموماً اور زیارت حضرت سید الشہداء بالخصوص مذکور ہیں۔ ہر چند گناہان جن و انس کا ذکر تو دیکھنے میں نہیں آیا۔ مگر اس کے برابر بلکہ بڑھ کر بشارتیں آنحضرتؑ کی زیارت میں بھی بیان کی گئی ہیں +

از انجملہ مجلسی علیہ الرحمہ نے تحفۃ الزائر میں حضرت صادقؑ سے روایت کی ہے کہ جو کوئی بروز قیامت کرامت خدا و شفاعت محمد مصطفےٰؐ میں داخل ہو۔ اُسے چاہئے حسینؑ مظلوم کی زیارت کرے۔ تاکہ بہترین ثواب و کرامت حق تعالےٰ حاصل کریگا۔ جو گناہ زندگانی دُنیا میں اس نے کئے ہونگے۔ ان کی بابت اس سے سوال نہ کرینگے۔ اگرچہ بقدر ریگ عالج[1] و کوہ ہائے تہامہ و کف دریا کے ہوں۔ بتحقیق کہ وہ حضرت اور ان کے اہلبیت مظلوم تشنہ لب مقتول ہوئے۔ انتہی +

نیز تحفۃ الزائر میں ہے۔ کہ بروز قیامت ندا کرینگے۔ کہ کہاں ہیں زیارت کرنیوالے حسینؑ بن علیؑ کے۔ اُٹھیں۔ پس بے تعداد اشخاص اُٹھیں گے۔ جنہوں نے محض محبت رسولؐ خدا و علیؑ و فاطمہؑ اور آپ کی مظلومیت کے خیال سے زیارت کی ہوگی۔ ان کو کہیں گے۔ جاؤ اور محمد و علی و فاطمہ و حسنین علیہم السلام سے ملحق ہو جاؤ۔ ان کے مدارج و مراتب میں۔ اور علم رسول خداؐ کے نیچے ہو جاؤ۔ جو امیر المومنینؑ کے ہاتھ میں ہوگا۔ پس وہ دہنے بائیں پس پشت علم کے ہو لیں گے۔ یہاں تک کہ سب کے سب داخل بہشت ہو جاینگے +

---

[1] عالج وہ سلسلہ کوہ عرب کا ہے۔ کہ یمامہ سے لیکر نجد تک پھیلتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ریگ عالج اکثر ملک عرب پر حاوی و محیط ہے۔ تہامہ میں وہ تمام ملک حجاز شامل ہے۔ جو نجد سے نیچے پہنچ گیا ہے کذا فی مجمع البحرین۔ پس اس مقدار کثیر کے گناہوں کی معافی کی بشارت کیا کم ہے +

نیز اسی کتاب میں روایت ہے۔ کہ حضرت سید الشہداء نے فرمایا۔ کہ جو شخص میری زیارت کریگا اپنی حیات میں۔ میں اس کی زیارت کرونگا اس کے مرنے کے بعد۔ اگر اس کو آتش جہنم میں بھی ڈال دینگے۔ تو وہاں سے نکال لونگا۔ دیکھئے ان احادیث میں کیسی اعلےٰ درجہ کی بشارتیں موجود ہیں +

دیگر ابن بابویہ وعدیگر علماء نے ابو الصلت ہروی سے روایت کی ہے۔ کہ حضرت امام رضاعہ نے فرمایا۔ کہ قسم ہے خدائے عزوجل کی۔ کہ ہم جملہ ائمہ ہدیٰ شہید ہونگے۔ کوئی زہر ستم سے۔ کوئی شمشیر جفا سے۔ راوی کہتا ہے۔ میں نے عرض کی قربان ہوں آپ پر حضرت کو کون شہید کریگا۔ فرمایا بدترین خلق خدا زہر سے مجھے قتل کریگا۔ اور دیار غربت میں دفن ہونگا۔ آگاہ رہو۔ کہ جو اس غریب الوطنی میں میری زیارت کریگا۔ حق تعالےٰ اس کے نامۂ عمل میں ایک لاکھ شہید ایک لاکھ صدیق کا ثواب لکھیگا۔ اور لاکھ حج و لاکھ عمرہ اور لاکھ مجاہد راہ خدا کا ثواب اس کو مرحمت فرمائیگا۔ اور وہ زیارت کرنے والا بروز قیامت ہمارے زمرے میں محشور ہوگا۔ اور درجات بہشت میں ہمارا رفیق ہوگا +

دیگر شیخ طوسی علیہ الرحمہ و دیگر علماء نے محمد بن ابو نصر بزنطی سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا میں نے کتاب (غالباً حضرت کے خط سے مراد ہے) امام رضاعہ میں پڑھا۔ کہ آپ نے اس میں یہ حدیث لکھی ہے۔ کہ ہمارے شیعوں کو یہ پہنچا دو۔ کہ زیارت مجھ غریب الوطن کی خدا کے نزدیک ایک ہزار حج کے ثواب کے برابر ہے۔ میں نے اس کا تذکرہ حضرت امام علی نقی کی خدمت میں کیا۔ اور اظہار تعجب کیا۔ اس پر کہ فدا ہوں آپ پر آپ کے پدر عالی قدر کی زیارت ایک ہزار حج کے برابر ہے۔ فرمایا۔ ہاں۔ بلکہ اس کا ثواب دو ہزار حج کے برابر ہے۔ اس شخص کے لئے کہ عارف بحق آنجناب ہو +

دیگر ابن بابویہ علیہ الرحمہ نے حضرت ثامن الائمہ صلوات اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ کہ فرمایا۔ خراسان میں ایک بقعہ ہے۔ جہاں عنقریب آمدوشد ملائکہ ہونیوالی ہے۔ اور یہ آمدوشد تا دم نفخ صور وہاں جاری رہیگی۔ راوی نے پوچھا۔ یا ابن رسول اللہ وہ کونسا بقعہ ہے۔ فرمایا زمین طوس ہے۔ قسم خدا کی۔ وہ ایک روضہ ہے ریاض جنت کا

جو کوئی میرے روضہ میں زیارت کریگا۔ اس نے گویا رسول اللہؐ کی زیارت کی۔ جناب
اقدس الٰہی اس کے لئے ثواب ہزار حج مبرورہ اور ہزار عمرۂ مقبولہ کا لکھیگا۔ اور میرے
اجداد طاہرین بروز قیامت اس کے شفاعت خواہ ہونگے۔ حقیر مؤلف کہتا ہے۔
کہ احادیث مذکورہ بالا میں حجوں کی تعداد جن کے برابر ثواب زیارت بتایا گیا ہے۔
باختلاف ذکر ہوئی ہے۔ اور ایک شاعر نے شعرائے شیعہ سے کہا ہے۔ ع

یک طواف مرقد سلطان علی موسیٰ رضاؑ ہفت ہزار و ہفصد و ہفتاد حج اکبر است

اور شیخ کمال الدین خوارزمی نے زیب رقم کیا ہے۔ ع

یک طواف درش از قول رسول الثقلینؐ تا بہفتاد حج نافلہ یکساں آمد

سو ممکن ہے۔ کہ یہ اختلاف تعداد کا محمول ہو۔ اوپر اختلاف مدارج ایمان و اعتقاد
زائران اور ان کے تقوےٰ و طہارت و صدق نیت کے۔ کہ جو شخص جس حیثیت کا
ہوگا۔ اس کو اسی قدر ثواب ملیگا۔ چنانچہ حدیث ابوجعفر محمد تقیؑ میں اس کا ارشاد موجود
ہے۔ کہ اگر زیارت کنندہ عارف بحق امام ہے۔ تو دو ہزار حج کا ثواب پائیگا۔ اسی طرح
حج اکبر ہے۔ اور حج اصغر یا حج مبرورہ و عمرہ مقبولہ یا حج نافلہ۔ یہ تمام اختلافات اختلاف
مدارج زوار پر حمل کئے جائینگے۔

دیگر شیخ طوسی رہ نے تہذیب الاحکام میں اور صدوق رہ نے عیون الاخبار میں روایت
کی ہے۔ کہ حضرت موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا۔ جو کوئی زیارت کرے میرے بیٹے علیؑ کی۔
حق تعالےٰ کے نزدیک اس کا ثواب ستر حج مبرور کے برابر ہے۔ راوی نے عرض کی۔
ستر حج کے برابر! فرمایا ہاں۔ بلکہ ستر ہزار حج کے برابر۔ پھر فرمایا بہت سے حج ایسے
ہوتے ہیں۔ کہ درگاہ الٰہی میں مقبول نہیں ہوتے۔ یعنی یہ ستر ہزار ثواب زیارت کے سب
مقبول ہیں۔ پھر فرمایا۔ جو کوئی انکی زیارت کرے یا ایک شب اس کے نزدیک بسر کرے
ایسا ہے۔ کہ گویا خداوند عالم کی بالائے عرش زیارت کی۔ الفاظ حدیث یہ ہیں۔ من زارہ
او بات عندہ لیلۃ کان کمن زار اللہ فی عرشہ۔ راوی نے اور زیادہ تعجب کیا۔ کہ کس طرح
ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی خدا کی عرش پر زیارت کرے۔ فرمایا بروز قیامت چار اشخاص

سابقین اور لاحقین سے عرش پر مدعو ہونگے۔ سابقین میں نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسےؑ۔ عیسےؑ ہیں۔ لاحقین محمدصؐ۔ علیؑ۔ حسنؑ۔ حسینؑ صلوات اللہ علیہم۔ ان کے آگے کھانا چنینگے۔ پھر ائمۂ اطہارؑ کی زیارت کرنے والے ان کے ساتھ بٹھائے جائینگے۔ ان میں زیادہ بلند درجہ اور مستوجب بخشش زائران امام رضاؑ ہونگے۔ تمام ہوئی حدیث صاحب تحفہ۔ کہتے ہیں۔ کہ لفظ بات عندہ سے استدلال ہوسکتا ہے اوپر فضیلت مجاورت قبر آنحضرتؑ کے۔ اگرچہ یہ بھی احتمال ہے۔ کہ یہ بیتوتت بقصد زیارت ہو۔ پس غور کرنا چاہئے۔ کہ حق تعالےٰ صرف ایک رات وہاں رہنے کا کس قدر ثواب بحساب مرحمت فرماتا ہے۔ خوشا حال ان لوگوں کا جو عمر بھر وہاں رہے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں۔ کہ ہر چند فضیلت زیارت حضرت امام حسینؑ کی ضروریات مذہب شیعہ سے ہے۔ مگر مجھ کو کوئی حدیث خصوص مجاورت[۱] کربلائے معلےٰ کے بارے میں نہیں ملی۔ بلکہ

---

[۱] تحفۃ الزائر ملا محمد باقر مجلسی میں حضرت صادقؑ سے نقل ہوا ہے۔ کہ فرمایا عقب قبر امام حسینؑ نماز پڑھیں۔ اس سے آگے نہ بڑھیں۔ راوی نے پوچھا۔ کیا ثواب ہے زیارت آنحضرتؑ کا۔ فرمایا بہشت زیارت کنندہ پر واجب ہوتا ہے۔ اگر اعتقاد با امامت رکھتا ہو۔ عرض کی۔ ترک زیارت آنحضرتؑ کا کیا عذاب ہے۔ فرمایا۔ روز قیامت کی حسرت اور افسوس۔ عرض کی۔ کیا ثواب ہے اُس کا جو قبر مبارک کے پاس ٹھیرے فرمایا۔ ہر روز ہزار ماہ کے برابر حساب ہوگا۔ پوچھا کیا ثواب ہے۔ جو مال کہ راہ زیارت آنحضرت میں خرچ کرے۔ یا مدت قیام نزدیک قبر میں اٹھاوے۔ فرمایا۔ ایک درہم بقدر ہزار درم کے محسوب ہوگا۔ وانا اقول ہر روز ہزار ماہ کے برابر حساب ہوگا۔ مراد یہ کہ ہر روز کی عبادت جو وہاں کے قیام میں کی جائے۔ وہ اور جگہ کی ہزار ماہ کی عبادت کے برابر محسوب ہوگی۔ لعنی جو مال وہاں ٹھیر کر خرچ کرے۔ خدا کے نزدیک اس کا ایک درم ہزار درم کے برابر سمجھا جاویگا۔ اس سے اس مقام میں ٹھیرنے اور سکونت کرنیکی فضیلت ظاہر ہے۔ علاوہ اس کے بڑی دلیل وہاں کے رجحان توطن کی لاکھوں علما فضلا مخلص مومنین کا طرز عمل ہے۔ جو وقتاً فوقتاً ترک بار و دیار کر کے اس بقعہ مبارکہ کو آباد کرتے رہے اور اس وقت تک کرتے ہیں۔ حتے کہ آج وہ بقعہ مطہرہ ایک شہر عظیم ہو کر دنیا کے بڑے بڑے شہروں سے شمار ہوتا ہے۔ اگر اسکی فضیلت احادیث سے ان پر ثابت نہ ہوتی۔ تو کبھی وہاں قیام نہ کرتے ۱۲ منہ

بعض روایات میں ہے۔ اذا زرت فانصرف ولا تتخذہ وطناً۔ زیارت کر چکو۔ تو واپس ہو جاؤ۔ وہاں وطن نہ بناؤ۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ زائر آنحضرت کو چاہئے کہ محزون وگریاں ہو۔ اور بھوک پیاس میں اس مظلوم سے مشابہت رکھتا ہو۔ جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہوا ہے۔ کہ یہ امور مجاورت دائمی میں قائم نہیں رہ سکتے۔ بخلاف مشہد امام رضا عہ کے کہ ایک غیر آباد وحشتناک مقام تھا۔ بخوف دشمناں جمعیت کی صورت ان ایام میں وہاں نہ تھی۔ جیسا کہ مجالس المومنین وغیرہ سے ظاہر ہے کہ چار سے سال تک کچھ آبادی نہیں ہوئی زائرین خوف وحشیہ میں تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے آپ کو غریب الغربا کہتے تھے۔ اس لئے آپ کے پاس ٹھیرنے اور مجاور ہونے کے عظیم ثواب وارد ہوئے۔ تاکہ لوگ وہاں آباد ہونے میں رغبت کریں۔ سو خدا کا شکر ہے۔ کہ اب حالت بدل گئی۔ آج اس بقعہ طیبہ میں شیعوں مومنوں کا ایسا مجمع ہے۔ کہ بڑے بڑے شہروں پر گوے سبقت لے گیا ہے +

دیگر ابن بابویہ ودیگر علماء نے روایت کی ہے۔ کہ آنحضرت صلوات اللہ علیہ نے فرمایا۔ کوئی شخص سفر نہ کرے طرف قبور کی۔ الا ہماری قبروں کی طرف آگاہ رہو۔ کہ میں زہر سے قتل ہونگا بروئے ظلم وعدوان۔ اور مدفون ہونگا بلاد غربت میں۔ جو کوئی مجھ غریب کی طرف بار باندھے۔ یعنی میری زیارت کے واسطے سفر کرے۔ تو جناب اقدس احدیت اسکی تمام دعائیں قبول کرے اور تمام گناہ بخش دیگا +

دیگر جناب صادق عہ سے نقل ہوا ہے۔ کہ میرا بیہر زادہ علی بن موسیٰ طوس خراسان میں دفن ہوگا۔ جو کوئی وہاں اس کی زیارت کرے۔ حالانکہ عارف بحق امامت اس کا ہو۔ حق تعالیٰ اس کو اس شخص کا ثواب عطا کریگا۔ جسنے قبل از فتح مکہ اپنا مال راہ خدا میں خرچ کیا ہو۔ اور جہاد کیا ہو ساتھ رسول اللہ صلعم کے +

دیگر حضرت امام محمد تقی عہ سے نقل کیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ جو کوئی زیارت کرے میرے پدر بزرگوار کی ملک طوس میں۔ خدا تعالیٰ اس کے گزشتہ وآئندہ گناہ بخش دیگا۔ جب دن قیامت کا ہوگا۔ تو اس شخص زائر کے واسطے ایک ممبر نور کا

نصب کرینگے۔ مقابل رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ کے وہ اس منبر پر رہینگے۔ جب تک کہ حق تعالےٰ حساب بندگاں سے فارغ ہو +

زیارت آنحضرتؑ موجب قضا حاجات ہے

شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے عیون میں روایت کی ہے۔ کہ امام علی نقیؑ نے فرمایا۔ جس کو خدا تعالےٰ سے کوئی حاجت ہو۔ تو اُس کو چاہیئے کہ میرے جد بزرگوار کی زمین طوس میں جاکر زیارت کرے۔ حالانکہ زیارت سے پہلے غسل کر چکا ہو۔ پس دو رکعت نماز بجانب سر مبارک آنحضرتؑ پڑھے۔ اور قنوت میں اپنی حاجت جو کچھ درپیش ہو خدا سے طلب کرے۔ حق تعالےٰ اس کو بر لاویگا۔ بشرطیکہ کسی معصیت یا قطع رحم کی دُعا نہ کرے۔ تحقیق کہ موضع قبر شریف و مضجع منیف آنحضرتؑ کہ ایک روضہ ہے ریاض جنت سے۔ جو مومن کہ اس کی زیارت کرتا ہے۔ حق تعالےٰ اس کو آتش جہنم سے نجات دیگا۔ اور دار القرار جنت میں داخل فرمائیگا +

دیگر عیون الاخبار میں مروی ہے۔ کہ ابو الصلت ہروی نے کہا۔ میں خدمت بابرکت امام رضاؑ میں حاضر تھا۔ کہ کچھ لوگ اہل قم سے داخل ہوئے۔ اور سلام کیا آنحضرتؑ پر۔ آپ نے جواب سلام دیا۔ اور اپنے پاس بٹھایا۔ پھر فرمایا مرحبا ہو اے اہل قم تمکو۔ تم ہمارے حقیقی شیعہ ہو۔ ایک وہ زمانہ آئیگا۔ کہ طوس میں میرے مرقد کی زیارت کروگے۔ آگاہ رہو۔ کہ جو کوئی میری زیارت کریگا۔ حالانکہ باغسل ہوگا۔ تو گناہوں سے اس طرح نکل آئیگا جیسے کہ اس روز تھا۔ جب کہ شکم مادر سے تولد ہُوا +

دیگر امام علی نقی سے روایت کی ہے۔ کہ فرمایا پروردگار عالم اہل قم و اہل سادہ کے گناہ بخش دیگا ببرکت میرے جد بزرگوار امام رضاؑ شاہ خراسان کے۔ آگاہ رہو۔ کہ جو آنحضرتؑ کی زیارت کو جائے۔ اور اثناء راہ میں اُس کو قطرۂ باراں یا کوئی اور شے آسمان سے پہنچے۔ تو حق تعالےٰ آتش جہنم کو اس کے اُوپر حرام کریگا۔ صاحب تحفہ کہتے ہیں۔ کہ وجہ تخصیص ان دو شہروں کی شاید یہ ہو۔ کہ ان دنوں میں وہاں شیعوں کی کثرت

تھی۔ جو کہ معتقد امامت حضرت تھے +

احادیث جن میں زیارت آنحضرتؑ زیارت سیدالشہداؑ و باقی ائمۂ ہدےٰ سے راجح بتلائی گئی ہے

شیخ صدوق نے عیون میں اور شیخ طوسی نے تہذیب الاحکام میں روایت کی ہے کہ حضرت امام محمد تقیؑ سے سوال کیا گیا کہ فدا ہوں آپ پر تمہارے بزرگوار کی زیارت اشرف ہے۔ یا جد بزرگوار حضرت سیدالشہداءؑ کی زیارت۔ فرمایا زیارت میرے باپ کی افضل ہے۔ اس لئے کہ حضرت سیدالشہداءؑ کی زیارت سب لوگ کرتے ہیں۔ مگر میرے پدر غریب کی زیارت خاص شیعہ ہی کرتے ہیں۔ یعنی زیارت حضرت امام حسینؑ میں تمام فرقہائے شیعہ زیدی۔ کیسانی۔ فطحی۔ حاسدی وغیرہ شامل ہیں۔ بخلاف زیارت امام رضاؑ کے کہ شیعیان اثنا عشری سے خاص ہے کیونکہ یہ معلوم ہے۔ کہ جو کوئی امامت امام رضاؑ کا قائل ہوا۔ باقی ائمہؑ کا بھی قائل ہوا۔ پس جو عمل شیعان اثنا عشری سے مخصوص ہوگا۔ اس کا ثواب زیادہ ہوگا بہ نسبت اس کے کہ دیگر فرقوں میں مشترک ہو۔ ہکذا افاد صاحب التحفۃ الرضویہ +

دیگر منقول ہے کہ جناب عبدالعظیم نے امام محمد تقیؑ کی خدمت میں عرض کیا۔ فدا ہوں آپ پر۔ حیران ہوں۔ کہ آیا آپ کے جد بزرگوار حسینؑ شہید کی زیارت کروں یا پدر عالیقدر امام رضاؑ کی۔ آپ کا اس میں کیا ارشاد ہے۔ یہ سن کر اشک چشمہائے مبارک سے رواں ہوئے۔ بحدیکہ رخساروں پر بہنے لگے۔ فرمایا۔ اے عبدالعظیم مرے جد عالیمقدار کے زوار بہت لوگ ہیں۔ مگر میرے پدر غریب کے زوار بہت کم ہیں۔ مدعا یہ کہ میرے پدر غریب الغرباءؑ کی زیارت مقدم ہے +

دیگر ابن بابویہ علیہ الرحمہ نے نقل کیا ہے۔ کہ ایک شخص نے صلحاء مومنین سے پیغمبرؐ خدا کو خواب میں دیکھا۔ عرض کی فدا ہوں تم پر یارسول اللہؐ تمہاری اولاد طاہرینؑ سے کس کی زیارت کروں۔ فرمایا۔ بعض ان سے تیغ جفا سے شہید ہو کر ہمارے پاس آئے بعض زہر ستم سے قتل ہو کر۔ عرض کی۔ ان کے مشاہد مقدسہ متفرق ایک دوسرے سے

فاصلے پر واقع ہیں۔ کس کی زیارت کی جائے۔ فرمایا۔ جس کا مشہد تیرے گھر سے نزدیک ہو۔ اور وہ ارض غربت میں دفن ہوا ہو۔ اس کی زیارت کر۔ عرض کی حضرت کی مراد امام ضامن ہیں۔ فرمایا۔ صلے اللہ علیہ کہ تین مرتبہ +

جناب اخوند مجلسی رح نے بعد نقل احادیث افضیلت جو کلام تحفۃ الزائرین میں لکھا ہے۔ وہ انہی کی عبارت میں اس طرح ہے "مؤلف گوید۔ کہ گویا مراد ایں باشد کہ چوں افضلیت زیارت امام حسینؑ مشہور گردیدہ است اکثر علماء شیعہ رغبت بزیارت آنحضرت میکنند و فضیلت امام رضا ع را کمتر شنیدند و کمتر رغبت میکنند۔ پس ایں حکم مخصوص آں زماں خواہد بود و بنا بریں در ہر عصرے ہر امام را کہ زیارت کمتر کنند۔ زیارت او افضل خواہد بود و ممکن است مراد ایں باشد کہ امام حسینؑ را شیعہ و سنی زیارت می کنند و آنحضرت را بغیر از شیعہ زیارت نمیکنند یا آنکہ ہر کہ زیارت آنحضرت کنند با اعتقاد امامت آنحضرت دارد او از خواص شیعہ ست یعنی اثنا عشری است زیرا کہ ہر کہ اعتقاد با مامت آنحضرت دارد بہمہ ائمہ اعتقاد دارد بخلاف امام حسینؑ کہ ہر فرق شیعہ اعتقاد با مامت او دارند +

حرم محترم آنحضرت باعث امن و برکت ہے

علماء اعلام نے روایت کی ہے۔ کہ امام محمد تقیؑ نے فرمایا کہ درمیان دو کوہ طوس قبضہ خاک ہے بہشت عنبر سرشت کی۔ جو کوئی اس قبضۂ خاک کے محل و مقام یعنی روضۂ مقدسہ امام واجب الاحترام میں داخل ہو۔ بروز قیامت آتش جہنم سے امین ہوگا۔ صاحب تحفہ کہتے ہیں۔ کہ ۱۲۵۱ھ میں مشہد مقدس میں وبا پڑی۔ تو اکثر اہل شہر بھاگ کر گرد و نواح کے پہاڑوں میں چلے گئے۔ الا یہ روسیاہ تباہ روزگار اپنے مقام سے نہ ہلا۔ اور مجاورت روضۂ منورہ کو میں نے ترک نہ کیا۔ ہر روز صبح و شام عتبہ عالیہ پر کہ ملجا و ماوائے انس و جن ہے حاضر ہوتا۔ اور عرض کرتا۔ اے سبب نجات ہر خاطی و عاصی آپ کا روضۂ منورہ وہ مقدس و مطہر مقام ہے۔ کہ اس کے باب میں فرمایا ہے۔ ان بین جبلے طوس قبضۃ من الجنۃ کہ طوس کے دو پہاڑوں کے درمیان مشت خاک جنت ہے کہ جو اس میں داخل ہوا۔ بروز قیامت آتش جہنم سے بیخوف ہوگا۔ یہ ایسا ہے۔

جیساکہ حق تعالےٰ نے اپنے بیت معظم کے حق میں فرمایا۔ مَنْ دَخَلَہ کانَ اٰمِنا۔ جواس میں داخل ہُوا امن میں ہوگیا۔ پس ببرکت اس پشت و پناہ عاصیاں وملجا و ماوائے ضعیفاں یہ احقر اور میرے اہل و عیال بلائے وبا سے ہر طرح پر محفوظ و مصئون رہے۔ بلکہ حق تعالےٰ نے اپنے فضل و امتنان سے انہی ایام میں ایک فرزند نرینہ اس اذل الخلائق کو عطا فرمایا۔ پس میں نے امر کیا۔ کہ اس حدیث مقدس کو بخط جلی لکھ کر کفش گاہ کے پھاٹک پر جس سے کہ ایوان طلا میں داخل ہوتے ہیں۔ لٹکا دیں۔ تاکہ جس وقت زیارت کے لئے حاضر ہوں یہ مقدس حدیث دکھائی دے ✤

زیارت امام رضاؑ ماہ رجب میں افضل ہے

شیخ طوسی نے تہذیب میں اور صدوقؒ نے عیون الاخبار میں روایت کی ہے۔ کہ محمد بن سلیمان نے امام محمد تقیؑ کی خدمت میں عرض کی۔ آپ پر فدا ہوں۔ ایک شخص نے حجۃ الاسلام و عمرۂ تمتع واجب تھا۔ بجالایا۔ پھر مدینہ منورہ میں اگر زیارت حضرت رسولؐ خدا و فاطمہ زہراؑ و ائمہ بقیع سے مشرف ہُوا۔ بعد ازاں نجف اشرف و کربلائے معلےٰ کی زیارت کی۔ پھر بغداد پہنچ کر امام موسیٰ کاظمؑ کی زیارت سے فیضیاب ہُوا۔ سال دیگر پھر حق تعالےٰ نے اس کو ثروت و استطاعت عطا کی۔ تو آیا اب وہ دوبارہ حج کو جاوے یا خراسان جاکر آپ کے پدر غریب و شہید کی زیارت کرے۔ حضرت نے فرمایا۔ چاہئے۔ کہ زیارت شاہ خراسان و امام غریباں کی کرے۔ مگر افضل یہ ہے کہ زیارت آنحضرت کی ماہ رجب میں کی جاوے۔ کیونکہ آج کل اس طرف جانا باعث ایذا و ہتک حرمت ہے۔ اور ایک نسخہ میں ہے۔ فانا علینا و علیکم خوفٌ من السلطان شنیعہ۔ یعنی فرمایا۔ کہ ہم اور تم دونوں پر بادشاہ وقت کی طرف سے اندیشہ شنیع ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان دنوں کسی حاکم جابر مخالف مذہب و معاند اہل بیت کی طرف سے خوف ہلاکت یا ہتک حرمت تھا۔ اس لئے آپ نے اس سے منع فرمایا۔ اس کے بعد تصریح کی کہ زیارت آنحضرت کی حج و عمرۂ سنتی سے افضل ہے ✤

آپ کی زیارت آخرت میں تین مقام پر کام آویگی۔ محمد بن بابویہؒ نے روایت کی ہے

کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ جو کوئی راہ دور سے میری زیارت کو آئے۔ تو میں بروز قیامت تین مقاموں پر اس کی فریاد رسی کرونگا۔ یعنی وہاں کے اہوال و شدائد سے اُسے نجات دلواؤنگا ایک۔ بوقت تقسیم نامۂ اعمال دوم۔ پُل صراط پر تیسرے اس وقت جبکہ ترازوۓ وزن اعمال کے نصب کریں۔ صاحب تحفہ کہتے ہیں۔ کہ ان تین مکانوں کی تخصیص شاید اس وجہ سے ہو کہ جو زوار بلاد بعیدہ سے راہ دور طے کر کے آتے ہیں۔ جس طرف سے آئیں۔ ضرور ہے۔ کہ تین منزل یا اس سے زیادہ خوفناک مقامات سے عبور کریں۔ اس وقت زیارت سے مشرف ہوں۔ مثلاً زائران از راہ ایران کہ ان کو یہ تین خوفناک منزل پیش آتی ہیں۔ عباس آباد۔ الماک۔ میان دشت۔ جو توران کی طرف سے آتے ہیں۔ ان کو مرو۔ سرخس۔ وغیرہ پُرخطر دشوار گزار راستے طے کرنے پڑتے ہیں۔ اور یزد و کرمان سے آنیوالوں کو بلوچوں کی رہزنی کا کھٹکا لگا ہُوا ہے۔ علےٰ ہذا کابل۔ قندھار۔ ہرات کے راستے بھی خوفناک ہیں۔ جب زوار اپنے اُوپر تشدد کر کے ان خوفناک منزلوں کو عبور کرتے ہیں۔ تو بمقتضائے ھل جزاء الاحسان الا الاحسان اس سرورِ عالمیان پر لازم ہُوا کہ ان کو منازل مخوفہ مذکورہ روز قیامت سے رہا کرائیں۔ گو ان منازل میں ان کو کوئی صدمہ بھی نہ پہنچے۔ کیونکہ نفس خوف ہی ایک مصیبت بلکہ اشد مصائب ہے۔ جیساکہ حق تعالےٰ نے آیۂ شریفہ لَیَبْلُوَنَّکُم بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ الخ میں بمقام بیان انواع شدائد و تکالیف خوف کو سب تکلیفوں سے مقدم ذکر کیا ہے پس جب کہ زائرین راہ مشہد مقدس میں خوف کے متحمل ہو کر روضۂ عرش درجہ تک کہ فی الحقیقۃ روضۃ من ریاض الجنۃ ہے پہنچتا ہے۔ تو جزا اس کی یہ ہے۔ کہ بروز قیامت ان مقامات مذکورہ سے بے روک ٹوک گزر کر داخل بہشت ہو +

جواز تبرک از خاک مشہد مقدس۔ مشہد امام رضا صلوات اللہ علیہ کی مٹی سے تبرک کرنا اسی طرح جائز ہے۔ جیساکہ خاک پاک کربلا تبرکاً اٹھائی جاتی ہے۔ بلکہ تمام معصومین کی مشاہد کی خاک کا یہی حکم ہے۔ چنانچہ شیخ حر عاملی رہ نے کتاب

مستطاب وسائل الشیعہ فی مسائل الشریعہ میں امام علی نقیؑ سے روایت کی ہے۔ کہ آپ نے محمد بن سلیمان زرقان سے کہا۔ اے زرقان ہماری تربت کی مٹی سب ایک ہے۔ اور ایک ہی جگہ کی ہے طوفان نوح کے زمانے میں پراگندہ ہوگئی تھی۔ اس لئے ہماری قبریں متفرق مقامات میں بن گئیں۔ ورنہ مٹی سب ایک ہی ہے +

کیفیت زیارت آنحضرتؑ

آداب و مقدمات

شیخ فقیہ محمد بن قولویہ سے نقل ہوا ہے۔ کہ جب کوئی چاہے کہ زیارت حضرت امام رضاؑ کو روانہ ہو۔ تو غسل کرے۔ اور بوقت غسل اس دعا کو پڑھے۔ اللھم طھرنی وطھرنی قلبی واشرح لی صدری واجر علی لسانی مدحتك والثناء علیك فانہ لاقوۃ الا بك اللھم اجعلہ لی طھورًا وشفاءًا۔ اور جب گھر سے نکلے۔ تو کہے۔ بسم اللہ بسم اللہ وباللہ والی اللہ والی ابن رسول اللہ حسبی اللہ توکلت علی اللہ اللھم الیك توجھت والیك قصدت وما عندك اردت۔ گھر سے باہر نکلے۔ تو دروازے پر کھڑا ہو اور کہے۔ اللھم الیك توجھت وجھی وعلیك خلقت مالی واھلی وولدی وما خولتنی وبك وثقت فلا تخیبنی یامن لا یخیب من ارادہ ولا یضیع من حفظہ صل علی محمد وال محمد واحفظنی بحفظك فانہ لا یضیع من حفظت۔ بعض کتب میں ہے۔ کہ دعاہائے مذکورہ کا پڑھنا مشہد مقدس کے ارادہ سے مخصوص نہیں۔ جس امام معصوم کی زیارت کے ارادہ سے اپنے مکان سے نکلے۔ ان کا پڑھنا مستحب ہے جب اس مقام پر پہنچے جہاں سے کہ قبہ مبارکہ حضرت امام رضاؑ دکھائی دیتا ہے۔ اور نظر اس کی قبۂ منورہ پر پڑے۔ تو کہے۔ السّلام علیك یا اھل بیت النبوۃ ومعدن الرسالۃ وخزان العلم ومنتھی الحلم واصول الکرم وقادۃ الامم وسلطان العباد ودعائم الاخیار وعناصر الابرار وساسۃ العباد وارکان البلاد وابواب الایمان وامناء الرحمان وسلالۃ النبیین وصفوۃ المرسلین وعترۃ خیرۃ رب العلمین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - جب دیوار شہر پناہ کے اندر داخل ہو - تو کہے - الحمد للہ الذی وفقنی بقصد اولیائہ وزیارۃ حججہ واوردنی حرمھم ولم یخیبنی من زیارۃ قبورھم والنزول بعقوۃ مغیبھم وساحۃ تربتھم الحمد للہ الذی لم یسمنی بحرمانی ما املتہ ولا صرف عنی ما رجوتہ ولا قطع رجائی فیما توقعتہ بل البسنی عافیتہ وافادنی نعمتہ واتانی کرامتہ - جب جائے نزول پر پہنچے - تو وضو کرے - پھر غسل زیارت بجالائے - یعنی وضو کو غسل پر مقدم کرے - ہنگام غسل یہ دعا کہ محمد بن قولویہؒ اور شیخ طوسیؒ نے نقل کی ہے کہے - اللھم طھرنی وطھر قلبی واشرح لی صدری واجر لسانی بمدحتک ومحبتک والثناء علیک فانہ لاحول ولا قوۃ الا بک وقد علمت ان قوۃ دینی التسلیم لامرک والاتباع لسنۃ نبیک والشھادۃ علی جمیع خلقک اللھم اجعلہ لی طھورا وشفاء ونورا انک علی کل شئ قدیر ۃ - غسل سے فارغ ہو کر یہ دعا جس کو شیخ طوسیؒ نے جناب صادق آل محمدؐ سے روایت کی ہے پڑھے - اللھم اجعلہ نورا وطھورا وحرزا وکافیا من کل داء وسقم وکل آفۃ وعاھۃ وطھر بہ قلبی وجوارحی وعظامی ولحمی ودمی وشعری وبشری ومخی وعصبی وما اقلت الارض منی واجعلہ لی شاھدا یوم القیامۃ یوم حاجتی وفقری وفاقتی یا ارحم الراحمین - اگر کسی وجہ سے غسل ممکن نہ ہو - تو وضو ہی کرے - کہ وہی ثواب ملیگا - پس بعد طہارت پاکیزہ ترین لباس پہنے - اور خوشبو لگائے -

طریق زیارت آنحضرتؑ

اور سکون و آرام کے ساتھ متوجہ حرم محترم آنحضرتؑ ہووے - در آنحالیکہ پائے برہنہ ہو - اور تسبیح وتہلیل زبان پر جاری ہو - اور مستحب ہے - کہ قدم تھوڑی دور رکھے کہ موجب زیادتی ثواب ہے اور پہلی حدیث میں گزرا کہ ہر ایک قدم کہ زائر اس راستے میں اُٹھاتا ہے - اس پر ثواب دو ہزار حج مقبولہ اور دو ہزار عمرہ مبرورہ کا اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے - جب دروازہ آستانہ مقدسہ پہ پہنچے - تو سعی کرے - کہ کسی قدر رقت ہو - بعد ازاں اذن دخول اس طریق پر حاصل کرے - یا مولای وابن مولای انا عبدک وابن عبدک الذلیل بین یدیک

دعاء طلب اذن دخول

المعروف بحقك جائك مستجيرا بذمتك قاصداً لحرمك متوجها الى مقامك
متوسلا الى الله تعالى بك ء ادخل يا الله ء ادخل يا رسول الله ء ادخل يا نبی الله ء ادخل
يا حجة الله ء ادخل يا امير المومنين ء ادخل يا فاطمة الزهرآء سيدة نساء العالمين
ء ادخل يا مولانا ابا محمد الحسن ء ادخل يا مولانا ابا عبد الله الحسين ء ادخل يا
مولای علی بن الحسين ء ادخل يا مولانا يا ابا محمد بن علی ء ادخل يا ابا عبد الله
جعفر بن محمد ء ادخل يا ابا الحسن موسی بن جعفر ء ادخل يا مولانا ابا الحسن
يا ولی الله يا حجة الله علی خلقه عليك سلام الله ورحمة الله وبركاته ء ادخل
يا ايها الملئكة المقربون المقيمون الحافون المحدقون فی هذا المشهد الشريف
المبارك ورحمة الله وبركاته - طلب اذن دخول بطریق دیگر یہ ہے - کہ کہے -

بطریق دیگر

الحمد لله الذی هدانا لهذا وما كنا لنهتدی لولا ان هدانا الله لقد جاءت رسل
ربنا بالحق فقلت وقولك الحق يا ايها الذين امنوا لا تدخلوا بيوت النبی الا ان
يوذن لكم فها انا ذا استاذنك واستاذن رسولك صلوات الله عليه واستاذن
امير المومنين واستاذن فاطمة الزهرآء والحسن والحسين وعلی بن الحسين
ومحمد بن علی وجعفر بن محمد وموسی بن جعفر واستاذن يا مولای يا ابا الحسن
فی الدخول الی حرمك واستاذن الملئكة الموكلين بمشهدك صلوات الله وسلامه
عليكم ورحمة الله وبركاته - اور بعض کتب مزار میں لکھا ہے - کہ جب دروازۂ
آستانہ مقدسہ پر پہنچے - تو یوں کہے - الله اكبر الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله والله اكبر
الحمد لله علی هدايته لدينه والتوفيق لما دعا اليه من سبيله اللهم انك اكرم
مقصود واكرم ماتی وقد اتيتك متقربا اليك يا ابن بنت نبيك صلواتك عليه
وعلی ابائه الطاهرين وابنائه الطيبين اللهم صل علی محمد وال محمد ولا تخيب
سعيی ولا تقطع رجائی واجعلنی عندك وجيها فی الدنيا والاخرة ومن المقربين -
شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے کتاب تہذیب الاخبار میں محمد بن حسن بن ولید قمی کی کتاب موسوم
بہ جامع سے نقل کیا ہے - کہ جب روضۂ مقدسہ میں داخل ہو - اور قبر مطہر کے سامنے

پہنچے۔ تو منہ اپنا طرف ضریح مقدسہ کے کرے۔ اور قبلہ کو درمیان دوشانوں کے قرار دے۔ یعنی پشت بہ قبلہ ہو۔ اور کہے۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ وانہ سید الاولین والاخرین وانہ سید الانبیاء والمرسلین۔ اللھم صل علی محمد عبدک ورسولک ونبیک وسید خلقک اجمعین صلوۃ لا یطیق احصاءھا غیرک اللھم صل علی امیر المومنین علی بن ابی طالب عبدک واخی رسولک والذی انتجبتہ لعلمک وجعلتہ ھادیا لمن شئت من خلقک والدلیل علی من بعثتہ برسالاتک ودیان الدین بعدلک وفصل قضائک بین خلقک والمھیمن علی ذالک کلہ والسلام علیہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللھم صل علی فاطمۃ بنت نبیک وزوجۃ لبیک وام السبطین الحسن والحسین سیدی شباب اھل الجنۃ الطھرۃ الطاھرۃ التقیہ المرضیہ الزکیۃ سیدۃ نساء اھل الجنۃ اجمعین صلوۃ لا یقوی احصاءھا غیرک اللھم صل علی الحسن والحسین سبطی نبیک وسیدی شباب اھل الجنۃ القائمین فی خلقک والدلیلین علی من بعثتہ برسالاتک ودیان الدین بعدلک وفصل قضائک بین خلقک اللھم صل علی علی بن الحسین عبدک القائم فی خلقک والدلیل علی من بعثتہ برسالاتک ودیان الدین بعدلک وفصل قضائک بین خلقک سید العابدین۔ اللھم صل علی محمد بن علی عبدک وخلیفتک فی ارضک باقر علم النبیین اللھم صل علی جعفر بن محمد الصادق عبدک وولی نبیک وحجتک علی خلقک اجمعین اللھم صل علی موسی بن جعفر عبد الصالح ولسانک الناطق فی خلقک بحکمتک والحجۃ علی بریتک۔ اللھم صل علی علی بن موسی الرضاء المرتضیٰ عبدک وولیک وولی دینک القائم بعدلک والداعی الی دینک ودین اٰبائہ الصادقین صلوۃ لا یقوی علی احصاءھا غیرک۔ اللھم صل علی محمد بن علی التقی الرضی صلوۃ لا یحصھا غیرک اللھم صل علی علی بن محمد عبدک وحجتک علی خلقک صلوۃ لا یقوی علی احصاءھا غیرک اللھم صل علی الحسن بن علی العامل بامرک القائم بحقک وحجتک المودی

عن نبیّک وشاهدک علی خلقک المخصوص بکرامتک الداعی الی طاعتک وطاعۃ
رسولک صلواتک علیہ وآلہ اللّٰھم صل محمد حجتک وولیک القائم فی خلقک
صلوۃ نامیۃ باقیۃ تامۃ تعجل بھا فرجتہ وتنصرہ وتجعلنا معہ فی الدنیا والاخرہ
واصرف عنی شر الدنیا والاخرۃ واکفنی بھم اھول یوم القیامۃ۔ پھر پیش روئے
آنحضرت بیٹھے۔ اور کہے۔ السّلام علیک یا ولی اللّٰہ السّلام علیک یا رحمۃ اللّٰہ
السّلام علیک یا نور اللّٰہ فی ظلمات الارض السّلام علیک یا عمود الدین السلام
علیک یا وارث آدم صفوۃ اللّٰہ السّلام علیک یا وارث نوح نجی اللّٰہ السّلام علیک
یا وارث ابراھیم خلیل اللّٰہ السّلام علیک یا وارث اسمٰعیل ذبیح اللّٰہ السّلام
علیک یا وارث موسیٰ کلیم اللّٰہ السّلام علیک یا وارث عیسیٰ روح اللّٰہ السّلام
علیک یا وارث محمّد حبیب اللّٰہ السّلام علیک یا وارث امیر المومنین
السّلام علیک یا وارث فاطمۃ الزھراء السّلام علیک یا وارث الحسن والحسین
سیدی شباب اھل الجنۃ اجمعین۔ السّلام علیک یا وارث علیّ بن الحسین
زین العابدین السلام علیک یا وارث موسیٰ بن جعفر العالم الحقّی السلام
علیک ایّھا الصادق الصدّیق الشھید السلام علیک الوصیّ التقی اشھد
انک قد اقمت الصلوۃ واتیت الزکوۃ وامرت بالمعروف ونھیت عن
المنکر وعبدت اللّٰہ مخلصا حتی اتاک الیقین السّلام علیک یا ابا الحسن رحمۃ
اللّٰہ وبرکاتہ انّہ حمید مجید۔ پھر اپنا دہنا ہاتھ قبر کو لگائے[۱]۔ اور کہے۔ اللّٰھم
الیک حمدت من ارضی وقطعت البلاء درجاء رحمتک فلا تخیّبنی ولا تردنی
لغیر قضاء حوائجی وارحم تقلبی علی قبر ابن اخی رسولک صلواتک علیہ وآلہ
بابی انت وامی اتیتک زائرا وافدا عائذا مما خبیت علی نفسی واحطت علی
ظھری فکن لی شفیعا الی اللّٰہ یوم فقری وفاقتی فان لک عند اللّٰہ مقام محمود

[۱] اس زمانے میں چونکہ قبر مطہر نمایاں نہیں یعنی اس کے گرد مکرر ضریحیں طلا و نقرہ و فولاد کی احاطہ کئے ہوئے ہیں تو بجائے
قبر شریف کے ضریح منور کو ہاتھ لگائے اور بجانب جسم کو اس سے ملائے ۱۲ عفی عنہ۔

وانت عند الله وجیهہ۔ پس ہاتھ کو قبر سے اُٹھاوے۔ اور بایاں ہاتھ اس پر رکھے۔
اور اپنی بائیں جانب کو قبر سے ملاوے۔ اور کہے۔ اللھم انی اتقرب الیک بحبھم واوسل
الیک بولایتھم واتولی اخرھم کما تولیت اولھم وابرأ الی الله من کل ولیجۃ دونھم
اللھم العن الذین بدلوا دینک وغیروا نعمتک واتھموا نبیک وجحدوا بایاتک
وسخروا بامامک وحملوا علی اکتاف ال محمد اللھم انی اتقرب الیک باللعنۃ علیھم
والبرأۃ منھم فی الدنیا والاخرۃ یا رحمن یا رحیم۔ پھر پائین پا آنحضرت کی طرف آئے
اور کہے۔ صلی الله علیک یا ابا الحسن صلی الله علی روحک الطیب وجسدک
الطاھر وبدنک الزکی صبرت واحتسبت وانت الصادق المصدق
لعن الله من قتلک بالایدی والالسن۔ اور مبالغہ کرے لعنت کرنے میں اُوپر
قاتلان امیر المومنینؑ و قاتلان باقی ائمہ علیہم السلام کے۔ پس پشت قبر سے سر کی طرف آوے
اور دو رکعت نماز زیارت کی پڑھے۔ رکعت اول میں بعد الحمد سورۂ یسین اور دوسری میں
سورۂ رحمان بعد فراغت اپنے اور اپنے ماں باپ اور عزیز و اقربا و دیگر برادران مومن کے
لئے دعا کرے۔ بعد ازاں سجدۂ شکر بجالائے۔ اور بحالت سجدہ کہے۔ اللھم انی صلیت
ورکعت لک وحدک لاشریک لک لان الصلوۃ والرکوع والسجود لایکون الا لک
وانت الله لا الٰہ الا انت صل علی محمد وال محمد وابلغھم عنی افضل التحیۃ والسلام
واردد علی منھم التحیۃ والسلام اللھم ھاتان الرکعتان ھدیۃ منی الی مولای ابی
الحسن علی بن موسی الرضا صلوٰتک علیہ اللھم صل علی محمد وال محمد وتقبلھما
منی واجزنی علی ذالک بافضل املی فیک وفی رسولک وفی ولد رسولک یا ولی
المومنین۔ پس جو حاجت رکھتا ہو خدا سے مانگے۔ اور ان دعاؤں سے جو بالائے سر
مبارک آنحضرت پڑھنی سنت ہیں جو کچھ ہو سکے پڑھے۔ علی ہذا تلاوت قرآن مجید جس قدر
ممکن ہو بجالائے۔ ان اعمال و آداب سے فارغ ہو کر جب چاہے کہ روضہ منورہ سے
باہر جائے۔ تو سجدۂ شکر کرے اور کہے۔ اللھم الیک توجھت وبک اعتصمت
وعلیک توکلت اللھم انت ثقتی ورجائی فاکفنی ما اھمنی وما لا یھمنی وانت اعلم

بہ منی عز جارک وجل ثناؤک لاالٰہ غیرک صل علی محمد وال محمد وقرب فرجھم ۔ پس دہنی جانب زمین پر رکھے اور کہے ۔ اللھم ارحم ذلی بین یدیک وتضرعی الیک ووحشتی من الناس وانسی بک یاکریم ۔ پس جانب چپ کو زمین پر رکھے اور کہے ۔ لاالٰہ الا انت ربی حقاً حقاً سجدت لک یارب تعبداً ورقاً اللھم ان عملی ضعیف فضاعف لی یاکریم یاکریم یاکریم ۔ پھر پیشانی زمین پر رکھے ۔ اور سو مرتبہ شکراً شکراً کہے ۔ اور سعی و کوشش کرے دعا و تضرع و زاری میں ۔ کیونکہ وہ مکان شریف محل دعا و سوال و مکان طلب آمرزش و استغفار ہے ۔ کیسے کیسے حاجتمندوں کی حاجتیں یہاں بر آئیں ۔ اور کس قدر گناہگاروں کے گناہ بخشے گئے ۔ پس جو حاجت ہو طلب کرے کہ حق تعالیٰ ببرکت صاحب قبر ضرور عطا کریگا ✚

آداب ہنگام توقف درمیان روضہ مبارکہ { آداب اس بقعہ مبارکہ سے ہے ۔ کہ جب تک وہاں رہے ۔ سوا عبادت خدا ۔ نماز تلاوت قرآن و دعا و زاری بدرگاہ باری کے کسی کام میں مشغول نہ ہو ۔ اور غنیمت جانے اس لحظہ کو کہ تعالےٰ نے اس میں وہاں حاضر ہونے کی توفیق عطا فرمائی ✚

دیگر یہ کہ خلاف ادب ہے ۔ کہ روضۂ مبارکہ میں دوسروں سے حاجت طلب کرے ۔ جیسے کوئی شخص کسی بادشاہ عظیم الشان کے حضور میں اپنے جیسے سے حاجت طلب کرے ۔ کہ یہ امر باعث کسر شان اس بادشاہ کے ہے ۔ مؤید اس کے ہے وہ حدیث جس کو شیخ محمد بن بابویہؒ نے روایت کی ہے ۔ کہ امام زین العابدینؑ نے روز عرفہ ایک شخص کو دیکھا ۔ کہ لوگوں سے سوال کر رہا ہے ۔ فرمایا وائے تجھ پر تو آج کے دن غیر خدا سے سوال کرتا ہے ۔ بتحقیق کہ جو اطفال شکم مادر میں ہیں ۔ ان کے لئے بھی اس دن کی برکت سے امید سعادت ہے یعنی یہ وہ دن ہے ۔ کہ رحمت خدا متوجہ حال آدمیاں ہے حتیٰ کہ جو بچے شکم مادر میں ہیں ۔ اور زبان سوال نہیں رکھتے ۔ ان کے لئے بھی امید رحمت ہے ۔ پس جو لوگ زبان سوال کرنے اور دعا مانگنے کی رکھتے ہیں حیف ہے ۔ کہ ایسے وقت

میں جبکہ رحمت الٰہی ان کی طرف متوجہ ہو کسی دوسرے سے سوال کریں +

دیگر یہ کہ موزہ کفش نعلین بلکہ جراب پہنکر داخل ہوں۔ اور جامۂ نفیس و طاہر زیب تن ہو۔ اور خوشبو کا استعمال کریں۔ اور بموجب اس روایت کے کہ شیخ مفیدؒ و دیگر علماء نے صفوان سے منسوب کی ہے بوسہ دینا عتبۂ عالیہ کا مستحب ہے +

دیگر جیسا کہ پہلے ارشاد ہوا جب اندر داخل ہو۔ تو چونکہ شہداء راہ خدا بنص قرآن زندہ ہیں جانے۔ کہ میں ایک بادشاہ جلیل القدر کے سامنے حاضر ہوں پس جو باتیں مقتضاء تعظیم و ادب ہوں۔ مثل سر نہوڑانے آنکھیں نیچے کی طرف جھکائے رکھنے عمل میں لاوے بلکہ سوائے زیارت پڑھنے اور طواف کرنے تلاوت قرآن اور نماز و تفرع و نیاز بدرگاہ خدا گڑگڑا کر دعائیں مانگنے کے دوسرے کام میں مشغول نہ ہو +

طواف روضۂ منورہ | ضریح منورہ کے گرد پھرنا اور اس کو بوسہ دینا مستحبات سے ہے۔ اور فقرات عبارت زیارت ناحیہ مقدسہ اس پر دلالت رکھتی ہیں۔ جہاں کہا گیا ہے۔ اطوف بیابکم فی کل حین۔ کہ تمہاری درگاہ کا ہر وقت طواف کروں۔ والا ان یطوف حول مشاهدکم مگر یہ کہ طواف کرے گرد تمہاری مشاہد مقدسہ کے۔ اور بعض احادیث صحیحہ میں جو حضرت صادق آل محمد صلوات اللہ علیہ سے روایت ہوئی ہیں۔ منقول ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا۔ کھڑے ہو کر پانی نہ پیو۔ اور آب استادہ میں پیشاب نہ کرو۔ اور قبر کا طواف نہ کرو۔ تحقیق کہ جو کوئی ان امور کا مرتکب ہو۔ اور اس کو کوئی بلا پیش آوے تو چاہیئے۔ کہ وہ اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے یعتمد اس سے ملا جلا نہ ہوگی۔ اس وقت تک کہ خدا چاہے۔ تو مراد اس سے عام قبریں ہیں نہ قبور ائمہ ہدے صلوات اللہ علیہم۔ اور یا طواف سے خاص طواف مثل طواف خانہ کعبے کے مراد ہوگا۔ کہ سات مرتبہ سے کم نہیں ہو سکتا۔ پس ایک دو مرتبہ ضریح کے گرد پھرنا اس کے منافی نہ ہوگا +

دیگر ضریح منورہ کے متصل ہونا یعنی اس سے لپٹ کر گڑگڑانا و تضرع و زاری بدرگاہ باری بجا لانا مستحب ہے شہید اولؒ نے کتاب دروس میں افادہ فرمایا ہے۔ کہ یہ خیال کرنا کہ ضریح مقدس سے علیحدہ دور کھڑا ہونا مقتضاء ادب ہے توہم محض ہے۔ کیونکہ اس

تکیہ کرنا اور بوسہ دینا صراحۃً احادیث میں منصوص ہے۔ صاحب تحفہ کہتے ہیں۔ کہ شائد مراد
مرحوم کی اس نص صریح سے توقیع حمیری ہے جس میں اس قسم کے بہت سے احکام
مندرج ہیں +

دیگر جب باہر آنے لگے۔ تو اس طرح نکلے۔ کہ ضریح اقدس کی طرف پشت نہ ہو۔
کیونکہ یہ ترک ادب ہے +

دیگر جو کچھ ممکن ہو خیرات کرے اس مقام مقدس میں۔ اور وہاں کے محتاجوں کو خاصکر
مجاورین آستان عرش نشان کہ پریشان حال ہوں۔ ان کے ساتھ تھوڑا بہت جو کچھ
ممکن ہو سلوک کرے +

ایام مخصوصۂ زیارت ۔ مجلسی علیہ الرحمہ نے بحار الانوار میں نقل کیا ہے۔ کہ زیارت
آنحضرتؑ کی ایام شریفہ و زمانہائے جلیلہ میں افضل ہے خاصکر روز ولادت کہ ۱۱ ذی قعدہ
ہے۔ اور روز شہادت کہ ۲۳ یا آخری ماہ صفر کی ہے۔ اور جس روز کہ وہ حضرت ولیعہد
مقرر ہوئے۔ جو پہلی یا چھٹی ماہ رمضان کی ہے۔ آقا سید ابن طاؤس رح نے کتاب اقبال میں
نقل کیا ہے۔ کہ ۶ رمضان کو دو رکعت نماز بجالائے۔ ہر رکعت میں الحمد ایک مرتبہ اور قل ہو اللہ احد
۲۵ مرتبہ پڑھے۔ اس کے شکریہ میں کہ اس دن حق تعالے نے حقوق آنحضرتؑ کے عالم
پر آشکار کئے۔ اور روضۂ اقدس میں ہو۔ تو مناسب ہے۔ کہ زیارت کرکے اس نماز کو
بمقام بالائے سر آنحضرت بجالائے۔ کہ وہ مقام شریف افضل ہے۔ پس پشت و
پائین پائے اس سرور سے۔ اور قنوت نماز میں اپنے مطالب و حاجات کو خدا سے
طلب کرے۔ انشاء اللہ تعالے مقرون باجابت ہونگی۔ جیسا کہ امام علی نقیؑ نے
فرمایا۔ کہ جس کسی کو کوئی مطلب یا حاجت پیش آئے۔ تو اسکو چاہئے۔ کہ ہمارے
جد امجد امام رضاؑ کی زیارت سے مشرف ہو۔ حالانکہ پہلے غسل کرچکا ہو۔ پس
دو رکعت نماز بالائے سر اقدس بجالائے۔ اور قنوت میں اپنا مطلب و دعا
بدرگاہ خداوند عز و جل پیش کرے۔ انشاءاللہ اس کی حاجت بر آئیگی۔ اور یہ
دو رکعت نماز بمنزلہ ہدیہ کے ہے زائر کی طرف سے مزور کو مثل اس کے کہ کوئی

شخص بادشاہ یا کسی اور جلیل القدر مرد کے پاس جائے۔ تو اسے چاہئے۔ کہ کوئی تحفہ یا ہدیہ اس کی خوشنودی کے لئے اپنے ساتھ لے جائے۔ چونکہ اموال دُنیا آنحضرت کے نزدیک پر پشہ کی برابر قدر نہیں رکھتے۔ لہٰذا زائر یہ دو رکعت نماز قربۃً الی اللہ بجالائے۔ اور بعد میں اس کا ثواب روح پرفتوح آنحضرت کو ہدیہ کرے۔ تو جیسا ثواب درود و صلوٰۃ کا خود بندہ کی طرف راجع ہوتا ہے۔ ثواب اس نماز ہدیہ کا بھی خواس کی طرف رجوع کرتا ہے +

قنوت جاننا چاہیئے۔ کہ اگر نمازہائے سنتی میں بوقت قنوت اپنا مطلب فارسی واردو وغیرہ میں سوائے زبان عربی کے بیان کرے۔ تو بموجب فتوئے ایک جماعت علمائے کے یہ امر جائز ہے۔ اور چونکہ حدیث میں ہے۔ من قدم اربعین مومنا ثم دعا استجیب لہ۔ کہ جو کوئی پہلے چالیس مومنوں کے لئے دعا کرے۔ پھر اپنے واسطے مانگے۔ تو دعا اُس کی قبول ہوگی۔ اور وجہ اس کی ظاہر ہے۔ کہ رحم کرنا غیر پر اور پھر اسکی غیبت میں۔ ضرور باعث استجابت دعا ہے۔ اس لئے قنوت وتر میں چالیس مومنوں کے لئے دعا کرنا مستحب قرار پایا۔ پس بموجب اس کے اگر اوّل چالیس مومنوں کے لئے دعا کر کے اپنے واسطے دعا کرے۔ تو بہت افضل ہے۔ اور ضرور وہ دعا مستجاب ہوگی۔ خصوصاً اس بقعہ مبارکہ میں کہ ہر ممکن کو صاحب قبر سے امید شفاعت ہے۔ یہاں پر ایسی دعا خالی نہ جائیگی +

شیخ مفید رہ نے ذکر کیا ہے کہ بعد نماز زیارت حضرت امام رضاؑ اس دعا کا پڑھنا سنت ہے۔ اللھم انی اسئلک یا اللہ الدائم فی ملکہ القائم فی عزۃ المطاع فی سلطانہ المتفرد فی کبریائہ المتوحد فی دیمومیۃ بقائہ العادل فی بریتہ العالم فی قضیتہ الکریم فی تاخیر عقوبتہ الھی حاجاتی مصروفۃ الیک وامانی موقوفۃ لدیک وکلما وفقتنی من خیرفانت دلیلی علیہ وطریقی الیہ یا قدیرًا لا تؤدہ المطالب یا ملیًا بلجا الیہ کل راغب مازلت مصحوبا منک بالنعم جاریًا علی عادۃ الاحسان والکرم اسئلک بالقدرۃ النافذۃ فی جمیع الاشیاء وقضائک المبرم الذی تحجبہ بالیسر الدعاء وبالنظرۃ اللتی نظرت بھا الی

الجبال فتشامخت والى الارضين فتسطحت والى السموات فارتفعت والى البحار
فتفجرت يا من جل عن ادوات لحظات البشر ولطف عن دقائق خطرات الفكر
لا تحمد يا سيدی الا بتوفيق منك يقتضی حمدا ولا تشكر على اصغر منة الا استوجبت
بها شكرا - فمتى تحصى نعمائك يا الٰهی وتجازى الائك يا مولای وتكافئ صنائعك
يا سيدی ومن نعمك تحمد الحامدون ومن شكرك تشكر الشاكرون وانت المعتمد
للذنوب فی عفوك والناس على الخاطئين جناح سترك وانت الكاشف للضر بيدك
فكم من سيئة اخفاها حلمك حتى دخلت[1] وحسنة ضاعفها فضلك حتى عظمت
عليها مجازاتك جللت ان يخاف منك الا العدل وان يرجى منك الا الاحسان والفضل
فامنن على بما اوجبه فضلك ولا تخذلنی بما يحكم به عدلك سيدی لو علمت الارض
بذنوبی لساخت بی والجبال لهدتنی اوالسموات لاختطفتنی اوالبحار لاغرقتنی سيدی
سيدی مولای مولای قد تكرر وقوفی لضيافتك فلا تحرمنی ما وعدت المتعرضين
لمسئلتك يا معروف العارفين يا معبود العابدين يا مشكور الشاكرين يا جليس
الذاكرين يا محمود من حمده يا موجود من طلبه يا موصوف من وحده يا محبوب من
احبه يا غوث من اراده يا مقصود من اناب اليه يا من لا يعلم الغيب الا هو يا من لا يصرف
السوء الا هو يا من لا يدبر الامر الا هو يا من لا يغفر الذنب الا هو يا من لا يخلق الا هو يا
من لا ينزل الغيث الا هو صل على محمد واغفر لی يا خير الغافرين - رب انی استغفرك
استغفار حياء واستغفرك استغفار طاعة واستغفرك استغفار رجاء واستغفرك
استغفار انابة واستغفرك استغفار رغبة واستغفرك استغفار رهبة واستغفرك

---

[1] دخلت بحار میں ہے۔ اے غابت وذہبت یعنی غائب ہوا اور چلا گیا۔ اور کسی کو اس کی خبر نہ ہوئی
یا بخشا گیا وہ گناہ اور کوئی اثر اس کا باقی نہ رہا۔ یا بکسر حاء ماخوذ ہے۔ ان کے قول دخل یعنی فسد سے
مثل فرح کے یعنی فاسد وخراب ہو گیا۔ یا یہ لفظ بحاء مہملہ ہے ودخل عنی یعنی تباعد وقرو استتر دور ہوا چھپا
پوشیدہ ہوا۔ اور ایک کتاب میں زحل بزاء معجمہ وحاء ہوز دیکھا گیا۔ اور بموجب ایک نسخہ زحل مہملہ بھی منقول
ہے۔ مگر پہلا نسخہ اشہر ہے +

استغفار ایمان واستغفرك استغفار اقرار واستغفرك استغفار اخلاص واستغفرك
استغفار تقوی واستغفرك استغفار توکّل واستغفرك استغفار ذلّة واستغفار عامل
لك هارب منك الیك فصلّ علی محمّد وال محمّد وتُب علّی وعلی والدیّ بما تبت
ویتوب علی جمیع خلقك یا ارحم الراحمین یا من تسمّٰی بالغفور الرحیم صل علی محمد
واقبل توبتی وزلة عملی واشکر سعیی وارحم ضراعتی ولا تحجب صوتی ولا تخیب مسئلتی
یا غوث المستغیثین وابلغ أئمتی سلامی ودعائی وشفعهم فی جمیع ما سئلتك واوصل
هدیتی الیهم کما لا ینبغی لهم وزدهم من ذلك ما ینبغی لك باضعاف لا یحصیها غیرك
ولا حول ولا قوة الا باللّٰہ العلی العظیم وصلی اللّٰہ علی اطیب المرسلین محمّد واٰله
الطّاهرین۔ چونکہ یہ دعا مضامین عالیہ پر شامل ہے۔ تو بعد زیارت آنحضرتؑ اسکو ضرور
پڑھیں۔ اور ترک نہ کریں۔ اس کے تئیں۔ کیونکہ بہت سے فائدے اس پر مترتب
ہیں۔ خصوصاً اس لحاظ سے کہ احادیث میں وارد ہؤا ہے۔ کہ زیارت آنحضرتؑ کے
باعث مغفرت گناہاں ہے۔ اگرچہ بعدد ستارہ ہائے آسمان و قطرہ ہائے باران و برگ
درختان ہوں۔ بلکہ احادیث سابقہ میں ہے۔ ولو کانَ مِنْ اہل الکبائر۔ کہ ہرچند زیارت
کنندہ مرتکب گناہان کبیرہ کا ہؤا ہو۔ دوسری حدیث میں ہے۔ کہ ایسا ہو جاتا ہے۔
جیسا کہ شکم مادر سے پیدا ہؤا ہو۔ یعنی کوئی گناہ اس پر نہیں رہتا۔ اور ایک اور حدیث
میں خود آنحضرت صلوات اللّٰہ علیہ نے فرمایا۔ من زارنی کنت انا وابائی شفعائہ
یوم القیامة ومن کنّا شفعائه نجا ولو کان علیه وزر الثقلین۔ کہ جو کوئی میری زیارت
کریگا۔ تو میں اور میرے آبا و اجداد بروز قیامت اس کے شفیع ہونگے۔ اور جس کی
ہم شفاعت کرینگے۔ وہ نجات پائیگا۔ اگرچہ اس پر جن و انس کے گناہ ہوں۔ تو نظر
بایں احادیث چونکہ اس دعا کے بعض فقرات میں زائر اپنے گناہوں کا اعتراف
کرتا ہے۔ کہ درگاہ غفّار الذنوب میں عرض کرتا ہے۔ سیّدی لو علمت الارض
بذنوبی لساخت الخ۔ یعنی اے سیّد و سردار میرے میرے گناہ ایسے ہیں۔ کہ اگر
زمین کو ان کا حال معلوم ہو۔ تو پھٹ جائے۔ پس اس طرح کی گریہ و زاری بدرگاہ حضرت

باری البتہ اس کی مغفرت گناہاں کی باعث ہوگی۔ بلکہ نظر بکثرت اخبار اس میں شک و شبہ کی ذرا گنجائش نہیں +

نماز مشاہد مقدسہ میں واضح رہے۔ کہ بجالانا نماز واجب کا مشاہد مقدسہ میں مستحب ہے۔ اور بہت سی احادیث اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ جیسا کہ شیخ سعید نے کتاب ذکری میں ذکر کیا ہے۔ اور کتاب کامل الزیارۃ میں حضرت صادقؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ کہ جو کوئی نماز پڑھے پشت قبر امام حسینؑ پر ایک نماز کہ ارادہ کرے

مَن صَلّی خلفَ قبر الحسینؑ صلواۃ واحدۃ یرید بہا اللہ تعالٰے لقی اللہ یومَ یلقاہ وعلیہ من النور ما یغشی کل شی یراہ

اس سے رضائے خالق بے نیاز کا ملاقات کریگا حق تعالٰے سے بروز قیامت حالانکہ اس کے اوپر اس قدر نور ہوگا کہ غلبہ کریگا ہر ایک اس شے پر جس کو کہ وہ دیکھیگا۔ نیز کامل الزیارۃ میں ہے۔ کہ جب فارغ ہو تو زیارت شہدا سے۔ تو حضرت سید الشہداؑ کی قبر کے پاس آ۔ اور ضریح مبارک کو اپنے سامنے

اذا فرغتَ مِنَ التسلیم علی الشہداء اتیت قبر ابی عبد اللہ فاجعلہ بین یدیک ثم صل ما بدا لک

لے کر نماز بجالا جس قدر کہ تو چاہے۔ اور روایت صحیحہ حمیری میں احکام قبر سے سوال کرنے کے بعد جواب میں ارشاد ہے۔ لیکن

امّا الصّلوٰۃ فانہا خلفہ یجعلہ اماماً ولا یجوزان یصلی بین یدیہ لانّ الامام لا یتقدم علیہ ویُصلی عن یمینہ وشمالہ

نماز پس پشت قبر مبارک پر پڑھے اس طرح پر کہ اس کو آگے رکھے۔ اور قبر کے آگے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ کیونکہ امام سے پیش قدمی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے یمین و یسار پر نماز پڑھی جاتی ہے۔ اور دوسری حدیث احتجاج طبرسی کی ہے۔ کہ نماز پس پشت قبر مطہر پڑھنی چاہیئے نہ کہ پیش رو اور دہنے بائیں اس کے کیونکہ امام سے آگے نہیں ہوتے۔ نہ اس کے برابر ہوتے ہیں مراد پہلی حدیث سے یہ ہے۔ کہ قبر مقدس کے پیچھے اور اس کے برابر نماز پڑھے آگے بڑھ کر نہ پڑھے۔ اور دوسری کا یہ مطلب ہے۔ کہ دہنی بائیں بھی قبر کے برابر نماز نہ پڑھے + شیخ بہاؤالدین عاملیؒ نے حبل المتین میں افادہ فرمایا ہے۔ کہ حاصل یہ ہے۔ کہ حدیث حمیری سے

مستفاد ہوتا ہے۔ کہ جس قدر مقتدی کو پیشنماز سے پیچھے یا برابر رہنا چاہئے۔
ویسا ہی ہر نمازی کو ضریح مقدسہ سے رہنا چاہئے۔ جیسا وہاں پیشنماز سے آگے
ہونا جائز نہیں۔ یہاں بھی ضریح سے آگے نکلنا حرام ہے۔ پھر شیخ رہ کہتے ہیں۔ کہ
مَیں جس زمانے میں مشہد اُس سرور میں حاضر تھا صفّہ بالائے سر حضرت میں دو صفیں
نماز کی کھڑی ہوتی تھیں۔ مَیں نے منع کیا۔ کہ پہلی صف قائم نہ ہو۔ کیونکہ وہ قبر مبارک
سے آگے نکل گئی تھی۔ اس کو توڑ کر دوسری صف کے مقام سے نماز شروع کی
جائے۔ پس احادیث مذکورہ بالا اور عمل علماء اعلام سے قدیماً وحدیثاً استحباب
نماز مشاہد مقدسہ میں بصورت غیر مقدم ہونے قبور مطہرہ پر ثابت ہے یعنی پس
پشت دہنے بائیں (پائیں و بالائے قبر) جہاں چاہیں نماز پڑھیں۔ صرف آگے نہ پڑھیں
مگر مرحوم نراقی نے کتاب مستند میں افادہ فرمایا ہے۔ کہ شیخ مفید و شیخ طوسی و سید مرتضےٰ
علیہم الرحمہ پس پشت قبور مطہرہ پر نماز پڑھنا حرام جانتے ہیں۔ مگر مشہور درمیان علماء کراہت
ہے۔ اور شہید اوّل نے روضہ میں فرمایا۔ افضلہ عند الرّأس بحیث یکون القبر علی یسارہٖ
ولا یستقبل شیئاً من القبر۔ کہ افضل یہ ہے۔ کہ سر مبارک کے نزدیک ہو۔ اس طرح
پر کہ قبر اس کے بائیں ہاتھ پر ہو۔ اور جانب قبلہ قبر کا کوئی حصہ نہ ہو۔ دلیل اس قول کی اطلاقات
احادیث ہے۔ جن میں منع کیا گیا ہے۔ کہ قبروں کی طرف منہ کرکے اور قبروں کے اُوپر
اور ان کے درمیان نماز نہ پڑھو۔ اور ایک حدیث خاص بھی اس بارے میں امام محمد باقرؑ
سے منقول ہے۔ کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا۔ کہ میری قبر کو قبلہ نہ بناؤ۔ نہ اسکو مسجد
قرار دو۔ تحقیق کہ حق تعالےٰ نے لعنت کی ہے اُن لوگوں پر جنہوں نے قبور انبیاء کو
مسجد قرار دیا ہے۔ دوسرے امالی میں ہے۔ کہ راوی نے سوال کیا۔ اذا اتیت قبر
الحسینؑ اجعلہ قبلۃ اذا صلّیت۔ کہ جب مَیں قبر حسینؑ پر حاضر ہوں۔ تو اُس کو سامنے
رکھ کر نماز بجالاؤں۔ فرمایا تنحّ ھکذا ناحیۃً۔ دور ہو اس سے اس طرح پر ایک جانب
میں۔ پس جواب اطلاقات احادیث سے یہ ہے۔ کہ وہ ممانعت یہاں موثر نہیں۔
کیونکہ ائمہ علیہم السلام کی قبریں عام قبروں کی مانند نہیں۔ ان قبور مطہرہ کے خاص احکام

ہیں۔ اور حدیث حضرت رسول خدا صہیں ہو سکتا ہے۔ کہ اس طرح نماز پڑھنے سے ممانعت کی گئی ہو۔ جیسے کہ عام جاہل قبلۂ حقیقی جان کر نماز پڑھیں۔ یعنی اس کو خانہ کعبہ سمجھ کر نماز بجالانا جائز نہیں۔ نہ کہ از روئے شرافت باعث زیادتی برکت جان کر بھی نماز پڑھنا جائز نہو۔ علی ہذا حدیث امالی میں کہ تیسری دلیل ہے مراد "دور رہو" سے یہ ہے۔ کہ اس کو قبلہ حقیقی قرار نہ دے۔ چونکہ اکثر اعراب اہل عراق و حجاز کی عادت تھی۔ کہ مسجد الحرام میں اس کے ہر سمت نماز پڑھتے تھے۔ ایسی ہی صورت مشاہد مقدسہ کی خیال کر کے انہوں نے سوال کیا۔ اور "دور رہو" جواب میں سُنا۔ پس استحباب نماز کا ان مقامات متبرکہ میں جیسا کہ اُوپر گزرا بحال خود باقی رہیگا۔ بلکہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مساجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت بھی اسی سبب سے ہے۔ کہ ہر ایک مسجد کو قبور انبیاؑ و اوصیاؑ سے کچھ نہ کچھ علاقہ ہے۔ چنانچہ ابن ابی عمیر نے بعض اصحاب سے نقل کیا ہے۔ کہ اس نے کہا۔ میں نے حضرت ابو عبداللہ جعفر صادقؑ سے عرض کیا۔ کہ مساجد عامہ میں نماز پڑھنے سے کراہت کرتا ہوں۔ فرمایا۔ کہ مسجد میں نماز پڑھنے سے کراہت نہ کر۔ تحقیق کہ کوئی مسجد نہیں۔ مگر یہ کہ کسی نبی کی یا وصی کی قبر پر بنائی گئی ہے۔ وہ قتل ہوئے ہیں۔ تو ان کے خون کا ایک قطرہ اس پر پڑا ہے۔ پس خدا دوست رکھتا ہے۔ کہ اس مقام پر نماز فریضہ و نافلہ پڑھی جائے۔ فاقض ما فاتک۔ پس قضا کر اس کے تئیں۔ جو کہ تجھ سے فوت ہوئی۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ نماز قضا و ادا فریضہ و نافلہ روضات عالیات میں نہ صرف مستحب ہے بلکہ شرافت مساجد اور انکا مساجد ہونا بسبب شہادت پیغمبر یا وصی پیغمبر کے ہے۔ کہ ان کی قبر پر اس کی بنا ہوئی ہے۔ یا کم از کم ان کے خون کا ایک قطرہ اس جگہ پہنچا ہے۔ مولانا بحر العلوم طاب ثراہ اپنے منظومہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ ؎ والسر فی فضل صلواۃ المسجد × قبر لمعصوم بہ مستشھد۔ راز مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت کا یہ ہے۔ کہ وہاں ایک معصوم کی قبر ہے جو اس جگہ شہید ہوا ہے۔ ؎ برشۃ من دمہ المطہر × طہر اللہ لعبد ذکرہ۔ اس کے پاک خون کی ایک چھینٹ سے حق تعالے نے بندہ کے لئے اپنے ذکر کو

پاکیزہ کیا ہے۔ ہاں علماء دین نے افادہ کیا ہے۔ کہ مشاہد مقدسہ میں اس طرح نماز پڑھے۔ کہ حقوق زائرین کے منافی ہو۔ کہ جگہ ان پر تنگ ہو جائے۔ بلکہ جن ایام میں زائرین بکثرت حاضر ہوں۔ تو اولٰے و انسب ہے۔ کہ مجاورین ان کے لئے جگہ چھوڑ دیں۔ کیونکہ اکرام زائرین کا متضمن اکرام صاحب قبر کے ہے۔ خصوصاً زائران امام رضاؑ کا اکرام کہ دور دراز مقامات سے مرحلہ پیمائی روضۂ مقدسہ ہوئے ہیں۔ اور نہایت خوف و بیم و سخت کلفت و مشقت اٹھا کر یہاں پہنچے ہیں بغایت ضروری ہے۔ دیگر یہ کہ نماز زیارت کے لئے جیسا کہ شہید اول نے ارشاد کیا ہے۔ افضل مقامات مقام بالائے سر حضرات ہے بغیر اس کے کہ محاذات قبر سے آگے بڑھیں۔ اور منقول ہے کہ جب چاہے۔ کہ فضیلت تام حاصل کرے یا کوئی حاجت رکھتا ہو۔ اور چاہے کہ جلد روا ہو۔ تو بالائے سر مطہر امام رضاؑ دو رکعت نماز بجا لائے۔ اور قنوت میں اپنی حاجت درگاہ خدا سے درخواست کرے۔ انشاء اللہ تعالٰے قبول ہوگی +

زیارت وداع

جب چاہے۔ کہ روضۂ منورہ کو وداع کرے۔ تو یہ زیارت پڑھے۔ السّلام علیک یا مولای وابن مولای ورحمۃ اللہ وبرکاتہ انت لنا جُنّۃ من العذاب وھذا اوان انصرافی عنک غیر راغب ولا مستبدل بک ولا موثر علیک ولا زاھد فی قربک لقد جئتت بنفسی للحدثان وترکت الاھل والاولاد والاوطان فکن لی شفیعاً یوم فقری وحاجتی یوم لا یغنی عنی حمیم ولا قریب یوم لا یغنی والد ولا ولد اسئل اللہ الذی قدر رحلتی الیک ان تنفس بک کربتی واسئل اللہ الذی قدر علی فراق ھذا المکان ان لا یجعلہ اٰخر العھد من رجوعی الیک واسئل اللہ الذی ابکی عنی الیک ان یجعلہ ذخراً واسئل اللہ الذی اراانی مقامک وھدانی للتسلیم علیک وان یوردنی حوضکم ویرزقنی مرافقتکم فی الجنان السّلام علیک یا صفوۃ اللہ السّلام علی امیر المومنین ووصی رسول رب العالمین وقائد الغر المحجلین السّلام علی الحسن والحسین سیدی شباب اھل الجنۃ۔ والسّلام علی الائمۃ (یہاں نام ایک ایک امام کا لیوے) ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السّلام

علی ملائکۃ اللہ المقربین المسبحین الذین بامرہٖ یعملون السّلام علینا و علی عباد اللہ
الصالحین اللّٰھم لا تجعلہ اٰخر العھد من زیارتی ایاہ فان جعلتہ فاحشرنی معہ
ومع اٰبائہ الطاھرین وان بقیتنی فارزقنی زیارتہ ابداً ما ابقیتنی انک علی کل شئی قدیر۔
اس کے بعد کہے۔ استودع اللہ واسترعیہ ایاک واقرأ علیک السلام مومن باللہ
وبما دعوت الیہ ودللت علیہ اللھم فاکتبنا مع الشاھدین اللھم ارزقنی حبھم
ومودتھم ابداً ما ابقیتنی السلام علی ملائکۃ اللہ وزوار قبر ابن نبی اللہ ما ابقیت
ودائما اذا فنیت السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ پس وداع کرکے اس بقعہ
مطہرہ سے باہر آئے۔ اور بغیر اس کے کہ ضریح اقدس سے منہ موڑے رواں ہو۔ جبتک کہ
نظر سے غائب ہو +

بقیہ امور متعلقہ۔ از انجملہ یہ کہ جب زیارت آنحضرت پر فائز اور اس شرف عظیم سے
شرفیاب ہو۔ تو چاہئے۔ کہ اپنے خویش و اقربا و دوست و احباب کو فراموش نہ کرے۔
اور سب کے لئے اس مقدس مقام میں دعاء مغفرت کرے۔ خصوصاً والدین کے واسطے
دعاء خیر کرے۔ اور ان کی طرف سے نیابتاً زیارت بجالائے۔ اور اگر کسی دوسرے
شخص ثقہ سے انکے واسطے زیارت کرائے تو اولےٰ ہے۔ بسند معتبر حضرت صادقؑ
سے منقول ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ کہ کون چیز مانع ہے تمکو کہ نیکی کرو اپنے پدر و مادر سے
ان کی زندگی میں اور مرنے کے بعد۔ اور نماز پڑھو ان کی طرف سے اور ان کے واسطے
پس تمہارے لئے ہوگا ثواب اس عمل کا۔ اور زیادہ کریگا حق تعالےٰ تم پر خیر بسیار کو۔
جب نیکی و احسان کروگے اپنے ماں باپ سے۔ اور حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت
ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ بندہ نیکوکار ہو اپنے والدین
کے ساتھ ان کی حیات میں پس ماں باپ اس کے فوت ہوں۔ تو وہ ان کو فراموش
کرے ان کے قرضوں کو ادا نہ کرے۔ نہ دعاء آمرزش کرے ان کے واسطے۔ تو وہ
عاق والدین لکھا جاتا ہے۔ نیز ایسا ہوتا ہے۔ کہ عاق والدین رہا۔ ان کے زمانہ حیات
میں۔ مگر مرنے کے بعد ان کے قرضوں کو ادا کیا۔ اور دعا مغفرت کی ان کے حق میں۔

تو وہ نیکوکاروں میں شامل ہو جاتا ہے والدین کے ساتھ۔ اور شیخ جلیل محمد بن یعقوب کلینی علیہ الرحمہ نے روایت کی ہے۔ کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا۔ کہ جو شخص صلہ و مہربانی کرے اپنے باپ سے اور دیگر رشتہ داروں سے اور ان کی طرف سے ایک طواف بجالائے۔ تو ثواب طواف کامل کا اس کو عطا ہوتا ہے۔ اور جن کی طرف سے یہ طواف بجالاتا ہے۔ اُس کو بھی ویسا ہی مزد و ثواب کامل اس طواف کا دیا جاتا ہے۔ اور بسبب صلہ رحم و مہربانی کرنے کے ایک اور زائد طواف کا ثواب اسے مرحمت ہوتا ہے۔ اور جو شخص حج بجالائے۔ اور ثواب اس حج کا اپنے قرابت داروں کو ہدیہ کرے۔ تو ثواب حج کامل کا اُن کو عطا ہوتا ہے۔ اور اس شخص کو بھی ویسا ہی کامل ثواب دیتے ہیں بتحقیق کہ حق تعالےٰ واسع العطا ہے ثواب دینے میں +

نیز کلینیؒ نے اسحاق بن عمار سے نقل کیا ہے۔ کہ اس نے امام موسیٰ کاظمؑ سے عرض کی۔ کہ ایک شخص نے اپنے حج یا عمرہ یا صرف طواف کا ثواب اپنے ایک عزیز کو جو دوسرے شہر میں ہے ہبہ کیا۔ تو کیا اس سے اس مرد عمل کرنے والے کا ثواب کم ہو جائیگا۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ ان اعمال کا ثواب اس کو پورا ملیگا۔ اور اس شخص کو بھی وہی ثواب عطا ہوگا۔ جس کو کہ ان کا ثواب بخشتا ہے۔ اور اس شخص واہب کو ایک اور ثواب بسبب صلہ رحم و مہربانی کرنے کے مرحمت ہوگا۔ عرض کی۔ اگر مردہ کو ثواب ہدیہ کیا ہے۔ تو اُس کو بھی ملیگا۔ فرمایا۔ البتہ ملیگا۔ اگر وہ میت غضب الہی میں گرفتار ہوگی۔ تو اس اہدائے ثواب سے حق تعالےٰ اس پر رحم کریگا اور اس کے گناہ بخش دیگا۔ اور اگر تنگی قبر و فشار میں مبتلا ہے۔ تو وسعت و کشادگی مرحمت فرمائیگا۔ عرض کی۔ اس میت کو بھی معلوم ہوگا۔ کہ یہ وسعت و کشائش یا عفو و مغفرت اس کو اس اہدائے ثواب کی بدولت حاصل ہوئی ہے۔ فرمایا۔ ہاں معلوم ہوگا۔ عرض کی۔ اگر وہ میت ناصبی ہے تب بھی اُس کو کچھ نفع ہوگا۔ فرمایا۔ ہوگا۔ اس کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ پس ان احادیث و اخبار سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس قدر نیکی کرے اور زیارت اعزہ و اقارب کے لئے بجالائے اس کے ثواب سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی وجہ سے اس کے حسنات مضاعف ہوتے

ہیں۔ نیز احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک زیارت میں چند نفر اعزہ واحباب کو شریک کرسکتا ہے +

انعام واکرام خادمان درگاہ

علماء اعلام نے فرمایا ہے۔ کہ مستحب ہے۔ کہ خدام حضرت ونگہبانان درگاہ کے ساتھ جس قدر ہوسکے سلوک واحسان کرے۔ اور عطا وصلہ اُن کو دے۔ کہ یہ امر باعث اکرام واعزاز صاحب قبر کا ہے۔ واقعی اس میں شک نہیں۔ کہ جو شخص کسی کے نوکر و خادم کی عزت واکرام کرتا ہے۔ اور اس کو کچھ عطا کرتا ہے تو وہ ایسا ہے۔ جیسا کہ اس کے آقا ومخدوم کا اکرام کیا۔ مثل مشہور ہے۔ ع سگے را شناسد بہر خداوند۔ اور جس قدر اس خادم ونوکر کی خدمت برِ مئے اخلاص واشفاق زیادہ ہوگی اسی قدر مولا ومخدوم کی نظر لطف وعنایات اس خادم خادم پر زیادہ ہوگی۔ اور اس کا اجر وثواب بیشتر وافزون تر ہوگا۔ بلکہ ہوسکتا ہے۔ کہ بوجہ اس احسان وبخشش کے بہ نسبت خدام وملازمان درگاہ کے بجالایا ہے فوائد وفیوض دنیوی بھی اس کے شامل حال ہوں۔ اور مہالک ومخاوف دنیا سے اس کی وجہ سے نجات پاوے۔ جیسا کہ صاحب مجالس المومنین نے معروف کرخی کے حالات میں نقل کیا ہے۔ کہ کوئی شخص سفر میں جانیکو تیار تھا۔ معروف کے پاس وداع کو آیا۔ معروف نے اُسے کہا۔ کہ اثناء سفر میں جب تجھ کو کوئی حاجت پیش آوے۔ تو معروف کا واسطہ دیکر خدا سے دعا کرنا مستجاب ہوگی۔ وہ شخص متعجب ہوا۔ کہ کس طرح معروف تزکیہ نفس کرتا ہے۔ معروف نے کہا۔ یہ اس لئے ہے۔ کہ یہ سر سالہا سال سلطان العرب والعجم علیؑ بن موسی الرضاؑ کی دہلی پر رکھا گیا ہے +

نیز مجالس المومنین میں ہے۔ کہ نزدیک جمہور معروف ومشہور ہے۔ کہ ایک اور تاجر درگاہ امام رضاؑ پر اس لئے حاضر ہوا۔ کہ حضرت اس کے حق میں دعا فرماویں جسکی برکت سے سفر دریا میں غرق ہونے سے بے خوف رہے۔ حضرت اس وقت مشغول عبادت تھے۔ معروف نے آپ کی مشغولیت کو اس سے بیان کیا۔ اور ایک پارہ کاغذ پر چند کلمات لکھ کر اس کے حوالے کئے۔ کہ جہاں کہیں تلاطم آب سے خوف غرق ہونیکا ہو۔

تو جو کچھ رقعہ میں لکھا ہے اُس کو پانی پر قرأت کرو۔ دریا ساکن ہو جائیگا۔ اور تو سلامتی سے کنارے
پر پہونچیگا تاجر یہ رقعہ لیکر روانہ ہُوا۔ اور جب اثنائے سفر میں علامات طوفان دریا شروع ہُوئے۔
تو رقعہ کو کھولا خیال تھا۔ کہ کوئی دعاء ماثورانہ امام لکھی ہوگی۔ مگر اس میں تحریر تھا۔ کہ اے دریا بحق معروف
کرخی دربان علی بن موسی الرضاؑ اپنے جوش و خروش سے باز آ۔ اس شخص نے بنہایت اضطراب و پریشانی
وہ رقعہ دریا میں ڈال دیا۔ اُس کا پانی میں پہنچنا تھا۔ کہ جوش دریا میں سکون ہُوا۔ اور اس تاجر اور اس کے
رفیقوں نے جانا۔ کہ حق معروف ببرکت دربانی حضرت امام رضاؑ اسقدر ہے۔ کہ حق تعالےٰ نے
دریا کو اس کی وجہ سے جوش و اضطراب سے باز رکھا۔ اس وقت سے آج تک یہ دستور ہے۔
کہ مسافران دریا جب آثار تموج و طوفان دیکھتے ہیں۔ تو بحق معروف کرخی بقید دربانی حضرت
امام رضاؑ دریا کو قسم دیتے ہیں۔ کہ طوفان سے ٹھہر جائے تجربہ ہُوا ہے کہ یہ عمل مفید پڑتا ہے۔
اس حکایت سے معلوم ہُوا۔ کہ خادمان و دربانان آنحضرتؑ کی خداتعالےٰ کے نزدیک قدر و منزلت ہے۔
اور ظاہر ہے۔ کہ حالت حیات و ممات ظاہری آنحضرتؑ کی اس مقدمے میں یکساں ہے۔ بلکہ
حالت موجودہ اشد و اقوےٰ ہے۔ پس احسان و اکرام خدام و الاحترام باعث نجاح و فلاح
دُنیا و آخرت ہوگا۔ والسلام +

استقبال و مشائعت زائران حضرات

کتاب تحفۃ الزائر میں مجلسی علیہ الرحمہ نے معلے بن خنیس سے روایت کی ہے۔ کہ حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ جب کوئی برادر
مومن ہماری زیارت یا ہماری قبروں کی زیارت کرکے واپس آوے تو استقبال کرو اس کا
اور سلام کرو۔ اور مبارکباد دو اس کرامت کی۔ جو اس نے حاصل کی اور ان ثوابوں کی کہ خداتعالےٰ نے
اسے عطا کئے۔ ایسا کرو گے۔ تو تم کو بھی ویسا ہی ثواب ہوگا۔ اور رحمت الٰہی تمکو گھیر لیگی۔
اور تمہارے گناہ بخشے جائینگے +

اور حدیث صحیح میں حضرت صادقؑ سے مروی ہے۔ کہ جب حضرت رسول خداؐ
کسی مومن کو وداع کرتے تو فرماتے تھے۔ رَحِمَکُمُ اللّٰہُ وَزَوَّدَکُمُ التَّقْوٰی وَوَجَّهَکُمْ
الی کل خیر و قضی لکم کل حاجۃ و سلّم لکم دینکم و دُنیاکم و ردّکم سالمین الی
سالمین +

ضمیمہ

مشہد اور تبریز میں روسیوں کی سفاکی اور تباہ کن غارت گری

قبل اس کے کہ ہم اس روح فرسا ورد انگیز داستان کو اپنے ناظرین کے آگے پیش کریں۔ مناسب مقام ہے۔ کہ روس کی اس حرص و آز سے جو عرصہ دراز سے خطۂ ایران پر رکھتا ہے۔ اور جس بیتابی کے ساتھ وہ یہاں کے دخل پانے کے واسطے اسکی سرحدوں پر منڈلاتا پھرتا رہا ہے۔ کسی قدر معرض بیان میں لاویں ✦

روس کا ایران پر دانت رکھنا

دولت ایران قدیم الایّام سے افغانوں اور ترکمانوں ہی کا ترنوالہ لقمہ نہیں رہا۔ خرس روس بھی بہت دنوں سے اس پر دندان طمع تیز کئے بیٹھا ہے۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ زمانہ سابق میں جب ملک فارس کے جاہ و جلال و عزت و اقبال کا آفتاب نصف النّہار کے عروج پر پہونچا ہوا تھا۔ تو ایسے ایسے جگر دار دلاور اس سرزمین میں پیدا ہوتے تھے۔ جو تورانی خونخواروں کو جیحوں پار ان کے اپنے ملک میں جاکر وقتاً فوقتاً تلوار کے گھاٹ اُتارتے تھے۔ چنانچہ فردوسی کا شاہنامہ رستم و اسفندیار جیسے ایرانی شجاعوں کے کارناموں سے مالامال ہے۔ ان ایام میں اہل روس وحشی جنگل کے باشندوں سے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے۔ اُن کی سلطنت کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ مگر امتداد زماں سے جوں جوں فرنگستان میں ترقی و تہذیب کی آندھیاں چلیں۔ ان کے ہلکے ہلکے جھوکے اس وحشت ناک ویرانے میں پہونچکر اس کی حالت کو بھی سدھارتے رہے ✦

روس کی ایران میں قدم جمانیکی کوشش

روسی علاقہ ایران کی سرحد سے دست بدست ملا ہؤا نہ تھا۔ بلکہ ان دو ملکوں کے درمیان بہت کچھ بحر خضر کا عظیم الشان سمندر حائل تھا۔ جو ایران کے شمال اور روس کے جنوب میں پھیلایا گیا ہے۔ مملکت روس ہزارہا کوس کی لمبائی چوڑائی میں بر اعظم ایشیا و یورپ پر مبسوط ہے۔ مگر اس کا بہت بڑا حصہ غیر آباد ملکوں اور جنگل ویرانوں پر شامل ہے۔ چنانچہ صحراء سائیبیریا اس سے شہرۂ آفاق ہے۔ اسی سبب سے وہ ایک عرصہ دراز سے اپنے زرخیز اور سیر حاصل ہمسایہ ایران کی تانک جھانک میں لگا ہوا ہے۔ یا بقول لارڈ کرزن بہادر اس کو بلوچستان کی راہ سے ہندوستان کا سیدھا[۱] راستہ سمجھ کر دن رات اس کی فکر میں رہتا ہے۔ دو سو سال کا زمانہ گزرتا ہے۔ کہ روسی کاسکوں کی ایک جماعت نے گرینڈ ڈیوک آف مسکوڈے کے ایما سے مقام عاشوراداپر جو بحر خضر کا ایرانی جزیرہ ہے۔ قبضہ کر لیا تھا۔ جہاں کہ کچھ عرصہ تک وہ قائم بھی رہے۔ چونکہ شاہ عباس اعظم کے دربار میں اس ڈیوک کے سفیر کے ساتھ اہانت آمیز سلوک کیا گیا تھا۔ اسی کے انتقام کے لئے اس نے انہیں بھیجا تھا۔ پہلے ماژندران پر حملہ کرکے

---

۱ لارڈ کرزن کی سیاحت کے زمانے میں ہر چند ایران کی شمالی سرحد کے متوازی صدہا کوس جاری ہو کر روسی ریلوے کے عاشق آباد تک پہنچ جانے سے پنجدہ وغیرہ کی طرف کو ہندوستان کا قریب ترین راستہ اُس کو مل چکا تھا۔ اس لئے لاٹ صاحب کی نظر میں اس وقت اس راستہ مجوزہ کے کھولے جانیکی ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ مگر آج کل روس و انگلستان دونوں اس کے درپے ہیں۔ کہ ہندوستانی ریلوے سرحد بلوچستان سے بڑھائی جاکر ایران کو زیچ میں سے قطع کرتی ہوئی مذکورہ بالا روسی ریلوے کے کسی محاذی اسٹیشن سے جا ملے۔ تاکہ ہندوستان سے یورپ کو جانے آنے والے مال و رجال کے لئے خشکی کا راستہ کھل جائے۔ اس کے لئے فی الحال سرتوڑ کوششیں عمل میں آ رہی ہیں۔ چونکہ خاص انگلستان اس ریلوے کو اپنے حق میں نہایت ہی مفید خیال کرتا ہے۔ لہٰذا قوی امید ہے۔ کہ عنقریب یہ ریلوے جاری ہو جائے۔ اور ایران کی رہی سہی عظمت بھی خاک میں مل جاوے۔ انا للہ + ۱۲ منہ

اس کی دارالحکومت فرخ آباد کو تاخت و تاراج کیا۔ پھر موسم سرما ایران میں بسر کرنے کے ارادے سے جزیرہ نمائے میان قلعہ میں مورچے بنائے۔ (میان قلعہ وہ گردن زمین ہے جو بیس میل لمبی بحیرۂ خضر میں نکلی ہوئی چلی گئی۔ اور ہرنوں۔ جنگلی سوروں۔ جنگلی بکریوں۔ اور اقسام و انواع کے جانوروں کے شکار کا رمنا ہے)۔ مگر ایرانیوں نے فوراً ان پر حملہ کر کے وہاں سے نکال دیا۔ تب انہوں نے جزیرہ نمائے عاشوراداہیں واپس آکر دم لیا۔ مگر وہاں سے بھی جلدی ہی خارج کر دئے گئے +

اس کی دوسری کوشش + پٹر اعظم روس کا بادشاہ جو کہ وسط ایشیا کے علاقوں پر قبضہ پانے کی حرص مخزطر رکھتا تھا۔ اور فن حرب کے لحاظ سے ان مقامات کی قدر و قیمت کو بخوبی پہچانتا تھا۔ جو اس کے کار آمد تھے۔ ۱۷۲۲ء میں جبکہ ایران پر افغانوں کا ٹڈی دل چھایا ہوا تھا۔ اور وہاں کا نوجوان بادشاہ شاہ طہماسپ ثانی ملک کو ان سے صاف کرنے میں لگا ہوا تھا۔ تو اس نے ایران کی ابتر اور غیر منتظم حالت سے فائدہ اٹھانے کی نیت سے شمال کی طرف سے حملہ آور ہونے کی تیاری شروع کر دی۔ اور وجہ مخاصمت یہ قرار دی۔ کہ ایرانی بلاد واقعہ سرحد میں اس کی رعایا کو لوٹا اور مار گیا ہے۔ گو یہ مہم پورے طور سے عمل میں نہیں آئی۔ تاہم کسی قدر روسی فوج جو بادشاہ کے زیر کمان اسی سال دربند تک پہونچ گئی۔ اور ایرانی علاقہ کے گیلان اور باکو کے رہنے والوں نے اس کے آگے ہتھیار ڈال دئے۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ افغانوں کے ساتھ جد و جہد میں مصروف بادشاہ نے استرآباد تک کا علاقہ روس کو دیکر صلح کر لی۔ لیکن دوسرے مقامات میں مصروفیت کی وجہ سے یہ علاقہ دیر تک اس کے ہاتھ میں نہیں رہا۔ دوبارہ چھوڑنا پڑا سکندر خیابان۔ یہ لاٹ صاحب کا بیان ہے۔ لیکن ملکم صاحب کی انگریزی تاریخ ایران مترجمہ بزبان فارسی سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اپنی مصروفیت سے نہیں۔ نادر شاہ کی قہر و سطوت کی وجہ سے ان کو بہ مجبوری یہ علاقہ واپس کرنا پڑا۔ چنانچہ نادر شاہ کے حال میں لکھتے ہیں۔ کہ "مصالحتے با دولت روسیہ شدہ بود مشروط بر اینکہ جمیع ولایاتیکہ در سواحل بحر خضر و سوابق

ایام گرفته بودند روکنند دو نفر صاحب منصب بدانجا فرستاده تا معلوم کنند کہ تعویقی در این امر واقع نشده" اسی پر موقوف نہیں۔ نادر شاہ کے مرتے دم تک یہ لوگ اس کے نام سے لرزتے تھے۔ اگر کبھی اپنے ملک کے کسی باغی کی سزادہی کو بھی اُدھر کا رخ کرتا تھا۔ تو ملک روس میں ہل چل پڑ جاتی تھی۔ چنانچہ ملکم صاحب مہم لزکیہ کے بیان میں لکھتے ہیں" دولت روس از بیم آنکہ مبادا چوں نادر لزکیہ را مغلوب ساختہ ببلاد روسیہ پردازد در شندر خاں (استراقان) باستعداد و تہیہ اسباب محاربت مشغول شدند"

ایران میں دخل پانے کے لئے روس منحوس کی تیسری کوشش

ساٹھ سال بعد روس نے استرآباد کو اپنے قبضہ میں لانے کے لئے پھر ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے۔ اس مرتبہ روسی رسالے کے افسر نے ۱۱۸۱ھ میں بندگز سے جو بحیرہ خضر کی ایک بندرگاہ ہے۔ کوئی پچیس میل بجانب غرب جہاں شاہ عباس کا مشہور محل ساحل دریا پر واقع ہے۔ ایک مستحکم عمارت بنانی شروع کی۔ لارڈ کرزن کہتے ہیں۔ مگر انہوں نے اپنی مدمقابل کی طاقت کا اندازہ نہ کیا۔ یا اس کے اندازہ لگانے میں غلطی کھائی آغا محمد خاں قاچار کو جو بعد کو ایران کے تخت پر بیٹھا یہ حال معلوم ہوا۔ تو اُس نے روسی افسروں کو بہانہ دعوت اپنے مکان پر بلاکر قید کر لیا۔ اور صرف اس شرط پر رہا کیا۔ کہ اپنی توپیں قلعہ سے اُٹھا کر اس عمارت کو زمین کے برابر کردیں۔ اس نے روسی افسروں کو بیڑیاں پہنائیں۔ اور ان کو کوڑوں سے پٹوایا۔ پھر ان کے جہازوں تک پہنچا دیا۔ کہ اپنی ولایت کو چلے جائیں۔ اقبالمند قاچار نے انہی کارروائیوں پر اکتفا نہیں کی بلکہ گورنمنٹ روس کو لکھ کر وہاں سے باقاعدہ تلافی کا خواستگار ہوا۔ (اللہ اللہ اب وہی رُوس ہے۔ کہ ایران کے پیشواؤں مجتہدین عظام کو بجرم و خطا درختوں پر لٹکا کر سُولی دیتا ہے۔ اور روادار نہیں۔ کہ کوئی ان کو وہاں سے اُتارے۔ ع۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا)۔ غرض کہ بحیرہ خضر کے جنوب مشرقی زاویہ میں ایران کی خشکی کے

علاقہ پر قبضہ کرنے کے متعلق روس اپنی اس تیسری کوشش میں بھی خائب خاسر رہا +

روس کی چوتھی یا آخری کوشش

لارڈ کرزن کہتے ہیں۔ کہ یہ کوشش کمتر تعجیل اور زیادہ صبر و استقلال کے ساتھ کی جارہی ہے۔ اور اس کا نتیجہ شائدان لوگوں کے دیکھنے میں آجائے۔ جو اب زندہ ہیں۔ جس زمانے کے حالات مشاہدہ کر کے آپ نے یہ کلام قلمبند فرمایا۔ اس کو اب تیس ۳۰ سال کا عرصہ گزرتا ہے۔ اس کے بعد روس نے جس قدر ایران میں پاؤں پھیلائے۔ اور دستہائے ستم و تعدی دراز کئے۔ اس کو لاٹ صاحب ہی نہیں تمام عالم عبرت کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ بالجملہ اس کوشش کے ابتدا اس بادشاہ عالیجاہ کی وفات سے شروع ہوتی ہے جو ایران کے مقتدر بادشاہوں میں آخری فرمانروا گزرا ہے۔ خاقان فتح علی شاہ قاجار کی وفات جیسا کہ پیشتر گزرا ۱۸۳۵ء میں وقوع ہوئی۔ اور روس نے جزیرۂ عاشورادا کو ۱۸۳۷ء میں دوبارہ اپنے تصرف میں لیا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ دو سال بھی اس کو ایران کی حالت کے جانچنے اور اس کی قوت و ضعف کے اندازہ لگانے میں لگے۔ اس کے چند سال بعد جب اس کو معلوم ہوگیا۔ کہ اب وہاں کوئی آقا محمد خاں قاجار سا بہادر جرار نہیں رہا۔ کہ اس کی کارروائیوں کو ملیامیٹ کر دے۔ تو ۱۸۴۷ء میں اطمینان سے اس نے وہاں پختہ عمارتیں بنانی شروع کر دیں۔ ۱۸۵۱ء میں اس کے قدم اس جزیرے میں ایسے استوار ہو گئے تھے۔ کہ ایک بار جو رات کو ترکمان لٹیرے کہیں سے جزیرہ میں آپڑے۔ اور کچھ روسی سپاہیوں کو بدمست و غافل پاکر انہوں نے مار ڈالا۔ تو روسی گورنمنٹ نے اصرار کیا۔ کہ گورنر مازندران کو جو شاہ کا حقیقی بھائی ہوتا تھا۔ اس خدمت سے ہٹا دیا جائے۔ حالانکہ اس بارے میں اس پر کسی طرح کی ذمہ واری عائد نہ ہوتی تھی۔ نیز اس نے یہ بھی دھمکی دی۔ کہ اگر یہ خواہش ہماری پوری نہ ہوگی۔ تو روسی سفیر طہران سے واپس بلالیا جائیگا +

اس نے اپنی مداخلت کو جس عذر سے حق بجانب ثابت کرنا چاہا۔ وہ یہ تھا کہ ترکمانوں کے بحری قزاق بحر اخضر کے جنوبی و شرقی ساحلوں پر منڈلاتے پھرتے اور

موقعہ پاکر لوٹ مار کرتے ہیں۔ اور وہاں کے باشندوں کو غلام بنا کر لے جاتے ہیں پس لازم ہوا۔ کہ ان کا استیصال کیا جائے۔ روس نے جزیرۂ مذکورہ کو کبھی اپنا مال نہیں بنایا۔ ہمیشہ اس پر ایران کا حق ملکیت تسلیم کرتا تھا۔ اور اپنا قیام عارضی محض باختیارات پولیس جن کے اجرا کی اس کے نزدیک ایران کو قدرت نہ تھی ظاہر کرتا تھا +

اسی غرض سے اس نے ایک بڑا بھاری بیڑا تیار کیا تھا۔ جس کا ایک حصہ جو چار یا پانچ غیر مسلح اور ایک مسلح جہاز پر مشتمل ہے ایک روسی امیر البحر کی سرکردگی میں اب تک بھی روسی بحری صدر مقام کے قریب پڑا رہتا ہے۔ اس کے حاشئے میں لکھتے ہیں۔ کہ ایک سیاح نے جون ۱۸۹۰ء میں یہاں آیا بیان کیا۔ کہ یہ بیڑا اب کم ہو کر دو پیغام رسانی کی کشتیوں اور دو یا تین ناکارہ جہازوں کی شکل میں بدل گیا ہے +

اس کے بعد لاٹ صاحب رقمطراز ہیں۔ کہ وہ اس امر کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ کہ ترکمانوں کی بحری غارت گری کا ایک مدت دراز سے قلع وقمع ہو چکا ہے۔ لیکن با ایں ہمہ روسیوں کو اپنی امانت کے واپس کرنے کا کبھی خیال بھی نہیں گزرا۔ اب اگر ان پر یہ ظاہر کیا جائے۔ کہ عاشوراداان کی ملکیت نہیں ہے۔ تو وہ یہ سمجھیں گے۔ کہ ہماری توہین کی گئی ہے"۔ ہم کو حضور کے اس ریمارک پر حیرت ہے۔ کہ باوجودیکہ آپ ملکی امور کے ماہرین سے اعلےٰ درجہ کے پولیٹکس خیال کئے جاتے ہیں۔ مگر یہ معلوم نہیں۔ کہ ملک و بادشاہی زور و طاقت آدمی کو کسی معاہدے کا پابند نہیں رہنے دیتی۔ ہماری گورنمنٹ عالیہ انگلشیہ نے بھی تو ایک زمانہ میں مصر کی انتظامی حالت سدھارنے کو عارضی قبضہ کیا تھا۔ جو آج تک بدستور چلا آتا ہے۔ تو کیا اس وقت تک اس کی حالت درست نہیں ہوئی ہے میرے نزدیک تو اب اس کی یہ کیفیت ہو گئی ہے۔ کہ اگر کوئی کہے کہ مصر پر انگلستان کا کوئی حق ملکیت نہیں۔ تو اس میں اس کی ہتک سمجھی جائیگی +

قدم عشق پیشتر

لارڈ کرزن روس کی ایران میں پیش قدمی کے مفرط شوق کے بیان میں اس طرح رقمطراز ہیں۔ کہ چونکہ جزیرہ عاشوراوا جو فی الحال روسیوں کی قیام گاہ ہے۔ ایک نشیبی دلدل ہونے کی وجہ سے نہایت درجہ مضر صحت ہے۔ اور ترکمانوں کو کامل طور سے مطیع بنا لینے کے بعد روسیوں کو یہاں کچھ اور کرنا بھی باقی نہیں رہا۔ اس لئے وہ اپنی حرص بھری نگاہیں ایک عرصہ سے خلیج کے اندرونی محفوظ اور صحت بخش علاقہ پر ڈالے ہوئے ہیں۔ بیس سال سے زیادہ مدت گزرتی ہے۔ کہ انہوں نے گز کی بندرگاہ پر ایک فوجی جمعیت مقرر کر کے قبضہ کرنا چاہا تھا۔ مگر حکومت ایران نے پیش قدمی کر کے اپنی طرف سے کچھ فوج بھیجدی۔ اور روسی اپنے ارادہ سے باز رہے۔ بندرگز اگرچہ بجائے خود ایک بہت ہی ذلیل مقام ہے۔ مگر شاہ کو اس سے چشم پوشی کرنے میں بہت ہی تامل ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں۔ کہ اس کا ہاتھ سے دینا نہایت زبون نتیجہ کا اس کے حق میں باعث ہوگا۔ اس لئے افواہ ہے۔ کہ روسی قراسوندی کے کنارے جو استرآباد سے تیس کوس کے فاصلہ پر نکلتی ہے۔ کسی مستحکم مقام کے خواہشمند ہیں۔ مگر ایسے مقام کا قبضہ بھی گز کے قبضہ سے کمتر نہ ہوگا۔ اس وقت استرآباد پورے طور سے اس کی زد میں آجائیگا +

روس کا ایران سے نئے ڈھنگ کا برتاؤ

الغرض یہ حالات پرانے لاٹ صاحب کی سیاحت کے زمانے سے پہلے کے ہیں۔ اس کے بعد اس نے عزم بالجزم کیا کہ ایران کا تمام ملک یا کم از کم شمالی حصہ اس کا ضرور اپنی قلمرو میں شامل کرے تو اس کے لئے روس نے نیا ٹھاٹھ بدلا۔ اس نے بوجہ اس چالاکی اور غریب دہی کے جس میں دنیا میں وہ اپنا نظیر آپ ہی ہے۔ ایران کے ساتھ دوستی کا ڈول ڈالا۔ وہ ایران

۵۱ بندر گز ساحل پر چند ذلیل جھونپڑیوں اور راساروں کا مجموعہ ہے۔ یہاں ایک ایرانی جنگی خانہ، روسی آرمینیوں کی چند دکانیں اور ایک روسی قونصل اور جہازوں کی کمپنی کے نائب کے مکانات واقع ہیں۔ موضع گز سے جو ایک ہزار کی آبادی کا ایک معمولی گاؤں ہے اس کا فاصلہ تین میل ہے ۔ ۱۲۰ خیابان

گا۔ بجائے اس کے کہ حریف اور مدِ مقابل تھا۔ اس کی محبت اور ہوا خواہی کا دم بھرنے لگا۔
اب زار کے اور شاہ کجکلاہ کے درمیان دوستانہ مراسم جاری ہوئے۔ اور مقتدر افسران
جن کے ہاتھ میں سلطنت کی باگ تھی۔ تحفہ تحائف دے کر خاص تدبیر سے رام کئے گئے۔
غرض وداد و اتحاد کے راگ ایسی دلکش اور سریلی آوازوں میں الاپتے گئے۔ کہ سیدھا سادہ
بادشاہ اور اس کے اراکین سلطنت سب کے سب اُس کے دام فریب میں پھنس گئے۔
اس نے ایرانیوں سے عہد لئے۔ کہ ان کے سوداگر بے روک ٹوک ممالک ایران میں
جہاں چاہیں پھریں۔ کوئی ان سے متعرض نہ ہو۔ اس طرح پر بہت سے تجربہ کار فوجی
افسروں کو جو فنون ملک گیری میں طاق تھے۔ بھیس بدلوا کر مختلف تاجروں کی شکل میں
بھیجدیا۔ یہ لوگ بھروپ بدلنے میں بھی بے نظیر ملکہ رکھتے ہیں۔ جب کوئی ان میں سے
بھیس بدلتا ہے۔ تو ایسا بن جاتا ہے۔ کہ اس کا گاڑھے سے گاڑھا دوست بھی
پہچاننے میں دھوکہ کھا جائے۔ بس یہ بھیس بدلے ہوئے تاجر ایران کے ہر گوشہ و
کنار میں منتشر ہو گئے۔ روسی ساخت کی اشیاء ساتھ لئے پھرتے تھے۔ اور تجارتی
اثر پھیلانے کے ساتھ وہاں کے ملکی حالات بھی دریافت کر لیتے تھے۔ انہوں نے
اس طرح پر تمام ضروری مقامات کے نقشے کھینچ لئے۔ اور جملہ مخفی حالات پر مطلع ہو گئے
کہ کس قدر کس مقام میں جنگی طاقت موجود ہے۔ اور کہاں کہاں کتنا سامان مہیا رہتا
ہے۔ اندرونی ملک کا یہ حال ہوا۔ باہر شمالی سرحدوں پر اس نے چپکے چپکے اپنی جنگی
طاقت بڑھانی شروع کر دی۔ اور ساتھ کے ساتھ چھوٹے چھوٹے ایرانی علاقوں کو
ہڑپ کرنے لگا۔ اور وہ تدابیر اختیار کیں۔ کہ جب کبھی موقعہ و وقت ہاتھ آئے۔ تو بہت
آسانی اور عجلت سے اپنا لشکر ایران کے دارالخلافہ تک پہنچا سکے +

تبریز کا خونی منظر تبریز خلیفہ ہارون رشید کی چہیتی بیوی زبیدہ خاتون کا آباد
کیا ہوا بتلایا جاتا ہے۔ وہ ایران کے صوبہ آذربائیجان کا صدر مقام اور اس کے نہایت
آباد اور پُر رونق شہروں سے شمار ہوتا تھا۔ تجارت و دیگر خصوصیات کی وجہ سے سلطنت
قاجاریہ کے نزدیک وہ اس قدر اہم اور عظیم بالشان رہا ہے۔ کہ بیشتر اوقات ولیعہد سلطنت کا

دارالحکومت وہی ہوتا تھا یعنی شاہی طرز وطریق سیکھنے کے لئے تبریز شاہزادگان اکبر کے لئے بمنزلہ مدرسہ کے سمجھا جاتا تھا۔ اور ایران گی گورنمنٹ اس کو طہران سے دوسرے درجہ پر خیال کرتی تھی پروفیسر ویمبری کی سیاحت کے زمانے میں یعنی ۱۸۶۲ء میں اس شہر کا محیط ساڑھے تین میل سے زیادہ تھا۔ اس کے عظیم الشان محلات آسمان سے باتیں کرتے۔ اس کی رفیع البنیان اور خوب صورت مسجدیں قرآن مجید کی سورتوں اور آیتوں سے مزیّن تھیں۔ اور اس کے زرنگار در و دیوار دولت و حشمت کا مخزن۔ اس کے راستوں اور بازاروں کے برقی لیمپ مہر منیر کو شرماتے تھے۔ اور اب اسی شہر لطافت بھر کی یہ کیفیت ہے کہ اسکی تمام رونق اور آرائش سب خاک میں مل گئی۔ اب وہی نمونہ بہشت بریں و غیرت اعلی علیین شہر روسیوں کے سر پنجۂ ظلم سے تہ و بالا اور ایرانی مقتولوں کے خون میں لتھڑا پڑا ہے وہاں کی بیکس عورتوں اور یتیم بچوں کی دردناک آوازیں فلک اطلس کے پار ہوئی جاتی ہیں مگر زمین پر ان کو کوئی نہیں سنتا۔ اس کے ہر دلعزیز جلیل القدر باشندوں کے جن کے اُوپر اس کو ناز تھا لاشیں ان درختوں پر لٹک رہی ہیں۔ جہاں ان کو پھانسی دیا ہے مہینے گزر گئے۔ مگر ان کے وہاں سے اتارنے کا وقت نہیں آیا۔ وہ عبرت خیز نظارہ دیکھنے والے کو لہو کے آنسو رلاتا ہے مگر ظالم روسیوں کے کان پر جوں نہیں چلتی۔ مسٹر شوسٹر امریکن اور پروفیسر براؤن انگریز نے اس خونی منظر کی عکسی تصویر شائع کی ہے۔ اور حبل المتین کلکتہ کے فارسی اخبار مورخہ ۷ شوال سنہ ۱۳۳۰ھ نے اپنے صحیفہ میں اسے نقل کیا۔ اور وہاں سے زمیندار و پیسہ اخبار وغیرہ میں وہ مرقع نکلا ہے۔ جسے دیکھ کر جگر خون ہوتا اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ کسی کو برہنہ کر کے پس پشت مشکیں باندھ کر دار پر کھینچا ہے۔ کسی کو بکرے کی طرح لٹکا کر اس کا نازپروردہ جسم جگہ جگہ سے فگار کیا گیا ہے۔ کسی کی کھال کھینچ کر شکم چاک کیا۔ کہ وہ آنتیں گوسفند قربانی کی طرح باہر آ رہی ہیں۔ کسی کو سرنگوں لٹکے ہوئے سر میں بندوقوں کی نالیاں مار رہے ہیں۔ افسوس یہ عبرت ناک فوٹو تمام عالم میں پھیلا۔ اور ہر ایک کی نظر سے گزرا۔ یوروپ کی وہ بڑی بڑی سلطنتیں جو روئے زمین پر تہذیب و شائستگی پھیلانیکی ذمہ دار اور ہر قسم کی ظلم و تعدی کے دفع کرنے کی ٹھیکہ دار بنی ہوئی ہیں۔ یہ تمام حالات معلوم کرتی ہیں۔ مگر سب دم بخود ہیں +

تبریز کے جاں سوز واقعات

پہلا الٹی میٹم دینے کے قبل ہی روس نے باغ شمال میں اپنی فوج کے درمیان ۵۶
سپاہی زیادہ کردئے تھے۔ روسی فوج نے شہر تبریز کے باشندوں سے بدسلوکی اور زیادتی کرنی
شروع کی۔ اور کئی مرتبہ بے مزگی کو اس حد تک پہنچا دیا۔ کہ باشندے صبر کے جامے سے
باہر جانے کو تھے۔ لیکن عقلاء شہر نے ان کو خاموش کیا۔ پے در پے روسی پیشقدمی کی مزاحمت
کے لئے طہران سے رجوع کیا گیا۔ اور کئی مرتبہ روسی طریقہ سے بھی قونسل جنرل روس پر
پروٹسٹ (اعتراض) کیا گیا۔ لیکن قونسل جنرل روس نے یہ جواب دیا۔ کہ مجھ کو کسی قسم کا اقتدار
روسی فوج پر حاصل نہیں ہے مگر یہ کہ آپ لوگوں کی شکایتوں سے افسر فوج کو مطلع کردونگا۔
جس وقت پہلا الٹی میٹم ایران کو دیا۔ ایک ہیجان عظیم تمام ایران میں برپا ہوگیا۔ مدبرین نے
حتے الوسع باشندوں کے ہیجان کو روکنے میں احتیاط سے کام لیا۔ چنانچہ اس موقع پر تبریز
میں بہ نسبت دیگر ولایات کے بہت کم جوش ظاہر ہوا۔ لیکن باوجود اس کے کوئی دن ایسا نہیں
گزرا۔ کہ روسی فوج نے انقلاب کے اسباب پیدا نہیں کئے ہوں۔ اور گویا وہ خود جان بوجھ کر
اپنے خلاف باشندوں کو شورش کرنے کے لئے بھڑکاتے تھے۔ مگر علماء و وکلا انجمن
ایالتی اس عرصہ میں باشندوں کو خاموش کرنے میں ہمہ تن کوشاں تھے۔ روسی فوج کا
یہ سلوک بلاواسطہ و بالواسطہ شہر کے باہر بھی ایسا ہی رہا۔ الٹی میٹم کے بعد کوئی دن ایسا نہیں
گزرا کہ فوج کا ایک تازہ دستہ تبریز میں نہ آیا ہو۔ چنانچہ دوسرے اشتہار تک تین ہزار
سے اوپر روسی فوج صرف تبریز میں جمع ہوگئی۔ اور ہر روز سرکاری دفتروں پر ایک نہ ایک
نیا بہانہ قائم کیا جاتا تھا۔ چنانچہ سرکاری دفاتر کو کچھ اس طرح سے انہوں نے مفلوج کیا۔
کہ ایک مرتبہ شہر اور اطراف کا رشتہ انتظام سرکاری افسروں کے ہاتھوں سے خارج
ہوگیا۔ دوسرا الٹیمیٹم جب روس نے دولت ایران کو دیا۔ تو تمام ایران مشتعل ہوگیا لیکن
پھر بھی تبریز کے باشندوں نے صبر وسکون کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ ان کی کوشش
بالکل روسی مال کی بائیکاٹ پر تھی۔ بائیکاٹ کی کوشش سے روسیوں کو بہت غصہ آیا۔ اور

انہوں نے مکروہ حرکتیں شروع کیں۔ جن کا ذکر کرنا زیادہ شرمساری کا باعث ہے۔ چنانچہ
ذی حجہ ۱۳۲۹ھ کی دس اور بیس ۲۰ تاریخ کے درمیان باشندگان شہر شورش پر آمادہ ہو گئے۔
اور اگر شہداء مظلوم یعنی مرحومین ثقۃ الاسلام اور آقا شیخ سلیم نہ ہوتے۔ تو یہ ممکن تھا۔ کہ روسی
فوج کے برخلاف شورش برپا ہو جاتی۔ بالجملہ جس قدر روسی فوج وحشیانہ حرکات میں سخت
ہوتی جاتی تھی۔ تبریز کے عقلاء اسی قدر سکوت اور صبر باشندوں میں پیدا کرنے کی کوشش کرتے
یہاں تک کہ تبریز کے تمام یورپین اس صبر و تحمل سے متعجب ہو گئے۔ ۱۵ ذی الحجہ کو مرحومین
ثقۃ الاسلام و آقا شیخ سلیم و دیگر دانایان و وکلاء انجمن ایالتی نے یہ قرار دیا۔ کہ ولایات سے آئے
ہوئے تار کو جس سے ملت کا ہیجان اور بڑھ جائیگا جہاں تک ممکن ہو۔ شائع نہ کیا جائے
کیونکہ ان لوگوں نے سمجھ لیا تھا۔ کہ روسی لوگ بہانہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ اور ان کا قصد کچھ
اور ہی ہے۔ لیکن آخر کار ان لوگوں کی کوشش بے اثر ثابت ہوئی۔ یعنی جیسی کہ ہے۔
وزرا نے اس کی دوسری الٹمیم کی شرائط کو قبول کر لیا۔ روسیوں نے آذربائیجان کے قبضہ
اور اپنے مزید دخل پانے کے لئے صرف یہ چارہ دیکھا۔ کہ شہر کو پُر آشوب کر کے ایک دفعہ
اپنا قبضہ جما لیا جائے۔ چنانچہ ۲۹ ذی الحجہ کو عملہ جات ٹیلفون میں جو روسی کمپنی سے متعلق
ہیں اور جن کے زیادہ تر عملہ جات بھی روسی ہیں قزاقوں (کاسکوں) کے چند نفر کے درمیان
جھگڑا پیدا ہوا۔ مار پیٹ کی نوبت پہونچی۔ یکایک کاسکوں نے فیر کئے۔ اور جس کسی کو
پایا۔ زمین پر لٹا دیا۔ گویا باغ شمال میں روسی فوج شہر پر دھاوا کرنے کو مستعد تھی۔ اس فیر
کی آواز کے ساتھ ہی روسی فوج میں بگل بجنا شروع ہو گیا۔ اور اس کی شرائپنل توپیں کھڑکھڑانے
لگیں۔ شہر کے باشندے بالکل بے خبر تھے۔ یکایک انہوں نے دیکھا۔ کہ ہر طرف سے
توپوں کی باڑھوں کی آوازیں آرہی ہیں۔ اور روسی فوج شہر پر چڑھتی چلی آرہی ہے۔ بڈھے
اور نوجوان مرد اور عورت چھوٹے بڑے غرض کسی پر رحم نہیں کیا گیا۔ رعایاء روس کی
ایک جماعت نے بطریق جنگ زرگری مدافعہ کا سامان کیا۔ اور تقریباً تبریز کے ایک
سو نوجوان غیور باشندوں نے بھی روسیوں کا مقابلہ کرنا چاہا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ پورے
طور پر مقابلے کے لئے مستعد ہوں طہران سے تبریز کے تمام باشندوں کے لئے یہ

حکم صادر ہوا۔ کہ روسی فوج کا مقابلہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ سلطنت ایران اور دولت روس میں روابط نیک پیدا ہو گئے ہیں۔ اس خبر کے پاتے ہی اس جماعت نے اسلحۂ جنگ پھینک دئے۔ اور روسی فوج کے مقابلے میں مطیع ہو گئے۔ جب روسیوں کو یہ معلوم ہوا کہ اہل شہر مطیع ہو گئے۔ مدافعہ پر آمادہ نہ ہوں گے۔ تو انہوں نے ظلم کرنا شروع کر دیا۔ اور اس طرح کے تشدد کئے۔ کہ چنگیز کی تاریخ میں بھی ایسے واقعات نہیں دیکھے گئے۔ گولہ پھٹنے والی توپوں کو شہر کے چاروں طرف لگا دیا گیا۔ اور کئی ہزار روسی خونخوار شہر کے گلی کوچوں میں داخل ہو گئے۔ بہت کم گھر ایسے باقی رہے۔ جہاں روسی فوج داخل نہ ہوئی ہو۔ اور جسارت اور بے احترامی بڑے بڑے آدمیوں کی عورتوں کے ساتھ نہ کی ہو۔ مدرسوں کو بند کر کے ظالموں نے معصوم بچوں کو پاؤں سے کچل ڈالا۔ مسجدوں میں آگ لگا دی۔ بے شمار اور نمازیوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا۔ بازاروں اور گھروں کو لوٹ لیا۔ پورے چھ دن تک ایسی ہی وحشت کا بازار گرم رہا۔ اور تبریز کے باشندے سات سو سے زیادہ مارے گئے۔ جن میں ۱۳ اسکول کے لڑکے تھے۔ جن کی عمریں ۸ اور ۱۳ سال کے درمیان تھیں۔ ۷۶ عورتیں جو زیادہ تر پردہ نشین تھیں گھروں کے اندر قتل کی گئیں۔ لولے۔ لنگڑے اور بڈھے تقریباً ۵۲ مارے گئے۔ ۲۷ گھروں کو گرا کر ان میں آگ لگا دی۔ جن میں ستار خاں۔ باقر خاں اور حاجی حسن خاں خطائی اور حاجی کاظم صراف وغیرہ کے مکانات تھے۔ سات مسجدوں کو زمین کے برابر کر دیا۔ اور ان میں آگ لگا دی۔ ۲۰۰۶ گھروں کو اس طرح غارت کیا۔ کہ مکان کے اندر سے کھونٹیاں تک اکھاڑ لیں۔ ۷۰۰ تجارتی دکانوں اور گوداموں کو تباہ و برباد کر کے جو کچھ ملا لوٹ لے گئے۔ بالتحقیق روسیوں نے ان لوگوں کو قتل کیا۔ جنہوں نے ان کے مقابلے میں بالکل ہتھیار نہ اٹھائے تھے۔ ان سات دنوں کے درمیان جبکہ تبریز میں قتل و غارت کا بازار گرم تھا۔ رؤسائے ملت اور علماء ربانی و وزراء دربار نے باشندوں کو اسلحہ ہاتھ میں لینے سے منع کیا۔ اگر ایرانی حکام اصرار نہ کرتے۔ اور علماء اور شہر کے عقلاء باشندوں کو نہ روکتے۔ تو یہ ممکن نہ تھا۔ کہ ۳ ہزار روسی فوج تبریز کے تین لاکھ باشندوں پر ایسا تشدد اور قصابی کر سکتی۔

ن پسندان ایران کی
ولت روس نے
ب قدر دانی کی

روسیوں نے جس عمدگی سے علماء و عقلاء شہر کی جو باشندوں کو خاموش رکھنے میں کوشاں تھے قدردانی کی ہے۔ اس پر بے اختیار آفرین نکلتی ہے۔ چند ہی دنوں کے بعد تمام علماء کو گرفتار کرلیا۔ اور بہتوں کو پھانسی دے دیا۔ اور گمان ہوتا تھا۔ کہ طہران کے وزیروں کو تبریز کی ح ایسی ہی اور جلد ہی سزا دی جائیگی۔ ارگ شاہی کو بالکل تباہ کردیا۔ تمام سرکاری فاتر بند کردیا۔ تار گھر پولیس کے دفاتر کچہری اور بارکوں پر روسی فوج قابض ہوگئی۔ بلکہ سلطنت ران کے تمام سلاح خانے اور میگزین اس کے قبضہ میں آگئے۔ اور نائب الایالہ نسل خانہ انگریزی میں پناہ گزیں ہوا۔ ۷۰۰ اشخاص شہر کے بڑے بڑے رئیس ابتک سی قید خانے میں مقید ہیں۔ بارہ لاشیں جن کو روسیوں نے مٹی کے تیل سے جلادیا تھا جن کی ابتک شناخت نہیں ہوئی۔ دستیاب ہوئی ہیں۔ ۳۷ آدمیوں کو قید خانے کے ندر ہی مختلف طریقوں سے مار ڈالا۔ ۲۳ اشخاص کو جن میں حضرت ثقۃ الاسلام اور شیخ سلیم ر شیخ ابراہیم اور چند دیگر ممبران ایالیتی واڈیٹر اخبارات و شہر کے صاحب ثروت لوگ بھی تھے ھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ تقریباً دس ہزار عورتیں اور مرد چھوٹے بڑے بے خانماں ننگے اور ھوکے ہیں۔ جاڑے کے موسم میں مسجدوں میں اور شہر کے خرابوں میں رات بسر کرتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں۔ جو زیادہ تر متوسط اور بڑے گھرانوں کے آدمی ہیں۔ قومی خسارہ جو تبریز یں روسیوں کے قتل و غارت سے ہوا۔ اس کا تخمینہ نہیں لگایا جاسکتا۔ لیکن یقیناً س کروڑ سے زیادہ کا مال ضائع ہوا ہے جس دن سے کہ روسیوں نے تبریز میں قتل و غارت شروع کیا۔ اسی دن سے پے در پے روسی فوج وہاں بڑھتی گئی۔ اور بیان کیا جاتا ہے۔ کہ سات ہزار روسی فوج اس وقت تبریز میں موجود ہے۔ آٹھویں محرم کو روسیوں کا سپہ سالار آیا۔ اور اس نے عاشورے کے دن حضرت ثقۃ الاسلام شیخ سلیم اور چھ دیگر علماء کو علانیہ پھانسی پر لٹکا دیا۔ پندرھویں محرم کو صمد خاں شجاع الدولہ کو روسیوں نے بلوا کر تبریز کی حکومت سپرد کی۔ احرار کی قتل و غارت و گرفتاری میں اس سے عانت لی جارہی ہے۔ تمام باشندوں سے اسلحے لے لئے گئے ہیں۔ اور لئے جارہے

ہیں۔ آرمینیوں کی ایک جماعت گرفتار ہوئی ہے۔ ۸۳ ایرانی افسر بھی اس گیر و دار میں قتل ہوئے ہیں۔ روسیوں کا بیان ہے۔ کہ ہمارے دو سو سپاہی مارے گئے ہیں۔ لیکن جو کچھ روسی قتل ہوئے۔ وہ وہی لوگ ہیں۔ جو گھروں میں غارت اور بد معاشی کرنے کے لئے گھسے تھے۔ کیونکہ تبریز والوں کی طرف سے مقابلہ کی نوبت ہی نہیں آئی۔ جس کی وجہ یہ ہے۔ کہ احرار کی جماعت نے گورنمنٹ ایران کا حکم پاتے ہی اسلحہ ڈال دئے تھے۔ اور سب شہر کے باہر چلے گئے تھے +

ترجمہ از اخبار حبل المتین فارسی کلکتہ بحوالہ خاص نامہ نگار

شہید راہ حریت سرکار آقا میرزا علی ثقۃ الاسلام

(روسی سفاکی کا نمونہ تبریز میں)

سیماب زکاں تپیدہ آمد بیروں — بلبل ز چمن کبیدہ آمد بیروں
در حب وطن مباد کم تر ز سمک — کز آب گلو بریدہ آمد بیروں

روسی درندوں نے جن نفوس قدسیہ کو پارہ پارہ کیا۔ ان میں سے ایک فرد کامل خادم حقیقی وطن ادیب رئیس الملۃ والدین حافظ الاسلام والمسلمین آقا مرزا علی ثقۃ الاسلام مجتہد العصر تبریزی ہیں۔ جن کے واقعات شہادت حسب ذیل ہیں:۔

آقا مرزا علی ثقۃ الاسلام بن آقا مرزا موسےٰ ثقۃ الاسلام بن آقا مرزا محمد شفیع مجتہد تبریزی تھے۔ جو خانوادۂ جلیل القدر سے تعلق رکھنے کے علاوہ خود بھی صلح کل عابد مرتاض اور بے حد مقدس بزرگوار تھے۔ آپ کی ولادت رجب المرجب ۱۲۷۵ھ ہجری میں ہوئی۔ آپ فارسی عربی کے ساتھ ترکی اور فرانسیسی زبانوں پر بھی دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ علامۂ عصر گنے جاتے تھے۔ اور آپ کے احکامات ملک اور قوم میں وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ جس کی وجہ سے آپ کا اثر تبریز اور آذربائجان سے گزر کر تمام قفقازمیں پھیلا

ہُوا تھا۔ اور جب کبھی کوئی مناقشہ فرقہ شیخیہ اور اصولیہ میں آپڑتا تھا۔ تو جناب مرزا ہی کا دم تھا۔ کہ آپ کے وجود مقدس کی برکت سے فوراً آپس میں مصالحت ہوجاتی تھی۔

مرحوم شاہ مظفرالدین قاجار کو آپ سے بہت زیادہ ارادت تھی۔ اور اسی کا اثر تھا۔ کہ شاہ معزول محمد علی بھی اپنے ظالمانہ عہد میں آپ سے ہمیشہ درگزر اور چشم پوشی ہی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس عالمگیر سیاسی طوفان کے زمانے میں بھی مرحوم ثقۃ الاسلام مسلک اعتدال ہی کو پسند کرتے رہے۔ اور قوم کے تمام سربرآوردگان کو ہمیشہ سلامت روی و امن پسندی ہی کی طرف ہدایت کرتے تھے۔ چنانچہ تبریز کے اس انقلاب جدید میں بھی مرحوم نے جو کوشش بلیغ مصالحت فریقین میں کی۔ وہ اس اعلان مطبوعہ سے بخوبی ظاہر ہے۔ جو ان قدسی صفات بزرگ کی طرف سے شائع کیا گیا تھا۔ نیز انگلش قونسل اور روسی سفیر کی وہ دونوں تحریریں بھی ابتک ان مظلوم کی نیک نفسی صلح جوئی اور امنیت پسندی پر دال ہیں۔ جو تبریز کی افروختگی کی حالت میں اپنی اپنی گورنمنٹوں کو بھیجی گئی تھیں۔ خاص اس وقت جبکہ آتش ظلم و تعدی تبریزیوں پر بلند تھی۔ اس وقت بھی جس چیز سے ملت و وطن کو کسی قدر سکون پیدا ہُوا تھا۔ وہ انہیں مرحوم شہید راہ خدا کی سنج بستہ تقریریں تھیں۔ جن سے اہل وطن باوجود انتہائی اشتعال کے خاموش ہوہو جاتے تھے۔ جس کے معنی صاف طور پر یہ ہوسکتے ہیں۔ کہ اگر اس دار و گیر میں خود ثقۃ الاسلام اپنی صلح کل پالیسی اور ملائم روش سے کام نہ لیتے۔ اور قومی سربازوں کو فتنہ و فساد سے باز نہ رکھتے۔ تو کبھی ظالم روس کو اس سہولت سے تبریز اور تمام آذربائجان پر قبضہ کرلینا میسر نہ آتا۔ مگر افسوس صد ہزار افسوس روسی قزاقوں نے اس احسان کی کوئی قدر نہ کی۔ بلکہ جب روز عاشورا انہوں نے اپنی فوج تبریز میں داخل کی۔ اس وقت کچھ لوگ عزاداری جناب امام حسینؑ میں مصروف تھے۔ کچھ اپنے عزیزوں کی لاشیں اُٹھا رہے تھے۔ اور کچھ اہل شہر اس نئے انقلاب کا نہایت بے لبسی اور بے کسی سے مطالعہ کررہے تھے۔ اس وقت لٹیروں کی ٹولیاں قطار در قطار شہر پر قابض ہوگئیں۔ اور جب اچھی طرح سے ہر طرف ناکہ بندی کرلی۔ اور جا بجا توپیں لگا کر اپنے قسی القلب سپاہیوں کو پہرے پر معین کردیا۔ اس وقت بیدرد

ظالم منافق قونسل کی طرف سے چند ایلچی ایک خاص تحریر لیکر مرحوم ثقۃ الاسلام کے پاس گئے۔ تحریر کا منشا یہ تھا۔ کہ اس وقت انگریزی سفارت خانہ میں مجلس شورے مقرر ہوئی ہے۔ قونسلات خارجہ بھی جمع ہیں۔ اس لئے جناب کا تشریف لانا اس وقت اشد ضروری ہے۔ ثقۃ الاسلام مرحوم نے اس دعوت کو کسی خوف یا ترس پر محمول نہ کیا۔ اور اسی وقت قونسل خانے کی طرف معہ دو ایک جاں نثاروں کے روانہ ہو گئے۔ مگر افسوس یہ جانا انکا آخری دفعہ کا جانا تھا۔ کیونکہ بجائے انگریزی قونسل خانے کے آپ کو اسی قونسل خانے میں لے گئے۔ وہاں پہنچتے ہی ظالم غدار سفیر روس کا مورچہ ہوا۔ بجائے اس کے کہ آپ کی تعظیم و تکریم حسب معمول کی جاتی قونسل مذکور نہایت درشتی سے پیش آیا۔ اور فوراً آپ کے سامنے ایک کاغذ پیش کیا گیا۔ جس کا منشا یہ تھا۔ کہ ہم تصدیق کرتے ہیں۔ کہ روسی فوج ہمارے جان و مال کی حفاظت کے لئے تبریز میں داخل ہوئی ہے۔ روس نے کسی قسم کی تعدی اور ظلم ہم پر روا نہیں رکھا۔ کسی ایک جان کو بھی تلف نہیں کیا۔ آخر میں یہ بھی تحریر تھا۔ کہ ہم نہایت خوشی سے اس بات کو لکھتے ہیں۔ کہ اہالی روس ایک رحم دل اور متمدن قوم ہے۔ اس کی فوجوں کو کبھی تبریز سے نہ جانا چاہئے۔ ہم اس پر بخوشی راضی ہیں۔ کہ وہ ہمارے علاقوں میں اپنے حسن انتظام سے امن قائم کرے۔ اور شہر کے آئندہ فتنہ و فساد کو روک دے۔ روسی فوج اور حکام کا یہاں ہمیشہ کے لئے رہنا ہماری عین خواہش اور رضامندی ہے۔ معاذ اللہ اس سفید جھوٹ اور انتہائی غداری کی کوئی حد یا مثال کہیں قائم ہو سکتی ہے۔ مرحوم ثقۃ الاسلام نے نہایت ملائمت سے فرمایا۔ کہ مجھ کو آپ نے یہ اطلاع دی تھی۔ کہ انگریزی قونسل خانے میں مشورے کے لئے بلایا جاتا ہے۔ بجائے اس کے جناب کی روبکاری ہوئی۔ ایک تو یہ خلاف قاعدے کی بات ہے۔ دوسرے یہ تحریر سب سے زیادہ خلاف واقعہ اور اصلیت سے بالکل خالی ہے۔ میرا قلم ان امور کی تصدیق سے قاصر ہے مجھے اس خدمت سے معاف رکھا جائے۔ اس پر تہذیب کے دعویدار روسی درندے نے وہ ظلم کیا۔ جس کے لئے زبان قلم کو لغزش ہے۔ اخلاق آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اور انسانی ہمدردی اس سے کانپ اٹھتی ہے۔ یعنی مرحوم

مقدس بزرگ اور ایک گوشہ نشین بے گناہ کو اس درجہ زجر و توبیخ کی گئی۔ کہ وہ مظلوم بیہوش ہو گئے۔ پھر ان کو اُٹھا کر محصور کر دیا۔ یہاں تک کہ شب عاشورہ کے بارہ بجے پر منشی اکبر خاں کو سر و پا شکستہ مظلوم کے پاس وہی کاغذ دے کر بھیجا۔ کہ اب بھی گورنمنٹ روس کے حکم کو مانو۔ اور اس کاغذ پر دستخط کر دو۔ ورنہ کل صبح پھانسی دے جاؤ گے اس وقت بھی اس قومی سرفروش اور حق پرست عالم جلیل القدر نے اپنی قوی الایمان ہونے کا پورا ثبوت دیا۔ اور اکبر خاں سے جو لفظ فرمائے تھے۔ وہ یہ تھے ہیہات ہیہات۔ کیا اب بھی اس عمدہ سلوک کے ساتھ جو مجھ بے گناہ سے کیا گیا۔ تمکو یہ امید ہے۔ کہ میں حق سے دست بردار ہو جاؤنگا۔ جاؤ جاؤ۔ قونسل روس سے کہدو۔ کہ میں نے حق پر قائم رہنے کے لئے اپنے مولا کی اقتدا کی۔ اور اب آخری شہادت کے لئے اپنے آقا ابی عبداللہ الحسینؑ کی تاسی کیلئے تیار ہوں۔ مجھ سے یہ کبھی نہیں نہ ہوگا۔ کہ میرا ہاتھ ایسے صریح جھوٹ اور زندہ کفر کی طرفداری کے لئے بڑھے۔ آخر میں منشی صاحب چونکہ تم مسلمان آدمی ہو۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ تھوڑا پانی مجھے وضو کے لئے بھجوا دو۔ منشی مذکور پانی بھیجنے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔ مگر وہ وعدہ بھی کوفیوں کے وعدہ سے کم نہ تھا۔ پانی نہیں بھیجا گیا۔ اور مظلوم بزرگ نے تیمم سے نماز شب ادا کی۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ اور اس غریب گوشہ نشین کو صرف کلمہ حق کی طرفداری اور وطن پرستی کے جرم میں پھانسی دیدی جس وقت آپ کو پھانسی پر کھینچا گیا ہے۔ تو ان کے یہ آخری الفاظ تھے۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد الرسول اللہ۔ یا رسول اللہ آپ گواہ ہیں۔ کہ میں نے آپ کے دین کی حفاظت میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ میں فریب دنیا کا قائل نہیں ہوا۔ اور اپنے جیتے جی اپنے قلم سے کفر کو اسلام پر ترجیح نہیں دی۔ وَسَیَعلَمُ الذین ظلموا اَیَّ منقلبٍ ینقلبون۔ ..... اخبار اثنا عشری مورخہ ۱۱ شوال سنہ ۱۳۳۰ھ +

تبریز کے آخری حالات

سب سے پچھلی خبریں جو صوبہ آذربائجان کے صدر مقام تبریز کی روسیوں کے متعلق ہم کو ملی ہیں۔ وہ مسٹر ڈگلس ٹرنر کی رپورٹ سے ترجمہ ہوئی ہیں۔ جو آپنے مذہبی مشن کے ساتھ ۱۵ اگست

۱۹۱۲ء مطابق یکم رمضان ۱۳۳۰ھ کو تبریز میں داخل ہوئے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ ہم نے روسی حکومت کو اس شان سے دیکھا۔ کہ گویا ایران کی رعایا تمام وکمال روسی رعایا ہے۔ وہ ان کے ساتھ اس طرح سے سلوک کرتے ہیں۔ جیسے ظالم آقا اپنے زر خرید غلاموں سے جلفا سے تبریز تک روسی بذریعہ ریل رات دن آمد و رفت رکھتے ہیں۔ فوجی جوان نشۂ شراب سے چور شمشیر برہنہ سے آراستہ دائیں بائیں شورش کناں تبریز کے بازاروں میں فاتحانہ شان سے گشت لگاتے ہیں۔ اور جس طرح جی چاہتا ہے۔ غریب ایرانیوں سے پیش آتے ہیں۔ ان کا ہر فرد اس بات کو جانتا ہے۔ کہ تبریز میں ان کی موجودگی ہرگز عارضی نہیں۔ بلکہ وہ یہاں فاتحانہ حیثیت سے آئے ہیں۔ اور گویا ہمیشہ یہیں بود و باش رکھیں گے +

صاحب موصوف کا بیان ہے۔ کہ میں نے تبریز میں جو چیز خریدنی چاہی۔ روسی سکہ کا رواج دیکھا۔ مجبوراً مجھے اپنا مال روسی سکوں سے بدلنا پڑا۔ شہنشاہی بنک کے نوٹوں کا خوردہ کرانے میں بیحد دقت اٹھانی پڑی۔ اور بٹے کی ایک رقم نذر گئی۔ بازاروں کے سیر سے تنگ آکر جب مجھے شاہی عمارتوں کے دیکھنے کا شوق ہوا۔ تو وہاں بھی روسی جھنڈے لہراتے دیکھے۔ اور اجازت حاصل کرنے کی درخواست پر بھی روسی حکام کی طرف سے یہی جواب صاف پایا۔ کہ قلعۂ شاہی۔ میدان پریڈ۔ کوتوالی شہر۔ قصر اور باغات وغیرہ کا معائنہ میں بحیثیت ایک انگریز کے بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہاں تمام روسی فوجیں اور جنگی ذخائر محفوظ کئے گئے ہیں +

گذشتہ دسمبر (مطابق محرم) سے اس وقت تک رعایا سے کوئی شخص کتنا ہی معزز، متمول اور ذی وجاہت کیوں نہ ہو۔ روسی اشرار کے ہاتھ سے کسی طرح امن میں نہیں ہے۔ سیکڑوں بے گناہ قتل کئے گئے۔ صدہا پھانسی پر لٹکائے گئے۔ اور ہزاروں کو کشتیوں میں بھر کر دریا میں ڈبو دیا۔ جمہوری سلطنت چاہنے والوں کو گوناگون ظلم و بیدردیوں سے مار ڈالا۔ بہتوں کے ہونٹ سلوا دئے۔ بہتوں کو گھوڑے کی طرح نعل لگا کر بازاروں میں دوڑایا۔ زن و مرد کے علاوہ چھوٹے چھوٹے بچے تک ننگی تلواروں سے چھانٹ دئے گئے۔

یہاں تک کہ ایک تین برس کے معصوم بچّے کے منہ پر گولی لگی۔ اور وہ غریب بے مادر و پدر منہ سے خون اُگل اُگل کر اپنے گہوارے کے نیچے دم توڑتا ہُوا دیکھا گیا +
معلوم ہوتا ہے۔ کہ روسی ناگنوں نے بچّے نہیں جنے۔ بلکہ زہریلے مردم خوار سانپ ان سے وجود میں آئے ہیں۔ جن کی نہ آس ہے نہ اولاد نہ مادر نہ پدر و برادر۔ اے قادر متعال لم یزل و لا یزال تو کب تک ان مظالم کو حلم کی آنکھ سے دیکھتا رہیگا۔ درحقیقت بڑی تیری بے پروائی ہے۔ کہ تیرے آگے تیری نگاہ کے سامنے یہ ظلم درندوں سے بدتر انسان تیری بنائی ہُوئی صورتوں کو کس طرح بے باکانہ مٹا رہے ہیں۔ اور تیرے جلال و جبروت انتقام لینے کی طرف متوجہ نہیں ہونے میں آتے +

محرم میں مجتہدین ایران کی شہادت

اخبار زمیندار لاہور مورخہ ۶ رجنوری ۱۹۱۲ء لکھتا ہے۔ کہ آج کل ایرانیوں پر بہت کڑا وقت گزر رہا ہے۔ ان کے بچّے۔ عورتیں اور سب سے بڑھ کر ان کے پیشوا و مقتدا حضرات مجتہدین قتل کئے جا رہے ہیں۔ مسلمانان عالم کے دلوں میں یہ واقعات پڑھ کر غم و غصّہ کی آگ بھڑک اُٹھی۔ اور روسیوں کی طرف سے عام نفرت پھیلتی جاتی ہے۔ حضرت ثقۃ الاسلام اور ان کے ساتھ سات اور علماء کو اس جرم میں کہ آپ نے کیوں ایرانیوں کو اپنی حریت کے برقرار رکھنے پر آمادہ کیا تلوار کے گھاٹ اُتار گیا۔ آقا سیّد محمد کاظم یزدی کو جو بڑے پایہ کے بزرگ تھے اس علت میں کہ کیوں آپ نے طرابلس سے اطالیوں کو اور ایران سے روسیوں کو نکال دئے جانے کا وعظ کیا زہر کا پیالہ پلایا گیا۔ روس کی یہ سفاکانہ کارروائی تاریخ عالم میں ہمیشہ یادگار رہیگی۔ اور دنیا بھر کے مسلمان اس کو اپنی قوم و مذہب کا دشمن سمجھیں گے۔ بے گناہ رعایا کا خون بے رنگ لائے نہ رہیگا۔ اور وہ دن قریب ہے۔ کہ ان کو اس بیرحمی کی سزا مل جائیگی +

ثقۃ الاسلام کے خون کا آسمانی بدلہ۔ ۸ رفروری کی اشاعت میں ہمارے پرانے نادیدہ مکرم سیاحت نامہ لارڈ کرزن بہادر کے اردو مترجم مولوی ظفر علی خاں بی۔ اے جو اب اخبار زمیندار لاہور کے اڈیٹر ہیں یوں رقم طراز ہیں۔ کہ منتقم حقیقی کے قربان جائیے

اس عالم بیکسی میں جب کہ تبریز کے مسلمانوں کا کوئی والی وارث نہ ہو جبکہ اسلام کی بیدست و پائی کا یہ عالم ہو۔ کہ مجتہدین دہاڑے پھانسی پر لٹکائے جاتے ہوں۔ اور کوئی طاقت دنیا کی بیسویں صدی کے ان مظلوموں کو نہ بچا سکتی ہو۔ اور ان کے یتیم بچوں اور بیواؤں کا فریاد سننے والا کوئی نہ ہو۔ کسے یقین ہو سکتا تھا۔ کہ روس کو اس ہولناک جرم کی سزا مل سکیگی۔ لیکن وہ سزا ملی۔ اور اس طرح ملی۔ کہ کفر بکنے والے مادہ پرست منہ پھاڑ کر رہ گئے۔ اخبار پایونیر انگریزی اپنے ۷ رفروری کے پرچہ میں سینٹ پیٹرز برگ (دارالخلافہ روس) کا تار اس مضمون کا نقل کرتا ہے۔ کہ جب روسیوں نے تبریز میں بہت سے پھٹنے والے گولے گورنمنٹ ایران کے ضبط کر کے اپنے کاسکوں کے سپرد کئے۔ تو چند گولے دفعۃً پھٹے۔ اور اس زور کا دھماکا ہوا کہ آس پاس کی عمارتیں لرز گئیں۔ ایک روسی افسر اور پندرہ سپاہی تو فوراً وہاں پہونچے۔ جہاں انہیں جانا تھا۔ اور سات زخمی ہوئے ہیں۔ یہ ہے بے گناہوں کے قتل کا نتیجہ + تمام ہوا اڈیٹر صاحب کا کلام + حقیر مؤلف اپنے مکرم کی خدمت میں عرض کرتا ہے۔ کہ ہرچند یورپ کی مغرور قومیں سارے ایران کی خونریزی کو ایک فرنگی جان کے برابر بھی نہیں گردانتی۔ مگر کیا اس احکم الحاکمین مالک یوم الدین کے نزدیک بھی اس کی غیر فرنگی مخلوق کی خون کا یہی نرخ ہوگا۔ کیا بے تعداد امراء و علماء عام رعایائے تبریز کے ناحق خون اور یتیموں اور بیواؤں کی دادفریاد کا خونبہا پندرہ نابکار روسی اور ایک حقیر جمعدار کے مرجانے سے ادا ہو جائیگا۔ لا واللہ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ اُس عدالت العالیہ میں یوروپی و ایشیائی خلقت برابر ہے۔ دیکھئے پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اور کونسی مصیبت کا پہاڑ اس قوم مورد لوم پر ٹوٹتا ہے اور کس طرح آفات کا آسمان ان ستمگاروں پر پھٹ پڑتا ہے۔ ناموس الٰہی ہرگز غیرت میں آئے بغیر نہ رہیگا۔ قرآن میں اِنَّا مِنَ المجرمین منتقمون آیا ہے۔ ضرور ان سفاکوں سے انتقام لیا جائیگا۔

فلینتظر وا نحن معھم من المنتظرین +

شہر رشت میں روسیوں کی کرتوت - تبریز ہی پر موقوف نہیں۔ روسیوں نے اپنے ظلم و تعدّی کے قدموں سے تمام جنوبی علاقہ ساحل بحیرہ خضر کو پامال کر رکھا ہے۔ گو

تفصیلی حالات ہم تک نہیں پہونچ سکے۔ مگر مجملاً اس قدر معلوم ہے۔ کہ کوئی شہر و قصبہ
ان اطراف ایران کا ان کے دست ستم سے نہیں بچا۔ دو روسی رجمنٹیں رشت کو کہ صوبۂ
گیلان کا معتبر شہر ہے بھیجی گئیں۔ وہاں جاکر انہوں نے جو جو خرابیاں کیں۔ ایک ان سے
یہ ہے۔ کہ رشت کے چھ مشہور و ممتاز اشخاص کو پھانسی دی۔ اور ایک افسر پولیس اور
ایک نہایت مشہور و نامور عالم ملا سید عبدالوہاب کا نام بھی انہی مظلوموں کی فہرست میں شامل
تھا جرم شورش و بغاوت بیان کیا ہے۔ اس پرنیسٹ اخبار کا نامہ نگار طہران سیارک
کرتا ہے۔ کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ آخر اس وحشیانہ سفاکی کے ارتکاب پر روسیوں کو کون
ضرورت مجبور کر رہی ہے +

مشہد مقدس

افسانۂ کہ کس نتواند شنید نش
یا رب بر اہل طوس چہ آمد ز دیدنش

جو کچھ صوبۂ آذربائجان پر روسیوں کے ظلم و ستم کی داستان اوپر بیان ہوئی۔ وہ صرف توطیہ و
تمہید تھی۔ اب اصل مقصود اعنی موضوع رسالہ حالات مشہد مقدس مذکور ہوتے ہیں۔ صاحب
رسالہ شیعہ کہتے ہیں۔ کہ مشہد کے حال زار اور روسیوں کے ظلم و بیداد کے بیان کے واسطے دفتر
بھی تھوڑے ہیں۔ اس رسالے میں اس کا احصا بھلا کیونکر ہو سکے۔ مگر یہاں باختصار کسی
قدر اس سے معرض بیان میں آتا ہے۔ تبریز و خراسان کے واقعات ہم کو حضرت ہانی کی
شہادت اور واقعہ حرا یاد دلاتے ہیں۔ اور اس قتل کی تصدیق کراتے ہیں۔ کہ "تاریخ اپنے تئیں
دہرایا کرتی ہے"۔ ابن زیاد باوجودیکہ واقف تھا۔ کہ حضرت ہانی محبان اہل بیت سے اور
حضرت مسلم ان کے گھر میں ہیں۔ لیکن ان کی عزت و اقتدار اور ذی اثر ہونے کی وجہ سے
ان کو بزور گرفتار نہ کر سکا۔ حیلہ سے بلا کر حضرت مسلم کو ان سے طلب کیا۔ اس غیرت دار
رئیس نے اس سے انکار کیا۔ اور قید و ایذا و اہانت کے مصائب جھیل کر جوانمردوں کی طرح

جان دیدی۔ اسی طرح حضرت ثقۃ الاسلام حکومت مشروطہ اور آزادی ملک وملت کے دلدادہ تھے۔ ان کو روسی قونسل نے گفتگوئی صلح کے حیلے سے بلا بھیجا۔ آئے۔ تو ایک جعلی کاغذ جو کذب ودروغ سے لبریز تھا ان کے آگے ڈال کر اس کی تصدیق کرانی چاہی۔ آپ نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کیا۔ اور ہر چند خوشامد وتملق کیا۔ اور ڈرایا دھمکایا مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ آخر تمام رات حراست میں رکھ کر صبح کو پھانسی دیدی۔ امام حسین ؑ نے صرف مسلمانوں ہی کی بہتری کے لئے کوفہ کا قصد کیا۔ اور حضرت مسلم ؑ کو اپنا ایلچی بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت ہانی ان کی حمایت میں مارے گئے۔ اسی طرح ثقۃ الاسلام بھی ملک وملت کے فائدے اور مشروطیت کے حمایت میں قتل ہوئے۔ عرب۔ شام وعراق میں لاکھوں مسلمان تھے۔ بڑے بڑے صحابی رسول اللہ صؐ کے زندہ موجود تھے۔ مگر کسی نے حضرت مسلم وہانی کی حمایت نہ کی۔ فرزند رسول خداؐ اور ان کا کنبہ قبیلہ کربلا کی زمین پر قتل ہوگیا۔ اور یہ اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ یزید کا حوصلہ بڑھ گیا۔ ظاہری احترام بھی رسول اللہ صؐ کا نہ کیا۔ خاص مدینہ پر فوج ستم موج بھیجدی۔ جس نے شریف۔ رذیل کسی کو بھی نہ چھوڑا مردوں کو قتل کیا۔ عورتوں کی عصمت بگاڑی۔ حتٰے کہ سیکڑوں بچے حرام کے پیدا ہوئے۔ شامیوں نے مسجد ومدفن رسول اللہ صؐ میں گھوڑے باندھے۔ ان کے بول وبراز سے مسجد کا محراب ومنبر نجس ہوتا رہا چنانچہ اس واقعہ کو واقعہ حرا کہتے ہیں۔ ثقۃ الاسلام کے سولی پانے پر خاموشی کا نتیجہ ۱۱ ربیع الثانی کو مشہد مقدس پر گولہ باری کی صورت میں ظہور پذیر ہوا مسلمان اگر اسی وقت جوش میں آگئے ہوتے۔ اور سختی کے ساتھ لعنت ونفرت کا اظہار کرتے۔ تو گمان غالب ہے۔ کہ فرزند رسول خدا علی بن موسی الرضا ؑ کا مزار مطہر اس طرح بے حرمت نہ ہوتا۔ اگر ہماری بےحسی ایسی ہی رہی۔ تو کچھ دور نہیں۔ کہ خانہ خدا ومرقد رسول خداؐ کو بھی یہی دن پیش آئے۔ کیونکہ اٹلی نوٹس دے چکا ہے۔ کہ ہم مدینہ ومکہ پر گولہ باری کرینگے۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ (رسالہ شیعہ نمبر ۷ جلد ۹) +

تبریز کے مظالم اور عتبات عالیات | تبریز جس طرح تیر آفات کا نشانہ بنایا گیا۔ اور ستمگر روسیوں نے جیسے اسے تباہ وبرباد کیا۔ اس کی وحشت ناک خبریں عراق

میں پہونچیں۔ تو باشندگان عتبات بیچین ہو گئے۔ خصوصاً علمائے اعلام کی شدّت قلق سے عنان صبر و تحمل ہاتھ سے نکل گئی۔ مرحوم حجۃ الاسلام آغا محمد کاظم[1] خراسانی مجتہد اعظم نجف اشرف طاب ثراہ نے عزم بالجزم کیا۔ کہ فوراً موقعہ پر پہونچ کر مصروف جنگ و جہاد ہوں۔ اور جہاد دفاعیہ کے وجوب کا فتوے دیدیا۔ بجز و اس کے ان کو جام زہر پلاکر شہید کیا۔ آقا مرحوم بمرگ ناگہانی رہ گرائے عالم جاودانی ہوئے۔ تو بقیہ علما و طلباء نے کہ مرحوم کے ہمراہی و ہم خیال تھے۔ ان کے مقصد کی تکمیل کے لئے چست کمر باندھی۔ اخبار حبل المتین کلکتہ کے نامہ نگار نے لکھا۔ کہ پہلی محرم سے یہ خبریں سُن کر کہ روسیوں نے تبریز والوں پر حملہ کر کے پانچ سو آدمیوں کو مار ڈالا۔ اور عورتوں۔ بچّوں اور معذور و مجبور لوگوں کو پائمال اور اسیر کر لیا ہے۔ عرب عجم اور ترک چھوٹے بڑے سب ہیجان میں آ گئے۔ عورتیں اور بچّے تک غم و غصہ میں وا اسلاماہ وا وطناہ کی فریادیں کرنے لگے۔ اور ذی اثر و اقتدار لوگوں کی کمیٹیاں ہونے لگیں۔

۸ محرم کو علماء نے سامان سفر اپنا روانہ کر دیا۔ اور شہر کے باہر خیمے نصب کر دئے۔ اور ۱۱ محرم کو خود بھی وادی السّلام میں جہاں خیمے وغیرہ تھے تشریف لائے۔ ان کے ساتھ نجف کے تمام مرد و زن کچھ تو بنظر مشائعت اور کچھ ہمراہ جانے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ اور چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ کوئی اسباب کو دیکھ رہا تھا۔ کوئی خیمہ لگانیکی فکر میں تھا۔ ایک اپنے زن و مرد کو وداع کر رہا تھا۔ تو دوسرا عزیز و اقارب کو وصیتیں کر رہا تھا۔ کچھ دوست احباب سے گلے مل کر رخصت ہوتے تھے۔ کچھ شوق جانبازی اور اسلام کے نام پر سر فروشی کرنے کے لئے بیقرار ہو رہے تھے۔ غرض سب ڈاڑھیں مار مار کر رو رہے تھے۔

[1] آپ کے والد ماجد اصل میں ہرات کے رہنے والے تھے۔ پھر خراسان میں آ کر سکونت پذیر ہوئے۔ آپ طالب علمی کے لئے عراق تشریف لائے۔ اور نجف اشرف میں ساکن رہے۔ ۸۰ سال کی عمر میں جام شہادت نوش کیا۔ جس رات کی صبح کو ارادہ روانگی ایران مصمم تھا۔ اسکی رات میں انکو زہر کا پیالہ پلایا گیا جس سے شہید ہو کر بجائے سفر ایران کے سفر آخرت اختیار کیا۔ رحمۃ اللہ علیہ ۱۲ منہ

اور معلوم ہوتا تھا۔ کہ کسی امر کے منتظر ہیں۔ کہ اتنے میں ثقۃ الاسلام آقازادہ جناب مرزا مہدی سلمہ اللہ ایک کجاوہ جس پر سیاہ پردہ پڑا ہوا تھا۔ ساتھ لئے دکھائی دئے۔ اس وقت شور گریہ وبکا سے کہرام مچ گیا۔ اور الرحیل الرحیل کی صدائیں بلند ہوئیں۔ یہ ماتمی کجاوہ فدائے دین خیر الانام ابو الایتام حضرت آیۃ اللہ خراسانی آقا محمد کاظم اعلی اللہ مقامہ کا تھا۔ ان کے خلف رشید نے اس خیال سے کہ جناب مرحوم کو ازبس ایرانی معاملات میں انہماک تھا جہاد وفاع کے لئے جا رہے تھے۔ کہ یکایک موت آگئی۔ ان کے خالی کجاوہ کو ساتھ لیا۔ تاکہ اس کو دیکھ کر لوگوں کا جوش زیادہ ہو۔ باوجودیکہ جناب ممدوح کو اپنے شفیق باپ کی فاتحہ وغیرہ سے ابھی فراغت نہ ہوئی تھی۔ بزرگ خاندان کی موت پر گھر کے انتظام کا شیرازہ جیسا متفرق ہو جاتا ہے۔ اور ایسے گھر کا دفعۃً بار اُٹھانا جس قدر دشوار ہوتا ہے ظاہر ہے۔ تاہم آپ بمقتضائے الولد سر لابیہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور کسی امر مانع کو خیال میں نہ لائے۔ ایسے امور میں روپیہ کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ مگر یہاں اس کی اس قدر کمی تھی۔ کہ مرحوم بجائے اس کے کہ کچھ مال ومتاع میراث میں چھوڑ جاتے۔ ایک ہزار میرہ (بحساب ہندوستان چودہ پندرہ ہزار روپیہ) کا قرضہ چھوڑ گئے۔ جو غالباً اسی اہتمام میں لیا گیا ہوگا۔ جناب آیۃ اللہ مازندرانی بیمار ہونے کی وجہ سے تخت رواں میں سوار تھے۔ کجاوے اور محملیں سب سیاہ علموں پر سفید حرفوں میں لکھا ہوا تھا۔ یامرگ یا اسلام صدائے الرحیل بلند ہوتے ہی سب لوگ چل کھڑے ہوئے۔ سب سے مقدم جناب آیۃ اللہ مازندرانی کا تخت رواں بعدہ نمبروار حجۃ الاسلام آقا میر لعیت اصفہانی مع چند مجتہدین کے۔ پھر آقازادہ خراسانی ثقۃ الاسلام مرزا مہدی سلمہ مع چند مجتہدین کے۔ پھر جناب اخوند ملا محمد حسین قمشہ مع چند مجتہدین کے۔ جناب آقا سید مصطفٰے کاشانی مع چند مجتہدین کے۔ جناب شیخ اسحاق فرزند جناب رشتی۔ ان سب کے بعد حجۃ الاسلام سید آقا قزوینی کے جلو میں دیگر مجتہدین اور قریب الاجتہاد وغیر قریب الاجتہاد طلبہ وعوام الناس تھے۔ کل مجتہدین ہاتھوں میں عصے لئے ہوئے روتے اور وااسلاما کہتے ہوئے آنحضرات کے ساتھ دو سو طلبہ درجہ اوّل کے روانہ ہوئے +

۱۲ر کو حجۃ الاسلام آقا سید علی داماد تبریزی مع چند مجتہدین کے حجۃ الاسلام حاجی عبد الہادی
شلیلہ چند مجتہدین اور ایک جماعت کثیر طلبہ کے ساتھ جناب حاجی احمد تبریزی اور جناب
سید حسن و تبیس جماعت تبریزیوں و النٹریوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ان لوگوں کے ساتھ
جانے والے طلبہ کی تعداد سو تھی +

۱۳ر کو حجۃ الاسلام آقا سید محمد علی شاہزادہ عبد العظیمی ایک جمعیت فضلاء کو ہمراہ لیکر
تشریف لے گئے۔ اور ابھی دو تین علماء اور باقی ہیں۔ جو سامان سفر درست کر رہے ہیں۔
اور ہر روز دستہ دستہ طلاب اور تجار چلے جا رہے ہیں۔ یہ سب واقعات نامہ نگار حبل
المتین کے لکھے ہوئے ہیں۔ اور اسی نامہ نگار نے لکھا ہے۔ کہ حضرت آیۃ اللہ آقا
اسمٰعیل صدر اور آقا حاجی شیخ حسین حائری مجتہدین کربلا نے علماء نجف کو تار دیا ہے۔ کہ
ہم بھی منتظر ہیں۔ آپ سب آجائیں۔ تو ہمراہ چلیں۔ اور جناب حجۃ الاسلام مرزا شیرازی
سامرہ سے آنحضرات کے ہمراہ تشریف لے جانے کا مصمم قصد رکھتے ہیں۔ بعد ازاں
اخبار مذکور کو ایک معزز ذی علم کے خط سے معلوم ہوا۔ کہ حضرات علماء نجف اشرف و
کربلاء معلی ابھی کاظمین میں قیام پذیر ہیں۔ اور نگارندہ خط سے حجۃ الاسلام شیخ حسین
حائری نے دوران گفتگو میں فرمایا۔ کہ علماء کرام کے پاس ایران سے ہر وقت بذریعہ تار
خبریں آتی رہتی ہیں۔ قوم کا جوش کم نہیں ہوا۔ لیکن برف باری کے سبب راہیں بند
ہیں۔ بہار آتے ہی دفاعی کارروائی شروع ہو جائیگی۔ اور یہ بھی فرمایا۔ کہ اس وقت
ستر ہزار سوار جان لینے اور دینے کے لیے شمشیر بکف آمادہ و موجود ہیں۔ حقیر مؤلف
وراق کہتا ہے۔ کہ افسوس اس جماعت دست از جان شستہ کو تیغ آزمائی کا موقع
نہ ملا۔ اور روس منحوس کی ریشہ دوانیوں سے ایران سے متواتر ایسے اخبار آئے۔ کہ
مجبور یہ مجمع متفرق ہو گیا۔ اور منزل مقصود تک پہونچنے پایا۔ نہیں تو صورت واقعہ کو بہت
کچھ بدل دیتا۔ حبل المتین کو بغداد سے یہ تار آیا۔ کہ عتبات عالیات کے علماء و مجتہدین
آٹھ سو طلبہ کے ساتھ ایران جانے کو یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ لیکن طہران سے متواتر
تار آرہے ہیں۔ کہ آنحضرات سفر کی زحمت گوارا نہ فرمائیں۔ انشاء اللہ اطمینان کے ساتھ

جہاں انہوں نے مسلمانوں کو بیدریغ ذبح کیا۔ وہاں عیسائی باشندوں کو عموماً شہر سے بھگا دیا
ایک نامہ نگار نے لکھا کہ عیسائی پادریوں کو بتیس ہزار تومان یا ساٹھ ہزار روپیہ اس لئے
دیا گیا تھا۔ کہ وہ چپ چاپ دوسری جگہ بھاگ جائیں +

روضۂ مقدسہ کی عظمت وجلالت

انگریزی اخباروں کے جن نامہ نگاروں نے مشہد پر روسی دست درازی کی کیفیت قلم بند کی ہے۔ انہوں نے تمہید کے طور پر روضۂ مبارکہ کی جلالت قدر و رفعت شان کا بھی کچھ کچھ ذکر کر دیا ہے چنانچہ
پروفیسر براؤن نے اخبار مانچسٹر گارڈین کو لکھا ہے۔ کہ حضرت امام رضاؑ کا روضہ ایران میں سب سے زیادہ متبرک مقام اور ایک ہزار سال سے شیعی مسلمانوں کے مقدس ترین خانقاہوں میں شامل اور بقول مشہد کی برطانوی قونسل کے شیعی دنیا کا چشم وچراغ ہے۔
روضہ کی عمارت جس کے اندر کوئی غیر مسلم اپنے ناپاک قدم نہیں رکھ سکتا اور خصوصاً اس کا عظیم الشان طلائی گنبذ اپنی حسن و خوبی کے لئے مشہور تھا۔ اور اس کا کتب خانہ اور خزانہ متقی و پرہیزگاروں اور عابدوں کی کئی نسلوں کے زہد و اتقا کی بدولت گرانمایہ تحائف اور بیش بہا سوغاتوں سے مالامال ہو رہا تھا +

اخبار نیر الست کا نامہ نگار لکھتا ہے۔ کہ یہ مزار مقدس شہر مشہد کے اندر ایک وسیع میدان کے وسط میں طولاً طلاکار گنبد سے مع ایک عظیم الشان مسجد کے جس کو مسجد گوہر شاد کہتے ہیں واقع ہے۔ اس حادثہ کے بعد بھی کہ سکتے ہیں۔ کہ روسی کاسکوں کے سوا غیر مسلمانوں سے کسی کو شاذ و نادر طور پر ہی اس کے اندر جانے اور دیکھنے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ یہ مقام شیعوں کے امام ہشتم کا مدفن ہے۔ جس کے متعلق خزانہ و دوسری عمارتیں ہیں۔ خزانہ کا تخمینہ دس لاکھ پونڈ انگریزی کیا جاتا ہے۔ اور ایک بہت بڑا انبار خانہ بھی ہے۔ جس میں زائروں اور غریبوں کو کھانا دینے کے لئے غلہ بھرا رہتا ہے۔ اور ہر چھٹے مہینے صرف شدہ مقدار پوری کر دی جاتی ہے۔ اور کم سے کم ہر سال پچاس ساٹھ ہزار شیعہ اطراف عالم سے یہاں زیارت کو آتے ہیں۔ ہم نے جب دیکھا۔ تو میدان کا بالا اور پائیں حصہ جمّ غفیر سے بھرا پایا +

ایک اور نے لکھا۔ یہ عمارت اماکن متبرکہ اور اراضی مقدسہ سے ایک پرستش گاہ ہے۔ اسلامی دنیا کے معجزات اور کرامات یہاں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اس مزار کا گنبد طلا۔ طلائی مینار اور طلائی ایوان سونے کے در اور چاندی اور فولاد کے دروازے جن میں بیش قیمت جواہرات سے منبّت و مینا کے کثیر الاخراجات کام اور بیمثل چیزیں آنکھوں کے آگے عجیب سماں پیدا کرتی تھیں۔ اور بڑے بڑے سفید سنگ مرمر کی تڑپ اور چمک جو ایک ہزار میل کی مسافت صوبہ آذربائجان سے لاکر موقع بموقع نصب کئے گئے ہیں نظر بھر کر دیکھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ریشم و دیبا کے سجّادے اور گرانقدر فرش و دیگر بیش بہا اسباب نے اس مزار اقدس کی شان کو بڑھا رکھا ہے۔ غرض کہ کل مسلمانوں خصوصاً شیعہ مذہبوں کے تقدس کا مرکز ہے۔ اس میں سولہ بڑے مدرسے ہیں۔ جن میں ایران۔ ہندوستان۔ تبّت وغیرہ وغیرہ سے اگر کوئی بارہ ۱۲ ہزار طلبہ دینی تعلیم پاتے ہیں۔ وہ سب اسی مزار سے مربوط ہیں۔ اس کے علاوہ پندرہ ۱۵ سو علماء اور تیئیس ۲۳ سو روضہ خواں اور ماتم کرنے والے ہیں۔ جن میں زیارت پڑھانے والے اور اموات کو غسل دینے اور تجہیز و تکفین کرنے والے بھی شامل ہیں۔ یہ مزار ایک بڑی ریاست کا مالک ہے۔ جس میں منقولہ اور غیر منقولہ اس قدر سامان ہیں۔ کہ ہر ایک صیغہ کا محکمہ علیحدہ علیحدہ قائم اور اس سے متعلق ہے +

روضۂ فرزند رسولؐ خدا کی اشقیاء روسیہ کے ہاتھ سے تباہی اور بے حرمتی

آخر کار وہ قیامت خیز دن آگیا۔ جس کا یہ بہانہ جُو قوم بڑی بےچینی سے انتظار کر رہی تھی۔ یوسف خاں کے ہم خیال شورش پسندوں پر بطور جنگ زرگری ذرا سختی کی گئی۔ تو وہ روضۂ اقدس میں گھس گئے۔ ادھر سے نوٹس دیا گیا۔ کہ مسجد کو خالی کر دیں۔ نہیں تو ان پر

فیر کئے جائینگے۔ شورش کرنے والوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہُوا۔ نامہ نگار نیر المبٹ کے نزدیک
یہ نوٹس بھی باقاعدہ نہ تھا۔ اس کے نزدیک یہ کہنا چاہئے تھا۔ کہ غیر متعلق اشخاص اس عمارت
کے تمام حصوں سے علحدہ ہو جائیں۔ پس ۳۰ مارچ مطابق ۱۰ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۰ھ روز شنبہ
کو بڑی چھوٹی اور میکسم توپیں اس طرح نصب کی گئیں۔ کہ ایک پوری میدانی باٹری جس میں چار
بڑی بڑی توپیں شہر سے باہر دروازہ نو کے مقابل نصف میل کے فاصلے پر اور ایک باٹری
پائین (غالباً صحن قدیم) میں اور میکسم توپیں حرم کے ہر چہار گوشوں پر اور جو توپ پہلے
کاروانسرا کی چھت پر نصب کی تھی اس کو نیچے لاکر ایسے مقام پر رکھا۔ کہ فیر ہو۔ تو اس کا گولہ
دونو صحنوں میں سے کسی ایک کے بیچ میں گرے۔ اور سوار و پیادوں کو اس طرح قطار
میں کھڑا کیا۔ کہ دائرے کی صورت میں مزار اقدس کا محاصرہ کر لیا تھا۔

دھوآں دھار آتش باری

بعد ظہر ۴ بجے ۵۴ منٹ گزرنے پر توپوں سے گولہ باری شروع ہوئی۔
۳۰ منٹ کے عرصے میں ۹۲ شراپنل گولے اتارے گئے۔ اس
کے بعد میکسم توپوں اور سپاہیوں کو فیر کا حکم دیا گیا۔ جو بلا توقف برابر
آتش باری کرنے لگے۔ اس کے درمیان بھی بڑی توپیں تھوڑی دیر سے گولہ باری
کرتی رہیں۔ توپ بندی کرنے سے آخر وقت تک ۲ گھنٹہ میں بڑی بڑی توپوں کے
۱۸۰ گولے دروازہ نو سے اور ۴۲ گولے پائین یعنی صحن قدیم سے فیر کئے گئے۔ بعض
اوقات دیکھا گیا۔ کہ کل میکسم توپیں دفعۃً جبہ خانے اور انبار خانے پر گولہ باری کر رہی
تھیں۔ اور ہر توپ ایک منٹ میں ۳۵۰ گولے اتارتی تھی۔ اور ان میں سے اکثر نشانہ
باندھ کر لگاتے تھے۔ نامہ نگار کا بیان ہے۔ کہ جس وقت فیر ہوتا تھا۔ تو دھوآں
مثل سیاہ بادل کے چھا جاتا تھا۔ اور اکثر گولے مسجد کی سبز اینٹوں پر اور بعض حرم کے
طلائی گنبد پر گرتے تھے۔ اور کچھ صحن میں جا کر پھٹتے تھے۔ میرے خیال میں مینار گولوں سے
محفوظ رہا۔ دوسرے کا بیان ہے۔ کہ ۳۶۷ پھٹنے والے گولے روضۂ امامؑ کے گنبد
اور ایوان اور اس کے متعلقہ عمارتوں پر پھینکے گئے۔ دو گولے ایک عمارت کو توڑ کر نکلے۔
اور ان مسلمانوں کے سروں پر پھٹے جنہوں نے اس میں پناہ لی تھی۔ ان کے اثر سے

پچاس مسلمان شہید ہوئے۔ ۳۳ گولے قلعہ شکن توپوں سے گنبد پر ایسے مارے گئے۔ جنھوں نے نیم درع شگاف کر دئے ؛

روضۂ اقدس میں افواج اشقیاء کا داخلہ

آفتاب غروب ہوتے ہوتے روسی سپاہی دونو صحن بالا و پائیں اور دروازہ نو سے آگے بڑھے۔ اور مزار میں داخل ہوئے اور کارواں سرا والی توپ جس کا ذکر پہلے ہو چکا صحن کے اندر گولے مار رہی تھی۔ اور حملہ کرنے والے دستے کے جلو میں بھی میکسم توپیں تھیں۔ جو برابر اپنا کام کر رہی تھیں۔ ہزاروں آدمی وہاں پناہ گزیں تھے۔ مگر ان کی پشت پناہی کے لئے دیوار کے ساتھ کچھ اور نہ تھا۔ جن بد نصیبوں کو دیوار کی آڑ بھی نہ ملی۔ ان کو توپیں اپنی پناہ میں لے رہی تھیں۔ یا سپاہیوں کی بندوقوں کی گولیاں اور ان کی سنگینیں خوف و خطر سے نجات دلا کر آسائش ابدی میں پہونچانیوالی تھیں۔ جو سخت جان اس بزن و بکش سے بچ گئی۔ وہ سب خانۂ زنداں کی مہمان بنائے گئے۔ ظلمہ روسیہ بہت سے بیگناہوں کو کشاں کشاں اندر سے باہر لا کر قید میں دیتے تھے۔ مال و اسباب قیمتی اور غیر قیمتی جو جس کے پاس تھا۔ چھین لیا گیا۔ حتے کہ جیبیں ٹٹول کر پیسے اور جیب گھڑیاں تک نکال لیں۔ معتبر اور چشم دید شہادتوں سے ثابت ہوا ہے۔ کہ ایک میکسم توپ خاص اس مکان میں داخل کی گئی۔ جس میں مزار شریف ہے اور حرم کہلاتا ہے۔ فیر کرنے کے بعد توپ کو حرم کے دوسرے گوشہ پر لے گئے۔ اور وہاں بھی فیر ہوا اس کے بعد روسی ہر چہار طرف سے حرم میں داخل ہوئے۔ کہتے ہیں کہ چار ہزار مسلمان جن میں مرد عورت و بچے شامل تھے۔ روضہ کے اندر گریہ وزاری کر رہے تھے۔ کہ یکایک روسی وہاں گھس آئے۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ روضۂ مقدس کے دوسری جانب بعض عورتوں نے اپنے تئیں کوئیں میں گرا دیا۔ اور کچھ ان میں دھکیل دی گئیں۔ اسیر شدہ بھیڑ میں سوائے زوّار و فقراء و بے مدد شہر والوں کے اور کوئی نہ تھا۔ ہم نے آج تک کہ کئی روز اس واقعہ کو ہو چکے یہ نہیں سنا۔ کہ مفسدین یا شورش کرنیوالوں میں سے ایک شخص بھی قتل یا قید ہوا ہو (وہ کیوں قید یا قتل ہوتے۔ وہ تو ذریعہ فساد بنائے گئے تھے)۔ روضہ کے متولی باشی کو بھی جو تاج کی

طرف سے اس متبرک چار دیواری کے اندر نیابتہً مامور رہے حراست میں لے لیا گیا تھا گو بعد میں اس کو رہا کر دیا +

ایک دوسرے معتبر راوی کا بیان ہے - کہ ۲ گھنٹہ دن باقی رہے روسیوں نے بلاوجہ اور بغیر پہلے سے اطلاع دینے کے آستانہ اقدس کے چاروں طرف توپیں لگا دیں - اور دونوں صحنوں میں گنبد مطہر اور مسجد جامع پر باڑہ مارنے لگے - اور تین طرف سے یورش کرتے تھے - ایک منٹ میں ساٹھ اور سو فیر کرنے والی توپوں اور بندوقوں سے قدر اندازی دکھاتے ہوئے وارد حصار ہوئے - آدھ گھنٹہ شب گزرنے پر روسی وہ دو صحن اور مسجد میں پہونچ گئے تھے - اور اس کے دو گھنٹہ بعد جو غریب مصیبت زدہ اس ناگہانی گولہ باری سے جان بچانے کے لئے بھاگ کر صحنوں اور رواق مقدس میں اور حرم و مسجد میں چھپے تھے - وہ تیز فیر کرنے والی توپوں کی مار سے مقتول یا روسی سپاہیوں کے ہاتھ میں اسیر ہو گئے - حتے کہ حرم محترم بھی توپوں کا نشانہ بنا - اور ضریح اقدس کے نیچے بہت سے اشخاص قتل کئے گئے - اور حرم محترم کے اندر خون بہایا گیا - افسوس صد افسوس کہاں حرم محترم حضرت امام رضاؑ اور کہاں ان کی توپ و تفنگ - کہاں بارگاہ امام ہشتم اور کہاں یہ مظالم - آہ ان مہذب لٹیروں نے اُس حرم پاک کو بیحرمت کیا - جہاں سزائے قتل کے مستوجب بھی جا کر پناہ لیتے تھے - تو کوئی ان سے متعرض نہ ہو سکتا تھا - جہاں قانون مسلمہ دول یہ جاری تھا - کہ انسان تو انسان کسی کبوتر کو بھی تیر سے نہ گراؤ - آہ وہی روضہ مقدس نجس جوتوں اور ظلمہ روسیہ کے ناپاک پاؤں سے پلید ہوا - کافر فوجیں دندناتی چلی آئیں - اور بگل بجاتے نامردوں بحر دیواریں پھاند اندر کود پڑے - اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ +

مال و اسباب غارت شدہ

اسی رات کو جب قتل و غارت و اسیر کرنے سے ان وحشی خونخواروں کو فرصت ہوئی - نو گاڑی چھکڑے مال و اسباب اور قیمتی مفروشات وغیرہ سے بھر لئے گئے - ہر چند بعد کو کچھ واپس کئے - مگر بیان کیا جاتا ہے - کہ ضریح کے چار گوشوں کے طلائی بڑے بڑے لٹو جو قیمتی جواہرات سے

مرصع تھے۔ اور چار طلائی تنجے جو مسلمانوں کے مذہبی رسومات میں استعمال کئے جاتے ہیں مفقود ہیں۔ البتہ وہ بہت سے صندوق جو خزانوں سے بھرے ہوئے تہ خانوں اور حرم کے دیواروں کی حجرات (الماریوں) میں جن میں شیشے لگے ہوئے تھے واپس ہوئے ہیں۔ لیکن یہ کون جانتا ہے۔ کہ وہاں وہ کھولے گئے تھے یا نہیں۔ اور اب ان میں کیا ہے۔ تقریباً ۲۰ دُکانیں بقولے بیاسی [۸۲] علاوہ اس عمارت کے جس میں ۵۲ حجرے ہیں۔ اور یہ سب حدود حرم کے اندر ہیں مال غنیمت بنائی گئیں۔ ان میں زیادہ تر فیروزے بیچنے والے اور کچھ دیگر اشیاء کے سوداگر بیٹھا کرتے تھے۔ جو سب لوٹ لی گئیں ÷

دُوسرے راوی کا بیان ہے۔ کہ جو جواہرات اور قیمتی مال و اسباب وغیرہ نقد ما امام رضاؑ کا روسیوں نے لوٹا ہے۔ اس کا اندازہ ۸۰ لاکھ پونڈ کیا گیا۔ اور اسی قدر مال و اسباب دکانداروں اور پیشہ وروں کا غارت کیا گیا۔ لیکن اخبار انڈین ٹیلیگراف نے لوٹ کے مال کی مجموعی رقم سہ ۳ کروڑ روپیہ کی مشتہر کی ہے۔ محنت مزدوری سے روزی پیدا کرنے والوں۔ تجار۔ زرگر اور فیروزہ تراشنے والوں کا لوٹ میں زیادہ نقصان ہوا۔ جس کا تخمینہ کئی کروڑ کیا جاتا ہے۔ اسی سبب سے روسی سپاہی ایک ایک سگار کے عوض دینار اور فیروزے دیتے تھے۔ حضرت کے مال و اسباب از قسم جواہرات کتبخانہ کی قلمی کتابیں اور قلمی قرآن مجید وغیرہ اور ہندوستانی بادشاہوں کی نذر کی ہوئیں مُرصع تلواریں اور انواع و اقسام کے جواہرات سے مکلل و مزین زیورات جو ضریح اقدس کو زیب و زینت دے رہے تھے۔ ریشمی غالیچے اور زر باف کی قالینیں قطب شاہ ہندی کا قدارہ اور مروارید کے جیغے وغیرہ جن کی قیمتیں فرانسیسی بازار کے نرخ سے ۳ کروڑ روپیہ انگریزی کی ہوگی ۱۱ ربیع الثانی کی رات کو مفقود ہو گئے ÷

جانوں کا نقصان:- مالی نقصانات کے علاوہ جانوں کے نقصان کی جو تحقیق کی گئی۔ وہ حسب ذیل ہے۔ خاص شہر کے ۲۷۶۔ اور اطراف و جوانب

مشہد کے ۳۷۱ آدمی - اس کے علاوہ ۷۶ ۷ زائرین تھے - جن کی تفصیل یہ ہے -
ہندوستان اور بربر وغیرہ مقامات کے ۴۶ - افغانستان و بخارا وغیرہ کے ۳۴۰ - دوسرے
ایرانی بلاد و امصار کے ۳۷۲ ہیں - ان میں سے کل ۳۰۷ نعشیں ملیں ہیں - بقیہ کا
پتہ نہیں ہے - رات کے وقت روسیوں نے ان کو گاڑیوں میں بھر کر باہر نہ معلوم
کہاں چھپا دیا - کہ صحیح تعداد مقتولین کی کسی کو نہ معلوم ہو سکے +

مجروحین کا شمار ان سے بہت زیادہ ہے - لیکن چونکہ وہ غریب جان کے خوف
سے اِدھر اُدھر اپنے مقامات میں معالجہ میں مشغول تھے - اس لئے ان کی شمار درست
نہ معلوم ہو سکی - غرض تبریز میں جو ظلم وستم روسیوں نے برپا کئے تھے - مشہد میں اس سے
بھی زیادہ سفاکی اور خونخواری کا انھوں نے اظہار کیا - اس وحشیانہ سفاکی و خونریزی
کی نظیر ڈھونڈنے کے لئے ہمیں چھ صدی تک پیچھے کی اُلٹی زقند بھر کر مغلوں کی وحشیانہ
حملۂ ایران میں جانا چاہیئے - جو چنگیز خاں کی سرداری میں ہوا تھا - صوبۂ قاف کے فاتح
جنرل یرمولاف کی نسبت بیان کیا جاتا ہے - کہ اس نے شیخی کی راہ سے اس زمانے
کے شاہ ایران سے کہا تھا - کہ ہم چنگیز خاں کی نسل سے ہیں - اور قساوت و بیرحمی میں
اس کے قدم بقدم ہیں - اس ناپاک رعونت کی تصدیق کے لئے روسی فوج آج ایڑی
سے چوٹی تک کا زور لگا رہی ہے - مشہد کا واقعہ مہذب دنیا کے بدترین ظلموں میں
سے ہے - یہ بالکل ایسا ہے - جیسا کہ انگریز اپنے ہاتھ سے آگرے کے تاج محل
یا دلی کی جامع مسجد کو مسمار کریں - حضرت امام رضا کا روضۂ مبارکہ شیعہ دنیا کے جلال
کی یادگار ہے - اور ایران میں سب سے زیادہ قابل احترام سمجھا جاتا ہے - جنگ
کے زمانے میں بھی اس کی بربادی ناقابل معافی ہے - امن کے عہد میں تو ایک لمحہ
کے لئے بھی اس کا خطرہ میں پڑنا جائز نہ تھا (نامہ نگار انگریزی اخبار نیر ایسٹ) +

۳۰ مارچ کے بعد کی کیفیت شنبہ کی تمام شب لوگوں کو اندر جانیکی ممانعت
تھی - اتوار کی صبح کو اعلان ہوا - کہ سب اپنے
کام پر واپس آئیں - اور جس غیر مجاز شخص کے پاس ہتھیار ہوں - وہ روسی ہیڈ کوارٹر میں

داخل کرشتے - مگر جو روسی ظلم و بیداد سے قتل ہوئے تھے - ان کی لاشیں بدستور حرم اور
صحنوں میں پڑی تھیں - اور سوائے ان کے جنہیں روسی سپاہی راتوں رات بھیڑ بکری کی
طرح چھکڑوں میں بھر کر کہیں چھپا آئے تھے - اجازت نہ تھی - کہ کوئی ان کو اٹھا کر دفن کر
دے - تین روز مزدوروں نے اٹھا کر قبرستانوں میں پہونچایا - اسی رات سے صحن ہائے
مقدس اور مسجد جسے کہ خود حرم محترم کہ محل نزول ملائکہ ہے نجس و ناپاک روسیوں کا گزرگاہ
آمد و شد بنا ہوا تھا - روسی مرد عورتیں اپنے کتے ساتھ لئے وہاں چکر لگاتے اور صحن
مطہر روسی گھوڑوں کے اصطبل تھے جہاں وہ لید اور پیشاب کرتے تھے ؛

مفسدوں کے سرغناؤں میں طالب اللہ محمد نیشاپوری دو شخص (رفع تہمت کے
خیال سے) گرفتار کئے گئے - یوسف خاں ہراتی گولہ باری کے وقت تک شہر میں
موجود تھا - بعد ازاں چند ہمراہیوں کو لیکر افغانستان کی طرف بھاگ گیا - اور ایک بڑی
جماعت کے ساتھ واپس آنے کا ارادہ رکھتا ہے - نامہ نگار کہتا ہے - کہ مجھ کو یقین
ہے - کہ وہ کہیں نہیں گیا - شہر ہی میں پوشیدہ موجود ہے - ایک افواہ یہ بھی ہے کہ
روسیوں نے پکڑ لیا ہے - وہ اسے پھانسی دینگے - ایک اور راوی کا بیان ہے
کہ صرف طالب اللہ اسیر ہوا ہے - محمد نیشاپوری سپاہیوں کے آگے سے نکل گیا
ان کے سوا دیگر فتنہ پرداز جو اتفاق سے قیدیوں میں آگئے تھے - ان کو افسر مجاز نے
بظاہر چھوڑ دیا - اور بیگناہ غریبوں کو قید میں ڈالا ؛

بعدہ انہوں نے خواہش کی - کہ ایک نوشتہ دو - کہ حضرت کے آستانہ مبارک
کے مال و خزانہ کتاب خانہ اور ضریح اقدس کے جواہرات کو کسی نے ہاتھ نہیں لگایا -
مجبوراً ان لوگوں کو لکھنا پڑا - برأت نامہ تیار ہوگیا - تو سب سے پہلے مرتضےٰ قلی خاں
متولی باشی نے اس پر اپنی مہر کی - اس کے بعد ایک ایک شخص آتا اور دستخط کرا کر
رخصت کر دیا جاتا - مرتضےٰ قلی خاں بدستور اپنے عہدہ پر بحال ہے - اپنے پرائے
سب اس کو طعنہ دیتے ہیں - کہ کس لئے برأت نامہ پر دستخط کئے - وہ جواب دیتا
ہے - دستخط نہ کرتا تو کیا حضرت ثقۃ الاسلام تبریزی کی طرح دار پر چڑھتا - اور پھانسی دیا جاتا

بعض یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ دار الخلافہ طہران سے اس کو ایسی ہی ہدایت ہوئی ہے۔ مگر نامہ نگار کا یہ خیال ہے۔ کہ وہ خودرائے و نفع پرست آدمی ہے۔ اس لوٹ مار میں اس کی جیب بھی بھری گئی ہے۔ وہ بہت جلد ان چیزوں کی فروخت کرنے کے لئے یوروپ کی سیر و سیاحت کو جائیگا۔ اگر یہ درست ہے۔ تو یہ رباعی یہاں صادق آتی ہے۔ ؎

افسوس علاج دردِ پنہانیٔ ما | صد حیف کہ چارۂ پریشانیٔ ما
در دستِ کسانے ست کہ پنداشتہ اند | آبادیٔ خویش را ز ویرانیٔ ما

عمارات کو جو صدمہ پہونچا ہے۔ اس کے نقصان کا اندازہ ستر ہزار تومان یا دولاکھ دس ہزار انگریزی کیا گیا ہے۔ مگر جو نقص عمارت میں پیدا ہو گئے۔ وہ کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتے۔ آخری اطلاع جو مشہد سے آئی۔ یہ ہے۔ کہ بہاؤ الدولہ نے معزز اخبار حبل المتین کو تار دیا کہ روضۂ اقدس غریب الغرباء امام رضاؑ کی مرمت شروع ہو گئی۔ اور شاہزادہ منیر الدولہ جو رکن الدولہ کے بعد صوبہ دار مشہد مقرر ہوئے انہوں نے اپنے ہاتھ سے اس کار خیر کا افتتاح فرمایا +

منظومات

اس دل کے ہلانے والی مصیبت اور آنکھوں سے خون رُلانے والی شدت میں بہت سے باکمال شاعروں نے مرثئے لکھے ہیں۔ مگر ہم یہاں چند حضرات لکھنؤ کے کلام بلاغت نظام پر اکتفا کرتے ہیں۔ از انجملہ نامور شاعر جناب سید علی نقی صاحب صفی کہتے ہیں:-

بتا تو اے مشہد مقدس کلس ترا کیوں جھکا ہوا ہے
تیرے گنبد میں اے عمارت صدائیں کونجی ہوئی ہیں کیسی
بپا ہوا حرم کا یا رب حرم کے اندر شکار کیسا
جہاں یہ ہرگز نہ تھی اجازت کہ غیر مسلم قدم بھی رکھے

یہ خون صحن حرم میں کیسا یہ کس قیامت کا سامنا ہے
یہ بام و در کیوں لرز رہے ہیں غبار آلود کیوں ہوا ہے
کسی کے بازو بندھے ہوئے ہیں چھری کے نیچے کوئی گلا ہے
وہاں یہ کالے سک بھرے ہوئے ہیں یہ حرمت خانہ خدا ہے

ہمیشہ جن میں کہ پنج وقتہ نمازیں ہوتی تھیں با جماعت
کہیں ہے بسمل تڑپ رہی ہیں کہیں ہے زخمی سسک رہی ہیں
عمارت منہدم کے نیچے خبر نہیں کس قدر رہیں لاشے
یہاں کے سب قیمتی جھاڑادی تمام غارت ہوئے کہ غائب
امام ہشتم کے مقبرے میں یہ مفسدانہ ہجوم کیسا
وہ فتنہ گر یوسف ہراتی ملا ہوا تھا جو روسیوں سے
وہی خراسان کا گورنر خطاب جس کا ہے رکن دولت
خزانۂ روضۂ رضاؑ پر بہت دنوں سے تھا دانت جس کا
جسے کہ قزاق روسیوں نے حرم میں یوں بیدریغ لوٹا
ٹرسٹیوں سے رسید اسکی بجبر لی گئی ہے لیکن
اب استغاثہ کریں تو کس سے خدا سے یا اپنے بادشہ سے
پناہ اے بے نیاز قوت کہ ہم کو گھیرا ہے ڈاکوؤں نے
زمین تبریز و رشت میں جو ہوئے تھے ناگفتہ بہ مظالم
ثقات اسلام نے وہاں پر بروز عاشورا پائی پھانسی
بہانہ جو حریص و ظالم عقاب ایران کے تاک میں ہے
گزشتہ چھ سو برس سے نہیں ملیگی نظیر جس کی
ہماری توہین مذہبی کا قلق نہیں کس شریف دل کو
جہاں تک اسلام کی ہے دنیا وہاں تک اس رنج کا اثر ہے
عمارت مشہد مقدس نشاں نہیں گولیوں کے تجھ پر
غریب امام رضاؑ کے مدفن تیری یہ بے احترامیاں ہیں
حریم کعبہ سے کوئی کہدے تیری بھی اب خیریت نہیں ہے
ربیع آخر کی گیارھویں کو جو غم کا اسلامیوں کے دل ہے
وہ جن کے خون وفا سے ہر سو حرم میں گلکاریاں ہوئی ہیں

وہاں یہ گھوڑے بندھے ہوئے ہیں ہے کیا جنوں خیز ماجرا ہے
بأیّ ذنبٍ قتلتنی کی بلند فریاد جا بجا ہے
بہت سے ابتک نکل چکے ہیں کچھ ان مظالم کی انتہا ہے
نہیں تھا مثل و نظیر جس کا شکستہ وہ گنبد طلا ہے
یہاں تو پیشرو کا شاہزادہ لحد کے حجرے میں سو رہا ہے
اسی کا بویا ہوا یہ بس ہے اسی کے چلتوں یہ سب ہوا ہے
بڑا ہی ناحق شناس نکلا کہ بیخ کن ملک و قوم کا ہے
اسی بیحیا کی فتنہ سازی کا یہ نتیجہ ہے اور کیا ہے
نہیں خزانہ وہ سلطنت کا ارے وہ سب مال وقف کا ہے
تبرکات و خزانہ کچھ بھی ابھی تو واپس نہیں ملا ہے
کہ جس کا دل ایک شریف دل ہے سروں پہ جو سایۂ خدا ہے
مدد اب اے شیر انگلستاں کہ تیرا ناخن گرہ کشا ہے
وہ ابتدا کی خبر یہ انکی وہ ابتدا تھی یہ انتہا ہے
مگر تباہی در رضاؑ کی کچھ ان مظالم سے بھی سوا ہے
یہ جانتا ہے کہ صید اس کا شکستہ پر ہے شکستہ پا ہے
وہ ظلم ان روسیوں کے ہاتھوں ہم اہل اسلام پر ہوا ہے
پروفیسر جی براؤن صاحب کا خط پڑھو دیکھو کیا لکھا ہے
کہیں ہے ماتم کی صف بچھی ہے کہیں بپا مجلس عزا ہے
لگیں ہیں چوٹیں بڑی ہیں ناسور ان دلوں میں جنہیں حیا ہے
وہیں کٹے جائیں ذبح زائر جو زاویہ مامن رضاؑ ہے
نجف مدینہ ہے بے خطر ہے نہ کاظمین اور کربلا ہے
یہ لوگ مشہد میں کاش آتے کہ پوچھتے تو قصور کیا ہے
خوشا نصیب اے خدا پرستو یہی محبت کا خوں بہا ہے

بے گناہوں کا خون ناحق ضرور لائیگا رنگ ایک دن
کبھی تو ان تیز آندھیوں سے حجاب غیبت کو ہوگی جنبش
پڑھا کرو اس کو مجلسوں میں کہا کرو پڑھ کے خوب ماتم
ملیگی جلد ان ستمگروں کو اگر کوئی ظلم کی سزا ہے
کبھی تو ہوگا ظہور قائم جو آج کل صاحب عزا ہے
نہیں یہ نظم صفی عزیزو فراق مشہد کا مرثیہ ہے

مسدس مصنفہ مداح آل محمد جناب مرزا کاظم حسین صاحب متخلص بہ محشر لکھنوی سلمہ منقول از رسالہ شیعہ

وہ مشہد مقدس مرکز جہان بھر کا
اسلامیوں کا معبد رکن رکین دنیا
بے حرمتی سے اس کی اپنی بڑھائی عزت
تھا محو خواب جس میں شیر خدا کا پوتا
ذرے ہیں جس کی پنہاں ایمان کا خزانہ
اے روس اتنی بھی تھی کیا تیری شان و شوکت

موسے رضا کا مدفن اور اس پہ گولہ باری
دنیا میں کیا سیاست یونہی ہوئی ہے جاری
اے روس یہ طریقہ ہرگز روا نہیں ہے
اللہ رے وحشیانہ طرز ستم شعاری
کیا پایۂ ریاست ہوتا ہے یونہی بھاری
سب کا خدا ہے شاید تیرا خدا نہیں ہے

ہو کر شہید جس نے غربت میں گھر بنایا
ان گولہ باریوں سے دل ہل گیا جہاں کا
بولے نہ بولے کوئی ناحق برس پڑے تم
کیا مل گیا جو اس کے مدفن کو توڑ ڈالا
تہذیب اور تمدن پہ کیوں لگا یہ دھبا
تربت کے سونیوالے معصوم سے لڑے تم

گزری ہیں آٹھ پشتیں مظلومیت میں جسکو
ہنگام خواب راحت وہ مورد ستم ہو
زندوں کا فدیہ مردے کب اور کہاں ہوئے ہیں
اے من چلو ذرا تم انصاف سے کہو تو
روتی ہیں تم پہ قومیں غفلت سے آنکھیں کھولو
اہل وفا کے یوں بھی کیا امتحاں ہوئے ہیں

انگور زہر آگیں جس کو کھلا کے مارا
معصوم چھوٹے چھوٹے بچے چھڑا کے مارا
توپوں سے اس کا مدفن توڑا گیا غضب ہے
غربت کی بیکسی میں گھر سے بلا کے مارا
اک بے وطن کو اپنے قابو میں لا کے مارا
اس برزخ ستم کا ہنگامہ بھی عجب ہے

وہ مشہد مقدس عالم کا جو کہ دل تھا
وہ مشہد مقدس شیدا ہے جس کی دنیا
وہ مشہد مقدس جو تھا در تمنا
وہ مشہد مقدس جو خوابگاہ مولا

تاریخ دہر اُٹھائیے دیکھو تو کیا ہے مشہد — عالم سے کی ہے عزت جب سے بنا ہے مشہد

روحانیوں کا مرکز اسلامیوں کا مامن — عالم کے دل شکستہ بے وارثوں کا مسکن
رضواں جہاں کا درباں وہ پُر بہار گلشن — معصوم امام ہشتمؑ موسےٰ رضاؑ کا مدفن
قربان نام بیکس آنسو نکل ہی آئے — آنکھوں کے دونو چشمے آخر اُبل ہی آئے

میرے شہید تیرے مامن پہ یہ جفائیں — میرے امام تیرے مسکن پہ یہ جفائیں
میرے معین تیرے اک تن پہ یہ جفائیں — میرے غریب تیرے مدفن پہ یہ جفائیں
گنبد کی شکل اصلی مانا کہ پھر بنیگی — چھالے ہمارے دل کے یونہی رہینگے باقی

مسجد میں گھوڑے باندھے اللہ رے سیاست — یہ ظالمانہ جرأت یہ جابرانہ طاقت
موذوں سمیت آئے تا آستان حضرت — لوٹی بقدر امکاں جو کچھ کہ تھی بضاعت
ننگ بہادری ہے دنیا میں یہ فسانہ — معبد کوئی بنا کب اس طرح کا نشانہ

سادات کا لہو پھر وقف ستم ہوا ہے — تبریز اور خراساں ایک منزل فنا ہے
ایراں میں خوں کا دریا ہر سمت بہ رہا ہے — ہوتا ہے قتل بیٹا اور باپ دیکھتا ہے
مجبوریوں نے برپا کر دی ہے کیا قیامت — ہر وقت آ رہی ہے آفت پہ تازہ آفت

اے خاتم المصائب اے کربلا کے مہماں — اے تشنہ کام و بیکس اے رہنماے دوراں
فہرست کربلا میں یہ ظلم آفت جاں — لکھ رکھنے کے ہی قابل تا ہو سکے نہ پنہاں
وہ روز تھا جو پہلے بیشک ہے اب بھی باقی — پھر آ رہی ہے بہیا۔ اسلام کے لہو کی

سولی پہ عالموں کو عشرے کے دن چڑھایا — تبریز میں دکھایا ہنگامہ کربلا کا
واں ناوک ستم کا اک مینہ برس رہا تھا — یاں سیدوں کی خوں سی جاری زمیں پہ دریا
واں زیب نیزہ سر تھا احمدؐ کے جانشیں کا — معراج دار پر یاں تن رہبران دیں کا

اے صابروں کے پیرو اے صبر کرنے والو — اے بزم غم میں ٹھنڈی سانسوں کے بھرنیوالو
یا لیتنی کو شن کر جی سے گزرنے والو — جرأت پہ مرنے والو ہمت پہ مرنے والو
قومی فقیر ہم ہیں ہم کو پٹے رضا دو — تھا جس طرح کا گنبد ویسا ہی پھر بنا دو

محشر یہ وقت غم ہے اور جوش اشکباری — کام آئیگی بہت کچھ اپنی یہ آہ و زاری

ہوگی سکوں کا باعث شدت کی بیقراری
دل ساری قوم کے اب باہم ملائیں گے ہم

خاطر شکستہ ہم ہیں آنسو ہوں کیوں نہ جاری
یوں گنبد رضا کو پھر سے بنائیں گے ہم

مشہد پہ کیا گزری ۔ جناب مرزا محمد عزیز لکھنوی

مسلمانو خبر ہے کچھ تمہیں مشہد پہ کیا گزری
اک آوارہ وطن مظلوم کے مرقد پہ کیا گزری

ہوا گنبد کا کیا نقشہ حرم میں کیا ہوئی شورش
ہوا کیا زائروں کا حال اور معبد پہ کیا گزری

دکھائیں کس کو سینہ چیر کر ہم کون دیکھیگا
ہمارے دل پہ جو گزری ہے وہ گنبد پہ کیا گزری

ہمارے دل کی کیا ہستی نہ دیکھو تم مگر دیکھو
دل حیدر پہ کیا گزری دل احمد پہ کیا گزری

وہاں ہیں توپ کے گولے یہاں اک آہ کافی ہے
جو زندہ ہیں دکھا دینگے کہ اس مرقد پہ کیا گزری

خدا بھی ہے کوئی شے کھیلنے والے تم شکاران کو
دکھا دینگے کہ اس وادی کے دام و دد پہ کیا گزری

چلو اے سید و ماتم کرو باب السیادت پر
خبر تو لو کہ تربت میں تمہارے جد پہ کیا گزری

مشہد مقدس اور شیعیان ہندستان

مشہد مقدس کی بیحرمتی اور اس ارض اقدس میں جو روس منحوس نے لوٹ مچا رکھی ہے۔ اس کی خبروں نے مومنین شیعیان آل طٰہٰ و یاسین باشندگان خاک تیرہ ہندوستان زمین کو بیچین اور ان کے قلوب کو دردمند و مجروح کر دیا۔ مگر غیر حکومت کے تابع ہو کر وہ کر ہی کیا سکتے تھے۔ بجز اس کے کہ اکثر شہروں۔ قصبوں بلکہ دیہات تک میں جلسہ ہائے عزا منعقد ہوئے۔ جن میں ایران کی مظلومیت اور مشہد کے اس درد انگیز حیرت افزا واقعہ پر افسوس اور روس کی ظالمانہ دستبرد پر قہر و غضب کا اظہار کیا گیا۔ اور باتفاق رائے گورنمنٹ انگریزی سے استدعا کی گئی۔ کہ ظالمان روس سے ان ظلموں کی بابت بازپرس کرے۔ اور جو اموال و اسباب اور متبرک اشیا روضۂ مبارکہ کی انھوں نے غارت کی ہیں۔ ان کی استرداد کی فکر فرمائے۔ اور آئندہ ایسے واقعات کے

انسداد کی تدابیر عمل میں لائے۔ سازانجملہ کلکتہ میں چند شاندار جلسے انجمن معین الاسلام وغیرہ کے منعقد ہوئے۔ جن میں ہزاروں ہندو مسلمانوں نے یکساں ہمدردی ظاہر کی۔ اور مشہد کے واقعہ پہ بے انتہا غم و غصہ کا اظہار فرمایا۔ اور گورنمنٹ سے درخواست تدارک و تلافی کی گئی۔ نیز اکثر مقامات پر ان جلسوں میں یہ رزولیشن بھی پاس ہوا۔ کہ ۱۰ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۰ھ مطابق ۳۰ مارچ سنہ ۱۹۱۲ء ہم لوگوں کے لئے وہ دلخراش روز ہے جس میں حضرت امام علی رضاء کے روضۂ مبارکہ کی روسیوں کے ہاتھوں توہین اور بربادی ہوئی۔ لہذا اخلاقی، مذہبی حیثیت سے یہ تاریخ ہمیشہ کے لئے اظہار غم و الم کی یادگار مقرر ہو۔ ہر سال مومنین ہندوستان اس میں مجالس عزا منعقد کریں۔ لکھنؤ کی آل انڈیا شیعہ کانفرنس نے بعینہ یہ مضمون اپنے جلسہ میں پاس کیا۔ لاہور، بمبئی، پونا وغیرہ میں زوردار جلسے ہوئے۔ بنارس میں بصدارت مرزا اکبر بخت صاحب آنریری مجسٹریٹ ضلع شاندار مجمع ہوا۔ رائے بریلی میں بھی ایک بہت بڑا جلسہ انعقاد پذیر ہوا جس کے پریزیڈنٹ حاجی حافظ قاضی سراج الدین صاحب تعلقہ دار بنواہ تھے بہت سے مضامین اس دردانگیز واقعہ پر پڑھے گئے۔ صاحب رسالہ شیعہ کہتے ہیں۔ کہ صرف چند اخبارات کے اقتباس و انتخاب سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اب تک ۶۰ مقامات میں اس قسم کے جلسے منعقد ہو چکے ہیں۔ اس کے سوا دیگر اطراف و جوانب سے اس کی خبریں آرہی ہیں۔ ہر جگہ سے گورنمنٹ کی خدمت میں عرضداشتیں ارسال ہوئی ہیں۔ اور اس کی عدالت و رعایا پروری کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا ہے۔ مگر اس وقت تک ظاہرا کوئی اثر ان فریاد و استغاثوں پر مترتب نہیں ہوا۔ کوئی مفید اور مؤثر تدبیر گورنمنٹ کی طرف سے اس بارے میں عمل میں نہیں آئی۔ حالانکہ پیشتر مکرر سنا جاتا تھا۔ کہ گورنمنٹ اپنے سات آٹھ کروڑ مسلمان رعایا کے جذبات سے غافل و ذاہل نہیں۔ اور روسی و برٹش عہدناموں کے وقت بارہا اعلان اس امر کا ہوتا رہا۔ کہ ایران کی آزادی بہرحال بحال خود رہیگی۔ مگر آج دیکھا جاتا ہے۔ کہ روس اس طرح ایران کو پامال کئے چلا جا رہا ہے۔ اور برٹش گورنمنٹ اس کو نہیں روکتی۔ کیا روس کا یوں بڑھتے چلے آنا ہماری گورنمنٹ کے حق میں زبون نہ ہوگا۔ اور روسی اور ہندوستانی انگریزی سرحدوں کے درمیان کوئی حد فاصل نہ رہنا اور ان کا باہم ٹکرا جانا انگریزی ہندوستانی سلطنت کے لئے بد نتائج پیدا نہ کریگا۔ بعض کا قول ہے۔ کہ روس جو کچھ کر رہا ہے۔ انگریزوں کے مشورے اور

اجازت سے کر رہا ہے۔ دونو سلطنتوں میں سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ کہ ایران کے حصّے بخرے کر لئے جائیں۔ نصف شمالی روس کے قبضہ میں رہے۔ باقی نصف جنوبی پر انگریز متصرف ہوں۔ ہم کو اس کی صحّت میں کلام ہے۔ اور اگر خدانخواستہ یہ درست ہے۔ تو ایرانی سلطنت کا گیا خاتمہ ہوا۔ یہ سمجھو۔ کہ اسلامی بادشاہت دُنیا سے رخصت ہوئی۔ آج ایران گیا۔ تو کل روم بھی قائم رہنے والا نہیں۔ مشہد مقدس کی بیحرمتی ہوئی ہے تو اس کے بعد کربلاء معلّے و نجف اشرف کی باری ہے۔ پھر مکہ معظمہ اور مدینہ مشرفہ کی بھی خیر نہیں نظر آتی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون +

سہارن پور

۲۲ ر رمضان المبارک سنہ ۱۳۳۰ھ
بروز پنجشنبہ
مطابق ۵ ر ستمبر سنہ ۱۹۱۲ ع

قطعۂ تاریخ طبع کتاب لمعۃ الضیا جلد دوم

از فکر بکر جناب منشی اُلفت علی صاحب انبالوی سلمہُ اللہ تعالےٰ

مثال مولوی مظہر حسن اب — نہ علامہ کوئی جگ میں ملا خوب

وہ ایسا عالم و فاضل ہے یکتا — نہیں مانند اس کے دوسرا خوب

انہوں نے لکھی وہ تاریخ مشہد — کہ جس کا نام ہے لمع ضیا خوب

محقق نے بصد تحقیق لکھا — سلاطین سلف کا تذکرا خوب

جنھوں نے روضۂ اقدس بنایا — زر و زیور سپے مولا دیا خوب

کسی نے گنبد زریں بنایا — کہا گردوں نے جسکو مرحبا خوب

کسی نے فرش بلوریں بچھایا — کسی نے کی بنا معبد سرا خوب

کسی نے روضۂ فردوس کی شکل — سجایا روضۂ موسئے رضاؑ خوب

غرض جتنی عقیدت رکھتا تھا جو — بقدر حوصلہ وہ کر گیا خوب

پھر ان اعدا کا بھی سب حال لکھا — جنھوں نے ظلم مشہد میں کیا خوب

انہوں نے روضۂ اطہر کو لوٹا — نہ لائے دل میں وہ خوف خدا خوب

محقق طور سے سب حال لکھے — اسی پر خاتمہ اس کا کیا خوب

تھا سال طبع کا گویا مجھے فکر — تھا بحر فکر میں ڈوبا ہوا خوب

کہ ناگہ ہاتف غیبی نے آکر ... یہ میرے کان میں بس کہدیا خوب
سر انصاف سے گویا تو لکھ دے ... سراپا حال مشہد لکھ دیا خوب

۱۳۳۱ھ

دیگر

مظہر حسن کہ عالم و مرد سعید ہے ... اور سب کے اعتقاد میں فاضل رشید ہے
تاریخ اس نے ارض مقدس کی کی رقم ... سب مومنوں کو اس کی خوشی مثل عید ہے
کوئی نہیں ہے بقعہ اقدس سے بیخبر ... جو منتسب بنام امام سعید ہے
ہمنام جدّ امجد عالی مقام ہے ... رضوی لقب ہے ضامن ثامنؑ رشید ہے
اس کا محب ہے اہل سعادت جہانمیں ... بدبخت دو جہاں میں عدوے عنید ہے
بے فرق امتیاز سے گویا یہ سال طبع ... گلدستۂ نفیس کتاب سعید ہے

سنہ ۱۳۳۱ھ

ولہ قطعۂ دیگر

ہے لمعۃ الضیا کی ضیا مردمان میں ... پتلی سی عین چشم میں اور عین جان میں
علامۂ محقق مظہر نے یہ کتاب ... تصنیف کی ہے شاہ خراساں کی شان میں
دریاے علم و فیض کہیں ان کو تو بجا ... عالی گہر وہ ایک ہیں ہندوستان میں
تصنیف ان کی اور کتابیں کئی ہیں بہت ... لیکن وہ سب کی سب ہیں ائمہؑ کی شان میں
سن سن کے وصف آل محمدؐ کا بے شمار ... صل علےٰ کا شور ہے کرّ و بیان میں
جب فکر سال طبع کا دل پر ہوا خیال ... ہاتف نے آکے گویا پکارا یہ کان میں
جس کا نہیں جواب لکھو سال طبع کا ... ایسی کتاب خوب وہ دیکھی جہان میں

سنہ ۱۳۳۱ھ

تالیف ہے۔کہ جس کا مثل اس وقت تک دُوسرا نہیں۔ اور تمام اعتراضات کا تسلی بخش و دنداں شکن جواب دیا ہے۔کتاب نہایت خوشخط ۲۰×۲۶ تقطیع پر چھپ کر طیار ہے۔قیمت عہ

تحقیق المتین اردو ترجمہ حق الیقین یہ کتاب سرکار شریعتمدار علامہ ملا محمد باقر مجلسی اعلے اللہ مقامہ کی تصانیف سے ایک اعلےٰ درجہ کی تصنیف ہے۔اس کتاب میں مجلسی ؒ نے اصول دین اور ضروری مسائل شرعیہ کو قرآن و حدیث سے ایسے سہل طور پر ثابت کیا ہے۔کہ کم فہم بھی خوب سمجھ کر حق الیقین کے درجہ پر پہونچ جاتا ہے۔اس کتاب کا ہر شخص کے پاس ہونا ضروری ہے۔قیمت عہ

چشمۂ نجات کتاب عین الحیات کے نام سے تمام شیعی دُنیا واقف ہے۔ درحقیقت یہ کتاب طالبان معرفت وعقبےٰ و واعظین و ذاکرین کی جان ہے۔اس کتاب میں ہر ایک حال کے ساتھ تمثیلات۔قصص و حکایات عجب دلچسپ لکھی ہیں۔چونکہ یہ کتاب زبان فارسی میں تھی۔لہذا اس کا اردو ترجمہ بنام "چشمۂ نجات" نہایت خوشخط صحیح چھاپا گیا۔قیمت عہ

تذکرۂ ملا محمد باقر مجلسی اعلی اللہ مقامہ جس میں علامۂ موصوف کی زندگی کے تمام حالات از ولادت تا وفات مفصل درج ہیں۔قیمت ۸ر

کحل الانظار ترجمہ نور الابصار یہ کتاب عربی زبان میں کمال تحقیق کے ساتھ آیۃ اللہ فی العالمین جناب قبلہ مولوی سید محمد ابراہیم صاحب مجتہد اعلی اللہ مقامہ نے تصنیف فرمائی تھی۔اس کتاب میں ابو عبیدہ ثقفی کا حال ہے۔کتاب موصوف کا اردو ترجمہ کر کے نہایت کوشش سے چھپوایا ہے۔قیمت عہ

تطبیق۔اپنے رنگ کی نئی کتاب اردو زبان میں اصول دین و فروع دین کی تشریح

کر کے ثابت کیا ہے۔ کہ تمام مسائل اسلامی کتب آسمانی انبیاء سلف کے مطابق ہیں۔ اکثر مورخین کے حوالے برابر دئے گئے ہیں۔ عجیب کتاب ہے۔ اس کا لطف دیکھنے سے آتا ہے۔ قیمت ۶ / +

سوانح عمری جناب امام جعفر صادقؑ۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے۔ کہ جس لاجواب کتاب کی ملک ہند میں دھوم تھی۔ اور جس کی طرف مومنین کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں اور دل سینوں میں بیقرار تھے۔ وہ مجموعہ محمودہ دین وایمان کا خزانہ علم و معرفت کی کان یعنی علم تاریخ و سیر کی جان کتاب مستطاب مسمیٰ بہ "کشف الحقائق فی احوال جعفر الصادق" تصنیف قدوۃ العلماء الراسخین مؤرخ حضرات ائمہ معصومین صلواۃ اللہ علیہم اجمعین مولانا الحاج سید مظہر حسن صاحب الموسوی السہارنپوری دامت برکاتہ حسب دلخواہ چھپکر طیار ہوگئی۔ قیمت عما / +

سوانح عمری جناب علامہ سرکار مولانا مولوی حکیم سید غلام حسنین صاحب قبلہ کنتوری دام ظلہ نہایت خوشخط جلی قلم چھپی ہے۔ قیمت ۱۲ / +

انتصار الاسلام۔ عقائد اسلامیہ کی فلسفانہ بحث۔ ردنیچر۔ عجب مقبول و لاجواب کتاب ہے۔ قیمت حصہ اول عہ / ایضاً حصہ دوم عہ / +

مأتین فی مقتل الحسینؑ جلد اول ہر دو حصہ۔ اس کتاب میں واقعۂ شہادت جناب امام حسین علیہ السلام کے متعلق تمام امور کا مصالح عظیم پر مبنی ہونا معقول سے ثابت کیا ہے۔ مصنف علام کے وہ عالی مضامین ہیں جو مجالس میں بیان فرماتے ہیں۔ قیمت عہ / ایضاً جلد دوم عہ / +

اجابت السائل۔ اس میں حال ملاقات جناب امام حسینؑ اور جناب خضر علیہ السلام بصورت اعرابی سوال و جواب ہر دو حضرات۔ نصف کالم میں اصل عبارت عربی۔ نصف میں اردو ترجمہ۔ قیمت ۲ / +

المشتہر

مولوی غلام عباس مینجر امامیہ جنرل بک ایجنسی کوچہ نانک کھلہ لوہاری منڈی۔ لاہور